

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224054

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—67—IT-1-68—5,000.



OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 89/523.0

Accession No. 4965

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

سالگرہ نمبر ۱۳۵۷ھ

بیگم کا رازِ علاء و نصیر انبیا و حبیب محمد آصفیہ صاحبہ

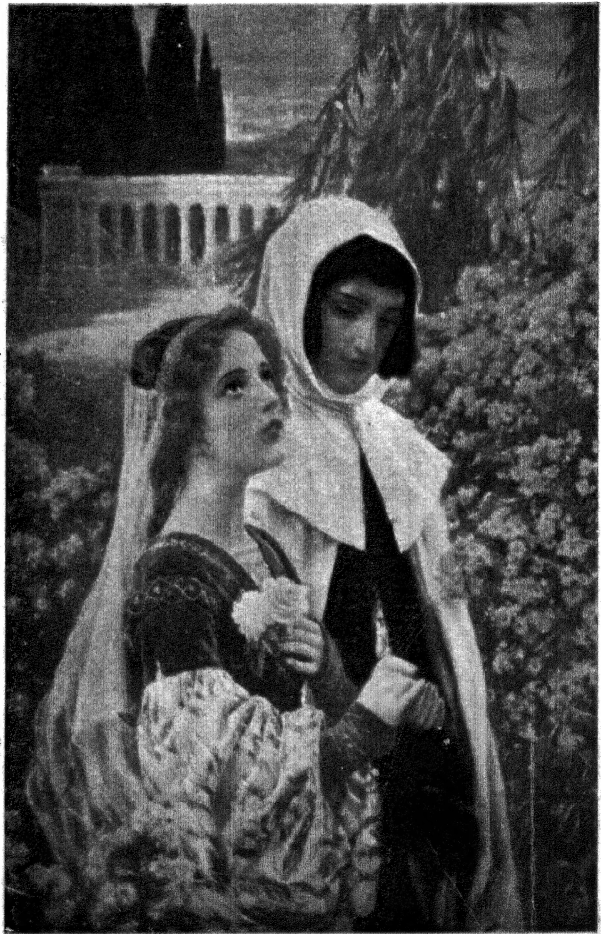
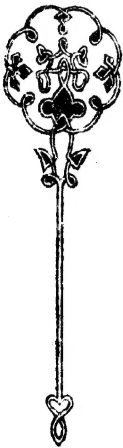
اردو کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ

نہال ہمایوں

نیریز بشیر احمدی لے آؤس

پیر پٹیا

جنت انبیا عام علی خان



ذینقہ اور بیکرس باغ میں



فہرست مضامین



ہمایول بابت ماہ جنوری ۱۹۳۷ء

منصاوی

(۱) دیہاتی لڑکی (دسنگ) (۲) سوستان کی ایک پہاڑی سڑک کا نظارہ (۳-۴) شیلے کے دو نظریے
ڈیٹا ہوا برش : مغربی ایشیا کی ایک ادی (۵-۸) بچپن (۹) ٹرانڈارک جنگ میں سورہی ہے
(۱۰) خیال (۱۱) نیٹے کا بچپن (۱۲) قدیم روس کی ایک دعوت عروسی (۱۳) گرمی

| صفحہ | صاحب مضمون | مضمون | شمار |
|------|---|--------------------------------|------|
| ۳ | ایزیل جس میاں محمد شاہدین صاحب ہمایول (مرحوم) | بھلی | ۱ |
| ۴ | بشیر احمد | نرم ہمایول | ۲ |
| ۶ | " | جہاں نما | ۳ |
| ۱۵ | حضرت جوش ملیح آبادی | کون ہے ؟ (نظم) | ۴ |
| ۱۵ | " | اذان (نظم) | ۵ |
| ۱۶ | بشیر احمد | خوب خوب تر (نظم) | ۶ |
| ۱۸ | ب. و. | اے ہندوستان | ۷ |
| ۱۹ | "فلک پیا" | چینی نظم کا تتبع | ۸ |
| ۲۰ | بشیر احمد | یہ نینر روزمانہ | ۹ |
| ۲۰ | " | اے خوبصورتی ! (نظم) | ۱۰ |
| ۲۲ | "فلک پیا" | پھوٹ رہی کی کیا دن لاکھ علاتیں | ۱۱ |
| ۲۵ | سید عبد الحمید صاحب عدم | رعنائی خیال (نظم) | ۱۲ |
| ۲۶ | جناب مولوی محمد حسین صاحب ادیب ایم۔ اے۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ | افسانہ اور حقیقت نگاری | ۱۳ |
| ۵۶ | حضرت تقبول احمد پوری | کلجگ کتھا (نظم) | ۱۴ |

| | | | |
|----|-------------------------------|-----|---|
| ۱۵ | ریچھ (ڈراما) | ۶۰ | مشرعہات حسن منٹو |
| ۱۶ | جہاں ریخانہ رستی تھی (نظم) | ۷۳ | حضرت اختر شیرانی |
| ۱۷ | رنگین دادی (نظم) | ۷۶ | جناب تدیر میرزا برلاس |
| ۱۸ | جہالتات | ۷۷ | علامہ کیفی دہلوی |
| ۱۹ | خونی بینڈ (نظم) | ۸۳ | حضرت جوش ملیح آبادی |
| ۲۰ | مسرور بچہ | ۸۴ | ”گچیس“ |
| ۲۱ | پیاری چڑیا (نظم) | ۸۵ | ح. ب |
| ۲۲ | سنگ تراش (افسانہ) | ۸۷ | پروفیسر حمید احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ |
| ۲۳ | دیا محبوب (نظم) | ۹۷ | حضرت حفیظ ہوشیار پوری |
| ۲۴ | ارکجا ست تابکجا (افسانہ) | ۹۹ | خان بہادر میاں عبدالعزیز صاحب ایم اے کٹر انبالہ |
| ۲۵ | غزل | ۱۰۹ | حضرت صدق جالسی |
| ۲۶ | خرابات کی رات | ۱۱۰ | جناب جلال ملیح آبادی |
| ۲۷ | گندیم کے پوٹے کی موت (افسانہ) | ۱۱۱ | جناب ہمدی علی خاں صاحب |
| ۲۸ | غزل | ۱۱۳ | حضرت نثر جالندھری |
| ۲۹ | سی۔ آر۔ داس کی شاعری | ۱۱۴ | مشرطیب احمد بنگالی |
| ۳۰ | افشائے راز (نظم) | ۱۱۷ | خواجہ عبدالسمیع صاحب پال انر صہبائی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی |
| ۳۱ | دو خط (افسانہ) | ۱۱۸ | ”تتمانی“ |
| ۳۲ | بچہ اور سارس (افسانہ) | ۱۲۰ | جناب طاہر قریشی |
| ۳۳ | بیوی کا روٹھنا | ۱۲۱ | مشرطیاء السکیم ایم۔ اے۔ |
| ۳۴ | ایک مقابداشلہ! (افسانہ) | ۱۲۳ | حامد علی خاں |
| ۳۵ | مغفل ادب | ۱۳۰ | |
| ۳۶ | مطبوعات | ۱۳۵ | |
| ۳۷ | تصاویر | ۱۳۶ | |



بحلی

بحلی چمک کے چھپ گئی پھر کیوں سحاب میں؟ کیا کوئی دیو جس کے لائق نہ تھا یہاں؟

کب تک چھپے گا چہرہ یہ آخر نقاب میں؟ لو یک بیک پھر آپ کا جلوہ ہوا عیاں؟

حقا کہ برق حسن حسیناں شنیدہ ایم

ایں نورِ شعلہ رخِ خشاں ندیدہ ایم

بحلی نہیں تجسّیٰ نیرِ داں ہے ابر میں! اور یہ بھی محض عکس ہے اُس کے ظہور کا!

جلوہ اُسی کا ظاہر و نہاں ہے ابر میں! صد برق ایک قطرہ ہے دیائے نور کا!

اے آفتاب ذرّہ مہرِ ضیائے تو

گستاخی تمام خیالِ شنائے تو

حضرت ہمایوں مرحوم

ہرم ہمایوں

اگر پوچھا جائے کہ اردو کے موجودہ ادب کا مطالعہ کہاں کیا جاسکتا ہے تو غالباً صحیح جواب ہوگا کہ جامعہ عثمانیہ میں اور اردو کے سائل میں باقاعدہ علمی مواجد آباد سے دستیاب ہوگا اور بے قاعدہ علمی ادبی ذخیرہ مختلف شہروں میں بکھر رہا ہوگا نظر کرنے کا بظاہر بے قاعدہ دسے ترتیب اور ایسے بچسپا روکم از کم عمر رسیدہ کم ذہنت لوگوں کے لیے بہت کم آؤیگی۔ آج کل مغرب میں بھی ہر زبان کے علم ادب کا خاصا حصہ رسالوں یا سالانہ کتابوں میں پیش کیا جا رہا ہے اس کی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ زندگی کی گونا گوں ضروریات میں لوگوں کو فرصت بہت کم ہوتی ہے اور وہ طویل طویل کتابوں کے باقاعدہ مطالعہ کیلئے وقت نہیں پاسے۔ دوسرے چونکہ اب علوم و فنون کی معلومات کو ہرگز دیر تک پہنچانا مقصود ہے۔ لہذا یہ ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ انھیں ایسا لباس پہنایا جائے جو خاص و عام کے لئے دلچسپ و دلکش ہو۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بڑے بڑے مضامین کو چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں پیش کیا جائے۔ یا ایک ہی کتاب میں ایک علمی مسئلے کے مختلف موضوعات پر مختلف مصنفین سے مضامین لکھوائے جائیں تاکہ مضمون میں تنوع اور دلچسپی پیدا ہو۔ یا مضمون کو وضع اور لایو بنانے کے لیے حجازی تصویریں اور خاکے زیب کتاب ہوں۔ اب علم و فن صرف تہذیب و فاضل طبع کتابی کیرٹوں کا شغل نہیں رہا بلکہ عام تعلیم و ترقی کی وجہ سے بالکل کر رٹوں انسانوں میں مختلف قسم کی معلومات کے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ کام اخبارات و رسائل کے ذریعے سے سر انجام ہو رہا ہے۔ اگر کوئی اردو ادب کا طالب کار اپنی خلوت میں مسئلہ ۱۹ کے اردو رسائل اپنے ارد گرد بھیل کر بیٹھ جائے اور اچھی دقت گردانی کرے اور چاہے کہ وہ انسانوں کے علاوہ دوسرے چند مفید دلچسپ مضامین پر ایک سرسری نظر ڈالے تو غالباً اس کی نظر مفصلہ ذیل عنوانات پر بھی پڑے گی :-

علمی و فنی افسانیاں مضامین میں تجزیہ انفس جیاتیت اور طب میں جدید رجحانات طبعی مظاہر کا ایک نیا نظریہ صورتوں اور مراحلوں میں فرق تبصرہ خواب وصالہ سائنس مغللوں کا فنی و صوری حیات انسانی کا اساسی تضاد (جامعہ) انسان کی لاادنی عظمت زندگی کی عجیب و غریب داستان (دنگار) نظریہ اضافیت (ہندوستانی) زندہ فلسفہ (نیدر ہماہوں) معاشرہ تحریکات کے مضامین میں جمعیتہ الشان المسلمین (جامعہ) ملاحظات تبصرا مسلک اور میلہ (نیٹے اسلام کا عظیم انقلاب موجودہ ترقی دھوکا ہے (دنگار) موجودہ سماجی ازلوں کے اسباب (ہندوستانی) مغرب کی توفان غلطی اور اس کا ازالہ (دعارف) روس میں جہالت کا دیوالہ بشادی اور محبت (دہالوں) ملکی مضامین میں ہندوستانی وفاتی حکومت (جامعہ) دیہات کی اصلاح (بہرہرو کا کام دربانہ) اردو ہندی ہندوستانی (ہندوستانی) گھر کی تعمیر جدید ادبی دنیا ایک غل شاہزادہ کے تعلیم (نیزنگ خیال) ادبی و فنی می مضامین میں اردو شاعری کا مطالعہ (سودا) روسی ناول مضامین ٹیگور (اردو) اور وینچ

کا پہلا دور (جامعو) محد حاضر کے افسانہ نگار ترجمہ کی چند اصولی باتیں (نگار) ہندی ادب میں مسلم مصنفین (اردو کے ہندو ادیب (زمانہ) تذکرہ و تائید۔ اردو کے افسانوں میں عورت افسانوں کے ترجمہ لادبی دنیا) کبیر کے دوہے۔ اردو ڈائجسٹ کا رسی افسانہ نویسی۔ اردو ادب اور بلاکلام آزاد ہماوں) یہاں گنجائش نہیں کر سکتا۔ مفید و دلچسپ مضامین پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ قارئین میں سے جن کی نظر سے یہ مضامین نہ گزرے ہوں وہ ان رسالوں کے سال کو شتہ کے پرچہ قریباً طلب کریں محض بھاریے دوستوں سے عارِ شانہ مانگیں۔ اور لطف اندوز ہوں۔

موجودہ اردو ادب کو کس قسم کے خیالات کی حاجت ہے؟ ہماری رائے یہ ہے کہ سچے تنقید کی موجودگی ایک ترقی یافتہ ادب کی نشانی ہے اور چند اہل ادب کو ضرورت ہے کہ وہ اردو ادب میں کھرے کھوٹے کی پہچان کرنا سیکھیں اور کھلا س یعنی تنقیدی مضامین لکھیں اور کھولیں لیکن ماسوا اردو کے بزرگ مسائل کے ادبی مضامین کا بیشتر حصہ محض زبان و ادب یا خیالی و تفریحی مضامین کے لئے وقف نہ ہونا چاہیے۔ زبان خیالات کے ظہار کا ذریعہ ہے۔ لہذا ہمیں نثری زبان کے ہم ترین خیالات کو اپنی زبان میں ادا کرنا پیش کرنا ہے ہمارے زمانے کے یہ ہم خیالات جس کے نظر دلوں اور تمدن کے نظامات کے متعلق ہیں لہذا اردو مسائل کو محض بانی بیان کا اجارہ دار نہ بننا چاہیے بلکہ انہیں ملک قوم کے لئے مسودہ تحریکات اور تازہ تر افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کا آلہ کار بننا بھی لازم اس سچے اسیر زمانے میں ہر شخص اپنی زبان کی خدمت کرنی ہے بلکہ اپنے قومی و ملی بھائیوں کی تعلیم و ترقی کا سامان ہم پہنچانا ہے ہم کہاں ہیں اور دنیا کہاں دکھائی گئی؟ کہیں کوم آزاد ہو گئے کہیں مزدور جاگم گئے کہیں عورتیں مردوں کے برابر جنھیں کہیں فوجان بڑوں اور بوڑھوں پر بندہ زن ہو گئے جمہوریت منزل ہوئی۔ شہزادیت اٹھی تھی کہ شہزادیت پھیلنا گم کلاس سے بھی کوسوں آگے بڑھ گئی معیشت کے سانچے میں اصل رہی ہے نفس شور اور تحریک شعوبہ متحکم ہو رہا ہے اور آزادی صرف سیاست میں نہیں بلکہ معیشت میں، مذہب میں، فن میں، تقریر میں، تحریر میں، لکچر میں کیا کیا گل کھلا رہا ہے۔ اور گلابی دلوں میں بھی خود بخود بزرگوں کو گری ہے اس حال میں کیا ہمارے علماء و ارباب کا سب پہلا فرض نہیں کردہ اپنے ہم وطنوں کو ان جدوتوں سے آگاہ کریں تاکہ ان میں جو ہمارے لئے حیثیت افزا ہوں ان کا ہم با تال خفیہ کریم کریں اور جو حیثیت لگتے ہوں ان سے بچنے کے لئے خود داری و سلامتی کا رویہ اختیار کریں ہم اپنے معزز اہل قلم کو اس اہم بات کی طرف خاص طور پر توجہ دہانے کی درخواست کرتے ہیں۔

آخر میں ہم مفصلہ ذیل اہل قلم کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے گزشتہ سال ہماوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا۔

نثر میں حضرت فلک پرمیا صاحب جو ادیب ممتاز تاجن پیغم بیگ عطا الرحمن جیشر سعادت جی سیل واسطی منصور احمد وقار عظیم شہاب بتمتائی مہدی علی خاں ڈاکٹر حیدر سارو جلیلی۔ راسم و مجتہد خاں محمود یوسف جی صاحبہ غلام السیدین مقبول تقی علی یامی محمد صدیق تادی مصوب الرحمن عثمانی جن عزیز جاوید جمیاد و ماہر نقاد و عبد القادر جیلانی ناظم محمد اکمل خاں دیوانہ وغیرہ۔

نظم میں حضرت جیوش مقبول۔ عدم۔ اختر آزاد۔ وقار احمد اصغر۔ راکش۔ ذوقی جعفیظ ہوشیار پوری بیشتر صدق جاسی۔ ندیم ریاض اکین

بشیر احمد

نقیس۔ غازی شہزاد جیشت۔ ناشاد۔ ماہر فزاع علی منظور

مصحح ہر ایسوس ہر کوہر ۱۹۳۵ء کے ہماوں میں نازی جنی کے متعلق مسنون غلط طور پر تصغیر احمد صدیقی کی منسوب ہو گیا یہ تصویر ان طرح مصدقین تادی کا تھا۔

جہاں نما

گزشتہ پانچ سالوں میں ہر پچھلا سال پہلے سالوں سے زیادہ یاس خیر ثابت ہوا ہے۔ پانچ سال ہوئے کہ تمدن دنیا کی معاشی حالت یک نخت بگڑتی معلوم ہوئی۔ سدا زیادہ ہوئی طلب کم قیمتیں ٹھیس خسارے بڑھے۔ جنگ کچھ بند ہوئے کچھ ٹوٹے۔ ہر ملک میں لاکھوں مزدور بے روزگار ہو گئے۔ سینکڑوں کروڑ پتی دیوالیے ہوئے حکومتوں نے اپنی حدود پر عملی دباؤ اہل کھڑی کر دیں اور معاشی خوش حالی کے لئے قسم قسم کی تدبیریں چھوئیں لیکن تقریباً سب ناکام ہیں۔ دو سال سے ایک دل خوش کن دہم پیدا ہوا تھا کہ شاید معاشی حالت بہتری کی طرف مائل ہونے والی ہے کہ معاشی حالت کی رونافزوں ابتری اپنی ہیمانک صورت دکھانے لگی۔ مسئلہ اے کے متعلق شکایت تھی کہ دنیا کی معاشی کانفرنس اور تخفیف اکلہ کی کانفرنس کامیاب نہ ہوئیں اور انچوریا کے متعلق جاپان نے انجمن اقوام کی متفقہ آواز پر کان نہ دھرا۔ جرمنی اور فرانس آپس میں روٹھے رہے اور صلح و سلامتی خطرے میں پڑی رہی لیکن مسئلہ کا سال اس سے بدرجہا بدتر نکلا اور برس کے ایسے واقعات پیش آئے جن سے کبھی شبہ اور اشریقین ہو گیا کہ تمدن دنیا مغرب پھر ایک خوفناک عالمگیر جنگ میں مبتلا ہونے والی ہے۔ ایسی جنگ جو غالباً ایک لمبے عرصہ کے لئے اسے تباہ و برباد کر دی دنیا اب تک اس جنگ سے محفوظ رہی ہے لیکن یہ سلامتی ہلاکت سے کچھ کم حیات گشت نہیں کیونکہ فیصلہ اس شخص کی ہی سلامتی ہے جسے موت کا حکم سنایا جا چکا ہو لیکن جس کی موت کا دین عین نہ کیا گیا ہو۔ اتحادوں کے جوڑ توڑ بھاہلے اور نائنٹھ مطلق مختاروں کی زبردستی سامان سکریں اضافے، سیاسی رہنماؤں کی ناعاقبت اندیشیاں، کاروباری غرض پستیاں، جیسا کہ مشہور ماہر سیاست سر فلپ گبز جس نے ۱۹۳۴ء کے موسم بہار و گرما میں۔ یورپ کی سیر کیا جس کے اس کی تازہ ترین حالت کا اندازہ کیا ہے، رقم طراز ہے یہی وہ خوفناک عناصر ہیں جن سے مہذب دنیا ہر لمحہ خطرے میں ہے۔ گو یہ بھی واقعہ ہے کہ جہاں کہیں بھی جاؤ عوام انسان ہر طرح کی جنگ کے شدید مخالف اور صلح و امن کے زبردست موید نظر آتے ہیں لیکن ان کی دلی خواہشات کس کام آئیں گی اگر ان کے شقی القلب رہنما انھیں چھوڑوں کی طرح اڑائی کے میدان میں ٹھیکس دیں گے کہ کیا اپنے ہم جنسوں پر گولی چلاؤ یا خود ان کی گولیوں کا نشانہ بن جاؤ۔

انگلستان بمقابلہ امریکوں کے ۱۹۳۵ء میں سب سے زیادہ امن پسند بنا رہا کچھ اس وجہ سے کہ وہاں کی معاشی حالت اب پہلے سے بہتر ہو رہی ہے اور کچھ اس لیے کہ سیاسی نقطہ نظر سے بھی امن پسندی اور حال چہ ناعت مدت سے انگلستان کا طبع نظری رہی ہے کیونکہ اس کی پھیلی ہوئی سلطنت کے لیے اب وہ پھیلنے کی گنجائش کم اور سنسنے اور جھڑپے سے بچنے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ تخفیف اکلہ کی کانفرنس کے انگریز صدر رینڈرسن نے ٹیڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کس طرح یہ کانفرنس ناکام نہ رہے اور وہ تھا ہوا جرمنی چھوڑا پس آجائے مگر نہ ہر سکا اسی طرح انگریز سیاست دان ائیلن پیرس

سے روم اور دوما سے برلن کا چکر لگاتا رہا کہ کسی طرح فرانس اور اطالیہ اور جرمنی میں غاصبت پیدا ہو لیکن سیاسی حالت جوں کی توں رہی آخر سر انگلستان کی حکومت نے اپنی ہوائی طاقت کو بڑھانے کا یہ کہہ کر اعلان کر دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ باقی ہمسایہ دنیا روز بروز زیادہ مسلط ہوتی جائے اور صرف انگلستان خفیف پرصر رہے۔ انگریز سلطنت ساز کارخانہ داروں نے اس بخود کی تائید کی۔ دو اور طاقت قابض غریبیں۔ برطانیہ کی مزدور جماعت نے مقامی مجالس اضلاع کے انتخابات میں حریت انگریز کامیابی حاصل کی جس سے قبل کے متعلق اس کی امیدیں روشن ہوئیں اور دارالعوام میں ہندوستان کو نام نہاد خود اختیاری حکومت دے جانے کے متعلق کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی جس سے قدامت پسند انگلستان میں اطمینان اور ہندوستان میں شورش پیدا ہو گئی۔

فرانس میں جیسا کہ ہوتا رہا ہے نئی وزارتوں کا شور وغل برپا رہا۔ ایک حکومت مٹی ایک بھری بین الاقوامی حلقے میں فرانس پرستوں اپنی سلامتی پر زور دیتا رہا۔ کہا گیا کہ جرمنی کے ہاں چالین پچاس لاکھ فروغ تیار ہو رہی ہے اور اس کی نیت صاف نہیں۔ اور اطالیہ سے بھی تعلقات بہتر نہ ہوئے۔

اطالیہ کی آبادی بڑھ رہی ہے لیکن اس کی سلطنت چھوٹی ہے۔ اس کے عکس فرانس کی آبادی میں مقابلہ کی ہے۔ گو اس کی سلطنت وسیع ہے۔ فرانس چاہتا ہے کہ نالو اطالیوں کو زانیسی بنائے مگر اطالیہ اپنی قومیت پرصر ہے پھر بحیرہ روم میں بھی دونوں میں مسابقت ہے، جنگ عظیم میں اطالیہ نے باوجود ظاہری کامیابی کے اپنی کمزوری کو محسوس کیا اور جان لیا کہ یورپ کی سیاسی تھل میں اسے وہ زور و سطوت حاصل نہیں جو بعض اور دلوں کو حاصل ہے۔ اس کے بعد سلطینی نے اگر اس کے سامنے اتحاد و قوت کا ایک نیا فاشی نصاب العین پیش کیا اور اسے بڑی سوجڑی طاقتوں کے مقابلے کے لیے تیار کر دیا۔ اسی لیے براعظم پر اگر فرانس کی گولڈا کا حامی ہے تو اطالیہ ہنگری اور آسٹریا کی پشت پناہ ہے۔ اگر فرانس جرمنی کا دشمن ہے تو اطالیہ اس کا دوست بنے تو تیار ہے سلطینی اطالیہ کو حقیقی معنوں میں ایک دولت مند بنانے کے درپے ہے۔ ایک تو قومی تنظیم کے ذریعے سے اور دوسرے بین الاقوامی اکھاڑے میں سیاسی دائرہ پیچ کے طریقے سے۔ اس کام میں وہ بھی دوسرے مطلق مختاروں کی طرح مقررہ مسلمہ اصولوں سے بے نیاز ہے اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں ہر طرح کے ذرائع اختیار کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔ حال میں اس نے اطالیہ کے سیاسی دستور کی موت کو فی کا اعلان کیا اور ملک میں بائیں شخصیتے مرتب کر کے ماہرین کے ذریعے سے ملکی نظم و نسق کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ماہ اگست میں اس نے اپنی ایک تقریر میں اطالیہ کو آنے والی جنگ کے لیے ہمدن تیار ہو جانے کی ہدایت کی جس کا مدعا اپنے ہم تو منگو کا بھارت سے زیادہ دنیا کو ڈرانا دھمکا نا تھا۔

جرمنی کو آج کل مغرب کے قبیلے کا ایک ضدی ہٹیلڈ زحواں سمجھا جاتا ہے۔ بالخصوص فرانس اور انگلستان میں لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یورپ کی اکثر موجودہ مشکلات کا موجب جرمنی ہی کا رویہ ہے۔ ضروری میں دس لاکھ نازیوں نے ٹھلے سے وفاداری کا حلف اٹھایا جولائی میں ٹھلے نے ایک خفیہ سازش کا سرانجام پکرا اپنے سینکڑوں مخالفین کو مرنے کے گھاٹ اتار دیا۔ اگست میں ہینڈن برگ مر گیا اور چالیس لاکھ

جرمنوں کے سوا باقی تمام قوم نے ہٹلر کے حق میں رائے دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہٹلر صدر جمہوریہ اور سپر سالار اور واحد قومی رہنما سب کچھ بن کر جرمنی کا مختار مطلق ہو گیا۔ جنگ عظیم کے بعد پندرہ سال تک جرمن اتحادیوں کی فوجی قوت اور تاوان جنگ کی شدت کے نیچے رہتے چلے گئے حتیٰ کہ ہٹلر کی نازیت نے آفران کو اس حد تک پہنچا دیا کہ ایران میں ایک نئی روح بھونک دی۔ اس نے کہا کہ جرمنی جنگ عظیم کا دوسرا دارنہ تھا اس کوئی دہش نہیں کہ جرمنی کو فوجی طاقت کے معاملے میں دوسروں کے ساتھ برابری کا درجہ حاصل نہ ہو اس نے ساری جرمن قوم میں اعتماد و فخر اور خود داری کی ایک رو دو ڈال دی۔ جرمن پھر جرمن بنے۔ وہ پولستان سے غضب شدہ ڈوین رنگ کا شہر اور فرانس سے غضب شدہ سار کا علاقہ واپس لینے پھر برصغیر بوسے اور تمام جرمنوں کو ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع کر سکنے کے لئے آسٹریا کو جرمنی میں شامل کر لینے کے خواہاں بھی نظر آئے۔ آسٹریا کی علیحدگی پسند جماعت نے ان سے روگردانی کی جس پر آسٹریا کے نازیوں نے پھر جس میں آکرا پنے صدر جمہوریہ ڈوکٹر اے اے کو جلائی میں قتل کر دیا۔ یورپ میں ایک سنہی پھیل گئی۔ جنگ کی عکس ہونے لگی۔ فرانس نے کہا ہم نہ کہتے تھے، انگلستان نے بھی برا مانا۔ اطالیہ بھی ناراض ہوا۔ اور نوبر میں آسٹریا ہنگری اور اطالیہ کے درمیان ایک غمخیز چھوٹا ہو گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک مطلق العنان اپنے مقاصد کے حصول میں اپنے خیالات کے سوا عام اصولوں کے ٹھکرا دینے میں ذرا پس پڑش نہیں کرتا۔ جمہوریت کی روح جرمنی میں نیم مرده شاید مرده ہی ہو چکی ہے یہ ہوبول کے ساتھ وحشیانہ ناز اوراداری کا سلوک کب تمیما ہے۔ عورتوں کی آزادی ایک حد تک چھن گئی ہے۔ جرمنی اپنا قرضہ ادا کرنے میں لیت واپس کر رہا ہے لیکن ادھر دیکھو کہ باوجود جرمنی کی انتہائی کوششوں کے اس کی مالی حالت خراب تر ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ ادائے قرض میں کینکڑا لٹا کر رہتا نہ کرے اور اسی لئے وہ اپنی نوآبادیات کی دہائی کا سطلہ کر کے پھر بھی مجبور ہے بلکہ نہ ہی آدمی یں کر خوش ہوں گے کہ جرمنی میں پھر لوگ حق درحق گر حادوں میں جانے لگے ہیں اور صبح پسندوں کو یہ جان بطلن ہونا چاہیے کہ کئی انصاف پسند یعنی جرمنی کے عوام کو بلکہ خود ہٹلر کو بھی فرانس سے عداوت کرنے کا خواہشمند پاتے ہیں اور نہ اس کے حامیوں کو ہٹلر کا کارہ نظردہ بھونا چاہیے جہاں جہانی طاقت کے ایک مظاہرے میں اتنی بڑا جرمن عورتوں نے حصہ لے کر نازی جرمنی میں اپنی خود اداری اور روز افزوں اہمیت کا زندہ ثبوت پیش کیا۔ حق یہ ہے کہ جرمن قوم خواہ مخواہ لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتی۔ گو اس میں شک نہیں کہ اس کے نوجوان اپنے انسانی و قومی حقوق پر اصرار کر رہے ہیں اور قوموں کی آئین میں ان ہم جنسوں کے برابر بھیجنے کے خواہاں ہیں جن سے تھوڑی مدت ہوئی ان کے بزرگ برسرِ بیکار رہے۔

عروس کا انجنین اتوم کارکن بن جانا گزشتہ سال کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ سوڈیٹے کی مولہ سال تا پنج اس کے اشتہالی رہنماؤں کی تند مزاحی و دراندازی کی داستان ہے۔ سلاطینہ تک دوس خانہ جنگی اور خون ریزی میں ہنک رہا اور ملک میں سوڈیٹے کا دستور دل نہ ہوا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۱۹ء تک ماسکو کی ماسعی اس بات پر وقف ہیں کہ فرار جی دنیا اس کی انقلابی حکومت کو تسلیم کر لے اسی دوران میں اشتہالیت کی داخلی پالیسی گرم سے نرم ہوئی۔ ہما کہ یوں کا شنگاروں کی کچھ دل ہوئی ہو کہ سلاطینہ سے ۱۹۱۹ء تک پہلے پنج سالہ لائحہ عمل کی تکمیل ہوئی اور توقع سے جلد تر ہوئی۔ پھر دوسرے پنج سالہ لائحہ عمل کا آغاز ہوا جس کا مقصد اشتہال کی پیلش میں اضافہ اور ان کی قسمیوں میں کمی تھا۔

اس کے ساتھ ہی سو دیئے نے غیر معنی سرمایہ دار ملکوں کی طرف روٹی اور کھانگت اور شرابِ عمل کا ہاتھ بڑھایا۔ کیونکہ اس کے دوہیں ہندوؤں نے صاف دیکھ لیا کہ دنیا کو راہ پر لانے کا کام اس قدر دشوار ہے کہ اس کے سرانجام دینے میں خود سو دیئے کے اٹ جانے کا کھٹکا ہی اُلٹی مصلحت اسی میں ہے کہ پہلے صرف اپنے گھر کے بسنے والے کا کام ذمے لیا جائے اور آئندہ کے منصوبوں کو فی الحال آئندہ پر چھوڑ دیا جائے چنانچہ روس نے ہر طرف صلح و آشتی کے پیغام بھیجے اور دوسری قوموں کے ساتھ کم از کم چودہ معاہدے مکمل کر لیئے۔ روس کے تعلق رانیں اتنی ہی مختلف ہیں جتنے رانیں دینے والے بلکہ تعجب تو اس پر ہے کہ جتنے لوگ وہاں سے لوٹ کر آتے ہیں چار دوست بھی مل کر وہاں جاتے ہیں تو اگر ہر ایک اپنی اپنی الگ کہانی سنانا ہے اس کی صریح وجہ یہ ہے کہ ہر شخص روس کے نئے تجربوں کو عموماً اپنے ہی نقطہ نظر سے دیکھتا اور غصہ سے کہتا ہے۔ وہاں اتنی بڑی اچھی چیزیں پہلو پہلو نظر آتی ہیں کہ بغضِ قباحتوں کو دیکھتا ہے وہ سو دیئے کو بہت برا اور جو اس کی خوبیوں کو دیکھتا ہے وہ اسے بہت اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ روس میں کیا ہوا؟ ایک عظیم الشان پرانی عمارت کو منہدم کیا گیا۔ اس کے ٹوٹے پھوٹے آٹھارہ اچھے وہاں اور دھڑ دھڑکھڑے چڑے ہیں۔ اور بیچ ہی میں ایک عظیم الشان نئی عمارت بھی تعمیر ہو رہی ہے کہیں ابھی اس کی بھدی سی بنیادیں میں کہیں اس کی صرف بلک دیواریں بن رہی ہیں۔ اس گراہ اور بچھ پکارا دار اس اے وائے اور واہ واہ کو جو سنتا ہے اس پر اس کا جدا جدا اثر ہوتا ہے ذرا تھوڑی دیر کے لیے اپنے آپ کو روس کا ایک باشندہ تصور کر دیتھاری تھوڑی سی بابت جائیداد ہو۔ باب۔ دادا کی کمائی یا اپنے ہی پسینے کی۔ اور اس پر آکر کوئی قبضہ جمالے اور تھیں مار پیٹ کر نکال دے پھر پھر تھارا چھپا کرے تھیں اور تھارے بال بچوں کو پکڑ لے اور ان کا دھار دھار گھلا گھونٹے اور بول کسی کو مار ڈالے اور کسی کو طرح طرح کے مذاہوں میں مبتلا کر دے تم میں کوئی قسمت والا بھاگ نکلے لیکن اکثر سسک سسک کر جان دے دیں کہ پھر تھارا دل کیا کہے کہ پھر تم اشتہائیت کی تعریف کے لیے کسی معاشیات داں کے پاس جاؤ گے؟ یا خیال کرو کہ تم ایک چھینٹا پوش مزدور ہو تھیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں تھارے بچے فاقوں مرتے ہیں۔ ان کے اور تھارے رہنے کو ایک زندان نما اندھیری کوٹھڑی ہے اور سونے کو ایک اتواٹی کھٹائی۔ اور کوئی ایک بخت اگر تھیں اس نفس سے کھینچ نکالے۔ اور تھیں اور تھارے بوی بچوں کو ایک کھلے روشن مکان میں لے جا کر کیا کر دے۔ تم دن میں بجائے سو اور شہارہ ٹھنڈے کام کوئے کے صرف ۲، ۳ ٹھنڈے کام کر دو۔ ہر چوتھے پانچویں سکونت تھارے یہ یقیناً اور دنیا فافہم کرے تھاری بوی کا عیاں اخصیوں میں کام کرے تو تھارے ننھے کے لیے ایک سرکاری ماما موجود ہو۔ بلکہ جب تم اور وہ سرکاری باغ کی سیر کر جاؤ تو وہاں پینتھی کی ایک سرکاری کھلائی تھارے بچے کی نگہداشت کو فوراً حاضر ہو جائے تھاری زندگی کا حکومت خود بیمہ کرے تھیں پوری اجرت چھٹیاں ملائیں۔ تم رزبل۔ اور ان پڑھ سے پڑھ لکھے اور شریف بن جاؤ اور پھر تم سے کہا جائے کہ تم ہی دنیا کی واحد امید ہو تو ہونے لگتی زندگی کتنی شان دار معلوم ہو؟ تم پھر اگر فردوس بردے زمین است وغیرہ وغیرہ نہ کہہ اٹھو؟ اس سلسلے پر کہنا سخت دشوار ہے کہ روس ابھی جگہ ہے یا بری۔ سو دیئے کی حکومت ملعون ہے یا متبرک حقیقت یہ ہے کہ صرف مستقبل ہی فیصلہ کر سکے گا کہ اشتہائیت کی موجودہ برائیاں اور خوبیاں کہاں تک بری اور اچھی اندیجہ خیز ہیں۔ تاہم اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سو دیئے

نے بعض شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کی ہے اور ملک کو اور کاروبار بنادیا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مشترکہ کاشت گاہیں (FARMS) ۲۷۰۰ فیصد تھیں۔ ۱۹۳۲ء میں ان کی تعداد ۸۰ فی صدی ہوگئی۔ اخبارات کی تعداد سو سو کے عہد حکومت ۴۶ سے ۴۰۰۰ اور ان کی اشاعت میں لاکھ سے تین کروڑ آتی لاکھ ہوگئی ہے۔ ۱۹۲۵ء میں پبلک کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد نوے لاکھ تھی۔ ۱۹۳۲ء میں یہ ۲۰ کروڑ چالیس لاکھ کو پہنچ گئی اور قارئین کی تعداد ۱۹۲۲ء میں صرف بارہ لاکھ تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ایک کروڑ پندرہ لاکھ ہوگئی۔ روس میں خواندہ اشخاص کی نسبت ۱۹۰۵ء میں ۲۸ فی صدی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں یہ ۷۳ ہوگئی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت روس میں صرف ۱۰ فی صدی ناخواندہ لوگ ہیں۔ ۱۹۲۱-۲۲ء میں خواندہ اشخاص کی مجموعی تعداد چار لاکھ ۵۶ ہزار تھی۔ ۱۹۳۲ء میں یہ بڑھ کر ایک کروڑ ۳۶ لاکھ ۳۱ ہزار ہوگئی۔ ادب و فن اور تہذیبی تعلیم کی مدت جو پہلے چار سال تھی۔ اب سات سال کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سو سو کے ایک ہزار صنعت گاہوں کی بنیاد ڈالی ہے اور تیس لاکھ فاحشہ خواتین کو حکومت نے ترغیب دے کر کازخاںوں میں شریفیوں کا کام کرنا سکھایا ہے اور ان کی باقی ماندہ ہٹ دھرم بہنوں کے لیے خاص ادارے کھول دیئے ہیں۔ آدھ سو سو کے جو شیلے رہنماؤں نے اپنے پہلے پانچ سال لاکھ عمل کے تجربے سے ماہرین اور پٹلا و فضلا کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا ہے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۳۲ء کے اخیر میں فیصلہ کیا گیا کہ روس میں روٹی کے کازخاںوں کے قیام و استحکام کیلئے روسی ماہرین کی ایک جماعت انگلستان اور جرمنی اور امریکہ کو روانہ کی جائے جو وہاں سے ہر گز اس پیش بہا صنعت کے علمی و عملی پہلوؤں پر نظر ڈالے اور اپنا مشورہ پیش کرے اور جو کاشتکاروں کو روز و شب مشترکہ کاشت گاہوں میں داخل ہونے کی ہر طرح ترغیب دی جاتی ہے لیکن وہ ان کے لیے قسم قسم کے آرام و آسائش اور سامان شائستگی فراہم کیا جاتا ہے، زمین کے اس زیریں اصول پر احتیاط سے عمل ہو رہا ہے کہ تنہا لیت کی رفتار ترقی میں قدم بلکہ گھٹا بجائے ہوئی چاہئے، حال میں ایک یورپی پروفیسر سوسو نے لاہور میں ایک اعلیٰ انگریز انسر کی صدارت میں روس کی حالت پر ایک نوٹ تقریر کی جس میں اس نے کہا کہ روس میں انہما ز خیال کی آزادی نہیں کیونکہ روسیوں کا خیال ہے کہ خیال کو جس طرح چاہیں شکنجے میں دبا سکتے ہیں ان کے نزدیک نوع انسان کی بہتری معاشرہ کی بہتری میں مضمر ہے۔ اسی لیے وہ معاشرہ کے آگے فرد کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ ۱۹۱۰ء کے انقلاب سے پہلے روس کی مجموعی حالت ناگفتہ بہ تھی، انقلاب کے بعد امراتو منعقد ہوئے، متوسط طبقہ کچھ تباہ ہوا، باقی ماندہ سفل طبقے میں مل گیا، مزدوروں سے قبل محض ایک ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اب پہلی بار آسائش اور خودداری سے روشناس ہوئے ہیں اور صحیح معنوں میں زندہ ہوئے ہیں، علاوہ سیاسی کام کے ان کا قانونی و اقتصادی و شہرانی کچھوں سویتی کے جلسوں تصویر گاہوں عجائب خانوں۔ اور پبلک کھیلوں میں حصہ لینے میں گزرتا ہے۔ مزدور اب محض ایک تماشائی نہیں رہا بلکہ وہ ملک کے سٹیج پر سب نمایاں ایک طرف کی حیثیت سے کام کرتا نظر آتا ہے اور ایک نئی دنیا وضع کر رہا ہے کسان گواہی دے رہے ہیں کہ ان کی حالت بھی یقیناً پہلے سے بہتر ہے اور علم کی روشنی سے ان کی زندگی میں ایک خوش گوشت و تبدیل واقع ہو رہی ہے لیکن سب سے زیادہ دل خوش کن اثریت انگریز تغیر خورتوں کی حالت میں رونما ہوا ہے۔ انشمالیہ عورت کو اس کی صدیوں کی غلامی سے رہا کر دیا ہے جو حرکت سر پر تین بار تھے۔ یاد رہی خانہ بچے اور مرد۔ اب روس کے شہروں میں اشتہالی بارہ چرخے

ہیں اور کاخانوں اور کھیتوں میں بچوں کی بنگہداشت کا انتظام ہے اور اپنی کمائی آپ کر سکنے کے باعث عورت مرد کی حکومت کے آزاد ہو چکی ہر
اب شادی کی جانہ مذہب پر ہے نہ کسی عدلیٰ معاہدے پر طرفین صرف ایک یا دواشت پر خود ہی بھٹکا لیتے ہیں اور حکمت متعلقہ کو اطلاع
دے دیتے ہیں۔ ابھی کہا نہیں جاسکتا کہ ایسی شادیاں کہاں تک کامیاب ہیں گی۔ یہ صرف تجربے سے ظاہر ہو گا۔ روسی پادریوں کی
حالت اتر ہو رہی ہے لیکن مذہب کے معاملے میں اب نامہ داری مطلق نہیں رہی۔ گوستمالی خیال کے آدمی بدستور لاندہ مذہب ہیں علماء ادب کی جماعت
تعلیمی کام میں مصروف ہے اور باجموعہ روسیوں کے پیش نظر ایک عظیم الشان مشترک سطح نظر ہے جو انھیں ہر روز ان کے کونڈھے سے چلا جاتا ہے۔ اور
انھیں یقین ہے کہ وہ ایک نئی دنیا کی طرح ڈال رہے ہیں اور ان کی مساعی کے باعث نفع انسان کا مستقبل شان دار ہو جانے والا ہے۔ اور گو
یہ کہا جاسکتا ہے کہ بغیر کسی قسم کی روحانیت کے اشتہائیت کا پودا پرودان نہ چڑھے گا لیکن اس حقیقت کو کوئی درست دشمن نظر انداز نہیں کر سکتا
کہ باوجود انتہائی مشکلات اور شدید مخالفت کے روس کو اپنے نئے تجربے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔

مالک متحدہ (امریکہ) کے نئے جمہوری صدر نے اپنے معاشرتی و تربیتی تجربوں سے امریکہ میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا ہے
اس نے ماہرین کی ایک جماعت بنا کر گریڈ ماغوں کی ایک شراکت قائم کی ہے۔ جو معاشرتی و اجتماعی تھیں کو سلجھاتی اور مستقبل کی ایک نئی راہ
دکھانے میں مدد معائنہ ہو رہی ہے ہر صنف کے لیے ایک ضابطہ قرار دیا گیا ہے مزدوروں کے لیے روزانہ کام کی مدت اور کم از کم اجرت معین
کر دی گئی ہے مزدور جماعت کا مجموعی طور پر گھٹ و شنید کرنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے حکومت بھوکے بے روزگاروں کی مدد کرتی ہے۔ اور
بے کاری کی انت کو دور کرنے کے لیے نظارت نافذ کے لیے کام شروع کر دئے گئے ہیں کسانوں کے فائدے کے لیے گیسوں اور روٹی کی
پیداوار پر پیشینہ عائد کی گئی ہیں۔ اور انھیں بہ دولت قرضہ حاصل کرنے میں مدد دی جاتی ہے بجلی کی طاقت ارزاں کر دی گئی ہے بجلی کاروبار
شرح زرا و شغل اصل سب کو مضبوط کیا گیا ہے نتیجہً انجاس کی قیمتیں گھٹ کر خرید و فروخت بڑھ گئی ہے اور ملک میں عام خوش حالی کا دور دورہ
ہے۔ روس کے برعکس یہاں سرمایہ داری کی بنیاد قائم ہے۔ مگر اس میں مداخلت کی پالیسی ترک کر دی گئی ہے۔ ان نئے تجربوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے
کہ یہاں معاشرتی کساد بازاری سے تحریک کا سامنا تھا وہاں اب اس نئی تنظیم سے ایک نئی تعمیر کی صورت رونما ہو رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ
روز و لٹ نے اپنے آپ کو زینائے حاضر کو ایک بہترین مدبر و نظم ثابت کر دیا ہے۔ اس نے امریکہ کو سرمایہ داری کے غار سے نکال کر گرم بازاری
کی راہ پر لگا دیا ہے۔ اس نے حکمت اور حکومت کے امتزاج سے ایک مکمل ترقی تیار کر کے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ علم اور تنظیم کی فیر انسان
کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں!

بین الاقوامی حلقوں میں جرمنی کی طرح جاپان نے بھی دوسروں سے روگردانی اختیار کر لی ہے اور اس کی وجہ محض اس کی ہٹ دھرمی
نہیں بلکہ اس کے خصوصی حالات اسے اس رویے پر مجبور کیا ہے بچا پس برس میں جاپان کی آبادی تین کروڑ سے بڑھ کر پڑھ گئی ہے تعلیم ترقی
کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۰۵ء فی صدی جاپانی بچہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور تقابلے کی یہ حالت ہے کہ حال میں ۱۹۲۵ء فوجی اسیابیوں کے لیے ۱۹۲۲ء عرضیاں

پیش ہوئیں۔ تمدن نے تمدن لوگوں کا حال ہر عکس بنا کر دیا ہے۔ منگھری کے ایک پرنسپل نے راقم کو بتایا کہ بڑا پرسک شہر میں بخوری مدت ہوئی جب برف باری کے دنوں میں جبار دیکھنے والوں کی ضرورت پیش آئی تو پچاس ساٹھ اسامیوں کے لئے کم از کم تین چار سو راجد داروں کی عیوضاً آئیں جن میں سینکڑوں پرنسپل اور تاجرانہ دیگر شریف آدمی شامل تھے۔ جاپان تمدن یورپ کا شاگرد و شاگرد ہے۔ اس لئے وہاں بھی متاع لبق کا یہی حال ہے۔ تعجب ہوتا ہے جب اہل یورپ جاپان کو اپنے سے روٹھا ہوا دیکھ کر اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ جاپان نے جو کچھ یورپ سے سیکھا ہے وہ کیسے اپنی ترقی کے لئے اسے استعمال نہ کرے؟ محض اس وجہ سے نہ کرے کہ اس میں بچارے بھلے مانس یورپ کا نقصان ہو جاپان لیگ سے علیحدہ ہو چکا ہے۔ مغربی اس انقطاع تعلقات کا آخری مرحلہ پیش ہو گا۔ اور اس پر بحر الکاہل کے امن جزا کی ملکیت کا سوال بھی اٹھے گا۔ جو لیگ نے جاپان کے سپرد کئے تھے چین سے جاپان پہلے ہی اٹھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس نے ہندو تھوں کی طرح اپنے کمزور ہمسائے پر پہلے ہاتھ صاف کیا۔ ترقی کے اس اقدام میں اس نے مغربی قوموں کو صاف لفظوں میں "چین سے پرے ہٹ جاؤ" کا حکم سنایا ہے۔ بھاری بھر کم روس بھی اس سے ڈر رہا ہے۔ اور اس سوچ میں ہے کہ کس طرح سائبیریا کے علاقے کو جاپانی دستہ دے محفوظ رکھے۔ اسی لئے اس نے دوسری دول سے معاہدوں کو توڑ کر تھکانا چاہتا ہے۔ اسے خوف ہے کہ دس بارہ برس میں جب وہ دس کے مطابق وہ جزائر اٹلپان کو آزاد کر دے گا تو جاپان ان قبضہ نہ جائے۔ اور پھر یہ دست درازی دوسری پیش قدمیوں کا پیش خیمہ بن جائے۔ علاوہ بریں جاپان نے بحری کافر میں امریکہ اور انگلستان کے آگے بحری معاہدہ و انگلستان کی ترقیم بلکہ تیج کا سلسلہ چھڑا ہے کہ اسے بحری طاقت میں ۳-۵-۵ کی نسبت قابل قبول نہیں بلکہ حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ اب اسے اس بارے میں سادات دکار ہے۔ انگلستان اور امریکہ اس مطالبے کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور جاپان جزئی کی طرح اپنے انسانی حق مساوات پر مصر ہو رہا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جاپان نے تمدن زندگی کے ہر شعبے میں ترقی فرماتی رہی ہے۔ وہ جہاں کہیں پہنچتا ہے وہاں دیکھتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مغربی دولت اشیاء پر پہلے سے قبضہ جمائے بیٹھی ہے۔ چونکہ تمدن کے حلقے میں قبضہ طاقت پر منحصر ہے اور جاپان اپنے جسم و جان میں طاقت محسوس کرتا ہے لہذا وہ بھی قبضہ اشیاء میں اپنا حصہ طلب کرتا ہے۔ اس پر مغرب کے عقلمند اپنے گستاخ شاگرد پناک بھڑنٹن حاکم ہیں اور اسے طعنے طرح سے سمجھاتے ہیں کہ کسی طرح وہ ان کی ٹیڑھی جالوں سے باز آجائے۔ مگر وہ بھی اپنے بزرگ استاد کا پورا پیرو ہے۔ منہ پھیر لیتا ہے اور سیدھا آگے کو بڑے جاتا ہے۔ عالمگیر بازار داری کے گزشتہ پانچ سال میں دو ملکوں کی معاشی خوش حالی نے کاروباری دنیا کو ترقی میں ڈال دیا ہے۔ ایک دوس اور دوسرا جاپان۔ اس مدت میں جاپان کی مصنوعات بعض دگنی بعض چوگنی اور بعض سات گنی ہو گئی ہیں۔ دنیا کی منڈیاں خود مغربی ملکوں کے بازار جاپان کی اڑناں اشیاء سے بھرے پڑے ہیں جن کے مقابلے کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔ اور واقعی اس ملک کے ساتھ مقابلہ دشوار ہے جس میں حب الوطنی تنہا ہی اور ازانی کا وہ عالم ہو جو جاپان میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ایک صنعتی کارخانوں میں جاپانی مزدور تین گنی میں دن میں تین مرتبہ خوب پیٹ بھر کھانا کھا سکتا ہے۔ اس سیاسی رجحان کی مقابلہ کا نتیجہ ہے کہ جاپان تمدن دنیا میں علیحدہ اور تباہ ہو رہا ہے۔ چین

روس، امریکہ، انگلستان، انگلستان کا بچا آسٹریلیا، جاپان، اسرائیل اور اے ٹی جی سب اس سے خائف ہیں اور اس لئے ناراض۔ یوں جنگ جاپان کے لئے بھی مفید نہیں اور پھر جنگ بھی ایسی تھی جس میں کب سے کہ میرے سب حریف بیک وقت شریک ہو جائیں لیکن وقت یہ ہے کہ اب ترقی و تمدن میں سکون ممکن نہیں اور توقف و جھبٹ کا مترادف ہو گیا ہے اور اس لئے بدقسمتی سے جنگ کی تیاری خودداری بلکہ صلح جوئی کے اظہار کے لئے بھی ضروری ہو چکی ہے۔ ساری تمدن دنیا کا یہی حال ہے۔ سو غریب جاپان کے لئے بھی اس کے سوا چارہ کا نہیں!

یہاں گنجائش نہیں کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کا تفصیل ذکر کیا جائے۔ چین کی ایک نظم جماعت اس کی آزادی اور ترقی کی خواہاں ہے لیکن ترقی بغیر امن و اتحاد کے ممکن نہیں۔ اوجین میں ہرگز ایک حرف اشتہالی ریاستیں قائم ہیں تو دوسری طرف جنہوں اور خصوصاً جاپانیوں کی جہاد ہوس نے ابتری پھیلا رکھی ہے مگر کی کی رفتار ترقی کا اس درجہ بائیس اندازہ ہو سکتا ہے کہ ترکی کے سب سے بڑے بنک کا نائب ناظم ایک مہینے میں ایک خاتون ہے ایران اور ترکی میں بغاوت اور اتحاد کی صورت پیدا ہو رہی ہے افغانستان لیگ انعام کا رکن بن گیا ہے آسٹریلیا نے اپنے ہی جرمن نازیوں سے ڈر کر اطالیہ کی گود میں پناہ لی ہے یوگوسلاویا نے اپنے بادشاہ کے قتل پر ہنگامی کے "بحریہ TERRORIST" فرقے کو مورد الزام قرار دیا ہے اور لیگ کے آگے فریاد کی ہے آئرستان انگلستان سے ہنگین رشتے کو توڑ دینے میں مصروف رہا ہے مصر کے داخلی معاملات میں بڑا نئے نئے غلطی ہوا ہے اور پیراگوئے (جنوبی امریکہ) نے لیگ کا مشورہ سننے اور اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ ہندوستان میں بہت کم و اتعات پیش آئے شروع سال میں بہا میں ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا پھر گاندھی جی نے ترک ہولادت کی حکمت عملی کو ترک کر کے کانگریس کو کونسلوں کے ذریعے سے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی اجازت دے دی اور خود علاوہ ہری جنوں کی اعانت کے ملک کی دیہاتی صنعتوں کے احیاء میں مصروف ہونے کا ہتھیار کیا۔ ملک نے انتخابات میں کانگریس کا قریب سے چھک کر سادہ دیا اور خیال ہر طرف پھیل گیا بجائے روحانی طور پر روٹھے رہنے کے ہرجبانی دماغی گوشخس صرف کرنی چاہیے کہ قوم کی آواز نہ صرف ملک کے کونے کونے میں بلند کی جائے بلکہ اپنے حکمرانوں اور دنیا کے کانوں تک بھی پہنچائی جائے۔ اُدھر حکمران قوم نے اپنی ایک منتخب جماعت کی رائے کی اشاعت کی کہ ہندوستان کو خود اختیاری حکومت نہایت آہستہ آہستہ فدا کر دیا جائے اور ایسی رائے کیوں کر قائم نہ ہو تو جب حکومت قوم کی عزت ہنوز حکومت اور وہ محض کہنے کو ایک قوم ہے۔ جب اس کے افراد اس حریت کے زمانے میں بھی بجائے اتحاد و آزادی کے محض خود غرضی اور بندش کے نام لیا جائے۔

یہ ملکوں اور قوموں کا حال ہے۔ ان میں سے اکثر کے دل غصے اور کینے سے بھرے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے خائف ہیں کسی کو کسی پر اعتماد نہیں اور سیاسی و معاشی مسائل کا ہجوم تمدن میں ایک ابتری کی پھیلا رہا ہے جس کے باعث حکمت عملی میں یک جہتی اور عاقبت بینی اور بھی کم ہو گئی ہے مختلف ملک ایک دوسرے سے معاہدے کر رہے ہیں تاکہ کوئی اس خطرناک زمانے میں اکیلا نہ رہ جائے۔ ۱۹۳۵ء میں ترکی، رومانیہ، یونان اور یوگوسلاویا نے ایک بلقانی معاہدے پر دستخط کر کے جسے نہ بلغاریہ نے پسند کیا اور نہ آسٹریا اور

اطالیہ نے آٹھریا اور اطالیہ اریگندی نے بھی اپنا ایک معاہدہ وضع کیا اور پھر سلونی کی تجویز پر اطالیہ، انگلستان، فرانس اور جرمنی نے اپنا ایک جدا جدا نامہ مرتب کر لیا۔ سلونی چھوٹی ریاستوں کا اصول مخالف ہے۔ وہ بار بار کہہ چکا ہے کہ دنیا کے حاضر و پیش رو حکومتوں کی شکل نہیں ہو سکتی اور حالات کا تقاضا ہے کہ صرف بڑی رویتیں چلیں اور صرف انہیں کی حکمت عملی تمدن کی سمت نائی میں کا فرما ہو۔ اس نفسا نفسی میں بین الاقوامیت کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے۔ ان مختلف الاضلاع مشکلوں کے سامنے لیگ فقط ایک بیکہ سی ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے کارکن محض لکیر کے بغیر بغیر شخص کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ لیگ کی کس سپر سی اور کم زوری کا یہ عالم ہے کہ بمقابلہ ۱۹۱۷ء کے دنیا نے ۱۹۳۵ء میں سامان جنگی پر ۶۳ فی صدی زیادہ خریدا صرف کیا۔

معاشرت و حکومتیں تین بڑے نظام اس وقت ایک دوسرے کے براہِ مقابل ہو رہے ہیں جمہوریت جو نامد خلعت اور آزادی کو اپنا اصول بنا رہے ہے فاشیت جو مکمل انسان کا مصالحہ لے کر اجتماعی نقطہ نگاہ سے ایک قوی حاکمات کھڑی کرنے کے دے رہے ہے اور اشتمالیت جو نوع انسان کی بہتری اس میں سمجھتی ہے کہ جماعتیں ایک مزدور جماعت میں غم ہو کر معاشی سادہ کے ذریعے سے دنیا کو ایک جنت بنا دیں۔

علاوہ برقی مختلف قسم کی جماعتوں میں مناقشے برپا ہیں تو نوعی حالت ہم دیکھ چکے۔ نسلیں بھی اسی حال میں ہیں۔ گورے۔ کالے۔ بھٹی۔ یورپی سب ایک دوسرے کو حقارت دیکھتے ہیں۔ او بچے۔ دیوانے اور بچے جیسے ایک دوسرے کو پاؤں تلے روندنے کی تجویزوں میں مصروف ہیں۔ مذہبی معرکوں کی چیخ پکار اب کم سنائی دیتی ہے لیکن کسی بجائے اب اور گواہیں ملتی ہیں اور حضرت مرد کی بہتری و بدتری کا شور مچائی دیتا ہے تو ادھر بوزھوں اور نوجوانوں کی توہینوں میں کاڑھتا ہوا گل ہے اور اسی پر نہیں اہتیا ہے کہ خود فروغ کے نفس میں مختلف خیالات و احساسات میں ایک مسلسل جنگ ہو رہی ہے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمدن کی حالت اس وقت ایک جوشیلے مرض کی سی ہو چکا ہے غم و غصہ میں اپنے ہی پاؤں پکھلاڑی مارنا چاہتا ہے جسے طرح طرح کے امراض مختلف الوائے اطباء نے روانہ سنا دیا ہے کہ عجیب نہیں کہ یہ دیوانہ بجا خود پوشیا ثابت ہو اور یہ جوش و خروش بتدریج یا شاید فوراً ایک تر قلمی و دماغی حالت میں تبدیل ہو کر دنیا کے لیے ایک خوشتر صورت حالات پیدا کر دے۔ نوع انسان کا طبیعیات کی ترقی نے بزم خود آسمان پہنچا دیا اور نفسیات کی تعقیب اسے اپنے نفس کی گہرائیوں تک لے گئی۔ یوں انسان زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگا۔ لیکن جب تک وہ معاشیات میں تنظیم سیاست میں سادات جماعت بندی میں عدل و انصاف اور علم و تہذیب میں ضبط حسن کاری کو نہ نظر نہ رکھے گا اس کی خوشیاں غم و تشویش میں اور اس کی کامرانیوں سب کی سب ناکامیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔

انسان کی زندگی آج ایک سخت مشکل میں گھر رہی ہے لیکن یہ جتنی ہے کہ اگر وہ اپنی عقل و بہت کام لے گا تو مشکل خود آسمان ہو کر اس کے لئے ہزاروں شان و درجہ توں کا دروازہ کھول دے گی!

بشیر احمد

کون ہے؟

کون کہنا چاہتا ہے مجھ سے اپنے دل کا راز،
یہ ہواؤں میں ہے کس کے سانس لینے کا گداز
کس کا سایہ کانپتا ہے یہ درو دیوار پر
جہاں کتا ہے کون ظلمت کا درجہ کھول کر
یہ مرے سینے میں اے شب سکیاں لیتا ہی کون،
یہ اندھیرے میں مجھے پیغام سا دیتا ہے کون
کس سے میں پوچھوں، یہ کیا انداز، یہ کیا طور ہے
خود یہ دل ہی کے کرشمے ہیں، کہ کوئی اور ہے
جوش

اذان

افق سے مسکرا نے لگی موزن کی آواز آنے لگی،
یہ آواز ہر چند فرسودہ ہے جہاں سوز صدیوں سے آلودہ ہے
مگر اس کی ہر سانس میں متصل
دھڑکتا ہے اب تک محمد کا دل جوش

خوب و خوب تر

جو کچھ بھی ہے وہ خوب ہے کہ اُس کو خوب تر!

یہ تپھے یہ قہقہے

یہ پتیاں یہ لہلہ

یہ بحر و بر یہ خشک تر

ہیں خوب تو مگر کہ ان کو خوب تر

جو کچھ بھی ہے وہ خوب ہے کہ اُس کو خوب تر!

یہ نست نیا چمن ہے یہاں سیر کو نکل!

تو بھی ہلک تو بھی ہلک

کبھی مٹک کبھی ٹھٹک

یہ بھول جا کہ ہو گا کیا!

بھول اور بھول پل فرست پل کی پل

میٹھا سا گیت گا کوئی اور اس خمین سی چل!

تجھ کو ملی تھی عقل، و منا، آنِ اس لئے ؟
 یہ معرکے یہ غمخسے
 مہناقتے مہا حشے
 لڑائیاں بُرائیاں !
 تو اس لئے جئے؟ خونِ جگر پیئے !
 کمِ بخت ! تو بنا تھا پھر انسان کس لئے ؟

تقدیر کا ساز ہے تدبیر کا گر !
 پروانہ کر عقبے ہے کیا
 دُنیا کو تو جنت بنا
 جی اور جلا بڑھ اور بڑھا !
 ہر شے پر رکھ نظر اور دیکھ لے بشر !
 کون و مکال وہ نخل ہے تو جس کا ہے ثمر
 جو کچھ بھی ہے وہ خوب ہے کراں کو خوب تر !

بشیر احمد

اے ہندوستان!

اے ہندوستان! تیرے بہتے دریا سے اپنی کاگر بھر کر وہ تیرے پل تلے اکھڑی ہے۔ وہ جس کا دل صدیوں سے اپنے شوہر اور اپنے بچوں کے لئے دھڑکتا رہا ہے۔ وہ جس پر اس کے شوہر اور اس کے بچوں نے صدیوں ہی ظلم و ستم بھی توڑے۔ اس کی کاگر بس آج کل میں ٹوٹنے والی ہے!

وہ دریا۔ وہ ہستیا پانی۔ وہ گھریلو دیوی۔ وہ مٹی کی کاگران سب کا دور بچکا۔ اب تو لوہے کے نلے ہیں۔ اور موٹر کار اور ڈھکے کانوں اور منڈی بھجوں والی انگریزی بولتی ہوئی نازک میمن! اب تو پیل کے بیڑوں کی فضا تصویریں ہیں۔

ہند نہیں یہ حال وہاں ہے جہاں تھیں پھیل کر شہر بن گئے ہیں۔ جہاں شہر فولادی پڑیوں کی باہیں پھیلا کر ایک دوسرے کے گلے ملنے کی فضول کوشش میں بانپ رہے ہیں کہ وہاں دریا ہیں تو گلے اڑیل پل ہیں تو ناپاک اور عورتیں ہیں تو بجائے گاگر سر پر تو لے بھاری بھر کم کتابوں سے لدی پھرتی۔ لیکن وہاں اے ہندوستان! جہاں تیرے وسیع میدانوں میں دریا بہتے ہیں۔ اسی شان۔ اسی آن بان کے ساتھ جہاں ہوائیں کبھی تیز کبھی مدھم! اب بھی پل کے پتوں میں سے سرسراہتی ہوئی گزرتی ہیں۔ وہاں اے پیارے وطن! اے دلدادہ رنج و غم! وہاں اب بھی اپنی اپنی کاگر کو سر پر سنبھالے ایک دوسرے میں ملیں۔ وہ سادہ مل جفاکش ہستیاں تیری پگ ڈنڈیوں پر مسیح و شام آتی جاتی ہیں جن سے میدانوں کی آرائش اور زمین و آسمان کی زیبائش ہے۔ اے میرے محبوب و مقہور وطن!

سو آن کو! اے وطن! جو تیری بیڑیاں کاٹنے کو شہروں میں شور و غل مچانے پھرتے ہیں ان کو ان سبز و شاداب و پراؤں کی طرف بلا جانا نہیں یہاں کھینچ لایا یہاں جہاں نہ بندش ہے۔ نہ غلامی، جہاں نہ کالے ہیں نہ گورے جہاں صبح کے سہری تخت پر بادشاہ نہیں بیٹھتے بلکہ تھی چڑیاں کھلتی ہیں جہاں کے دریاؤں کے اوپر پل نہیں بندھتے بلکہ جہاں ان کے کناروں پر قدرت اپنی پیاسی مخلوق کو خود چلو بھر بھر کر تازہ پانی پلائی اور سکراتی ہے۔ اے میرے ہزاروں نعمتوں سے مالا مال وطن!

ب



دیہاتی لڑکی

حیدری نظم کا تسبیح

اگر تم شاعری کے نشہ میں چور نہ ہوئے یعنی تمہارا دماغ مجرد قوافی کی قیود سے آزادی ہوا تو شاید تم میری مندرجہ ذیل کوشش کو ناپسند نہ کرو۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہی چیز تم نہایت خوبصورت الفاظ اور بندشوں سے کہہ سکتے ہو مگر وہ الفاظ اور بندشیں اب رسمی ہو گئی ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| <p>صبح دم ہول میں پریشیاں غالب ہے گماں افسانہ تھا یہ سب (۵)</p> | <p>مجھے ہے الفت تجھے ہے فرصت ٹال نہ میرا کہنا۔ (۳)</p> | <p>(۱) کل شب مری ماہ پارہ شاداں رقصاں آنکلی کہیں سے</p> |
| <p>کون کہہ سکتا ہے ماجر اسارا یہ تھا کہ نہ تھا؟</p> | <p>اور پٹی ہوئی مجھ سے وہ ناز کی تلی صحن باغ میں ٹہلی + (۴)</p> | <p>(۲) بولی چاند کی سیر کو چل تو بیگانہ نہ بن تو</p> |

تیز روزمانہ

بیسویں صدی کے پہلے تینتیس سالوں کی معنی خیز داستان

(۱۹۰۳ء تا ۱۹۳۳ء)

بیسویں صدی کے پہلے تینتیس سال ایک عجیب و غریب زمانے پر مشتمل ہیں۔ واقعات بلکہ تحریکات بھی کبھی اس سے پہلے ایسی سرعت کے ساتھ ظہور میں نہیں آئیں۔ اس عہد میں زمانے کی رفتار اس قدر تیز ہو گئی کہ ہماری ایک عمر میں گویا بیسیوں عمریں گزر گئیں۔ ہم سے پہلے نوع انسان کی ہزاروں پشتیں آئیں اور چلی گئیں اور ان میں سے بعض نے معاشرت کو بدلتے دیکھا بعض نے پرانے اداوارات کو تہ و بالا ہوتے دیکھا لیکن ان سب کے سیاسی خیالات کا ہمیشہ حصہ ہمیشہ برقرار رہا جو کہیں مٹ گئیں۔ مذہب کا رنگ اور کا اور ہو گیا لیکن انسانی فطرت جو ان کی توں رہی اور دنیا و کائنات کے آئین و قوانین بدستور قائم رہے!

اس کے برعکس ہمارا زمانہ پہلا زمانہ ہے جس میں یہ بظاہر غیر متغیر سلسلہ آگے بڑھا۔ ہماری پشت پہلی پشت ہے جس کے دھڑن سیاسی و معاشرتی خیالات میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہوئی ہے بلکہ جس کے نزدیک زندگی و کائنات کے بنیادی اصول و قوانین جو ہمیشہ سے اٹل سمجھے جاتے تھے متزلزل ہو کر ایک نئے سانچے میں ڈھل گئے ہیں اس نقطہ نظر سے لاکھوں برس ہوئے کے حجرہ زمانے سے لے کر انیسویں صدی تک محض ایک زمانہ ہے اور ہماری زندگی ایک بالکل دوسرا زمانہ۔ اس لئے کہ ہمیں پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا ماحول اب کبھی متعلق طور پر قائم نہ رہے گا بلکہ اس کا نقشہ روز بروز تبدیل ہوتا رہے گا ہم نے جانچ لیا ہے کہ دنیا اور کائنات کی کوئی قائم و دائم بنیاد نہیں ہے ہمیں پہلا انسان جی جنہیں اس امر کا احساس ہوا ہے کہ ہمیں شریعت نظام بلکہ قدرتی نظام بھی ہمارا ہی ساخت کر رہا ہے۔ اور جب ہم بدلتے ہیں تو ہمارے ساتھ یہ دونوں بھی بدل جاتے ہیں۔ گویا شریعت کو گولے بیرونی قدرت کو اس لئے ڈھل سمجھ لیا کہ وہ اپنی اندرونی فطرت سے بجز بی آگاہ نہ تھے۔ انسانی فطرت اس قدر آہستہ کام کرتی تھی کہ بیرونی دنیا کا عکس جو اس میں پڑتا تھا وہ ہمیں حقیقت معلوم ہوتا تھا!

لیکن یہ امر کہ ہر شے اس قدر سرعت کے ساتھ بدل رہی ہے۔ اور بالخصوص یہ انکشاف کہ ہر شے ہمارے ارادے سے اس حد

منک بدلی جاسکتی ہے حد درجہ درد انگیز ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے حالات اور ہمارا معاملہ اس قدر بدل سکے والا ہے تو ہم ڈر جاتے ہیں کیونکہ یہ امر ہماری ذمہ داری کو بد بجا بڑھا دیتا ہے پھر ہم الگ تھلگ ہو کر ادھنش واقعات و حالات کو قابل الزام ٹھہرا کر قانع نہیں رہ سکتے !

گزشتہ تینتیس سال نظر ڈالنے سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ بہت سریع السیر ہے بلکہ یہ بھی صاف طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ ہم لوگ اس صریح حقیقت کے سمجھنے اور دیکھنے سے عمدائی چراتے ہیں جو کچھ ہوا ہے اور جو رہا ہے ہم اس کی طرف متوجہ نہ ہو گئے ہندو کے دھوکے میں واقعیہ ہے کہ ہم نے نئی سے نئی طاقتیں حاصل کر لی ہیں اور قدرت کے کئی عہد ہمارے اپنے دلوں کے کئی عہد ہم پینکشف ہو چکے ہیں پس اس انکشاف کے بعد بھی اگر ہم تجاہل عارفانہ سے کام لیں گے تو ہمارا انجام یقیناً خطرناک ہوگا ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی ان نئی طاقتوں کے لئے نئے نئے طے نظر ڈھونڈیں۔ اپنے خیالات کو بدلیں۔ اپنے نصب العین کو بدلیں اور اپنی نئی دنیا میں گویا ایک نئی یا اختیار مخلوق ہو کر رہیں !

۱۹۳۲ء میں ایک مغربی مفکر جیرارڈ برٹن نے ۱۹۳۵ء تک کے زمانے کی ایک مختصر تاریخ "یہ تیز رو زمانہ" کے نام سے لکھی ہے جس میں اس نے یہ بات کو ٹکی کامیاب کوشش کی ہے کہ ہمارے عہد کے تمام بیرونی حادثات یعنی تمام لڑائیوں، انقلابوں، ایجادوں، دریافتوں، ادنیٰ و بڑی ظاہری کشمکش کے نیچے ایک عالمگیر زلزلہ نا تحریک پنا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہماری اس تمام ظاہری افوازی اور گرد بڑکے پس پشت فی الحقیقت انسانی نفس کا روز افزوں شعور کا فرما ہے۔ ایک نئے انقلابی علم کا شعور علم قدرت کے مظاہر کا علم بطون نظرت کا اور اس پر اسرار تعلق کا جو قدرت و نظرت انسانی میں پیدا ہے ! وہ کہتا ہے کہ اکثر لوگ اس علم سے جان بوجھ کر منہ پھیر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حاضر کے سیاسی و معاشرتی انقلاب فقط بیرونی واقعات مثلاً معاشی سر و بازاری معاشرتی تغیرات قومی روایات کے عارضی سے متعلق ہیں لیکن ایسا خیال محض فضول اور بغایت مضرت رساں ہے حقیقت یہ ہے کہ تمام ظاہری واقعات کے نیچے بعض مخصوص تحریکات کام کر رہی ہیں اور پھر ان تحریکات کے اور نیچے ایک گہرا نیم شعوری زبردست رجحان ہے جو ہماری دنیا کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے تمام واقعات و تحریکات کی صحیح علت غالبی یہی رجحان ہے جو ہمارے زمانے کی مخصوص علامت ہے۔ اگر ہم اس چھپے ہوئے رجحان اس زبردست زلزلے کی عظیم الشان حرکات سے تباہ نہیں ہونا چاہتے ! اگر ہم اس سوچنی زندگیوں کو مسرور و کارآمد بنانے کے آرزو مند ہیں تو ہمیں اس عالمگیر حادثے سے گھبرانا چاہیے بلکہ بیدار و ہوشیار ہو کر دیکھنا چاہیے کہ اس زمین و زحرکت کی کمت کیا ہے اغلب ہے کہ ہم اس مظاہر جاں کاہ حادثے کو سمجھ سکیں گے پھر یقیناً ہم یا ہمارے بعد میں آنے والے لوگ جو ہمارا فرام کردہ مواد استعمال میں لائیں گے ایک قطعاً نیا پائدار نظریہ نظام تعمیر کر سکیں گے !

مفکرہ ذکر نے بیسویں صدی کے پہلے تینتیس سالوں کو چار زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء۔ دوم ۱۹۱۸ء تا ۱۹۱۹ء۔ سوم ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۹ء۔ چہارم ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۳ء۔ اس نے ہر زمانے میں پہلے، بیرونی منظر کو لیا ہے یہاں اس نے معمولی سیاسی اور بظاہر اہم واقعات کی تاریخ لکھی ہے پھر اس نے پس منظر کی قوتوں پر نظر ڈالی ہے یہاں اس نے مختلف النوع معاشرتی و علمی تحریکات کو بیان کیا ہے۔ آخر میں اس نے ایک غفی ”رجحان“ کا انکشاف کیا ہے یہاں اس نے فنونِ لباس وغیرہ کی تبدیلیوں کا اندازہ کیا ہے۔ اور یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ کسی زمانے کے اصلی سیلان کا پتہ انہیں باتوں سے چل سکتا ہے جو بظاہر باطل و غیر اہم ہوں کیہ بھی دراصل اس زمانے کے رجحان کا صحیح آئینہ ہوتی ہیں۔

حصہ اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء (بیرونی منظر)

ہماری یہ تاریخ سنہ ۱۹۱۴ء میں شروع ہوتی ہے۔

صدی کے آغاز میں دہلِ یورپ نے چین کو اپنے تجارتی تہذیب و کائنات کا نشانہ بنایا۔ اس پوٹینج جینیوں کی براہِ فروختگی نے (جو کسیر یعنی) کئے بازوں کی بغاوت کی شکل اختیار کی جسے ہنرِ ہنر جنیوں نے بڑے ظلم و ستم کے ساتھ فرو کیا۔ اور پھر ایک بہت بڑا تانوان ان غریبوں سے وصول کیا۔

جاپان اس سے پہلے ہی چین سے اپنا لوہا نڈا چکا تھا۔ جولائی ۱۹۱۴ء میں ممالک متحدہ (امریکہ) نے ہسپانیہ کو شکست دے کر فلپائن کے جزائر کو حاصل کیا۔ ان فتح مند یوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحر الکاہل میں فقط دو طاقتوں کا یعنی جاپان اور امریکہ کا ڈھکچھنے لگا۔ ہاں برطانیہ بھی اپنی سلطنت کو استوار رکھنے کا خواہشمند تھا۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں آسٹریلیا کی حکومت کو ایک دولتِ عامۃ قرار دیا گیا اسی سال جنوبی افریقہ میں برطانیہ اور بوئروں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو سنہ ۱۹۱۵ء تک جاری رہی۔ برطانیہ بظاہر کامیاب ہو گیا لیکن مجبور ہو کر بوئروں کو خود اختیاری حکومت کا وعدہ بھی دے۔ اس وقت انگلستان میں قدامت پسندوں کی حکومت تھی جو ایک عالمگیر برطانوی سلطنت کے دل دادہ اور بڑے بردار تھے۔ جنوبی افریقہ، مصر، آسٹریلیا، کینیڈا، اس بحیرہ کی چند کڑیاں تھیں۔ اور ان کو بہرِ ممکن دیر سے روز بروز مزید بڑھاتے ہوئے مقصود تھا۔ اسی لئے قاہرہ سے اس امید تک ایک خاص برطانوی ریل کی تجویز گئی اور اسی لئے سنہ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے جاپان کے ساتھ معاہدہ کیا اور اپنی بحری طاقت کی طرف پیش از پیش توجہ کی لیکن جس طرح قدامت پسندوں کی تحریک محاصلِ ناکام رہی۔ اسی طرح برطانوی سلطنت کا عظیم الشان منصوبہ بھی بالآخر اس حد تک کامیاب نہ ہو سکا جس کی توقع تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ دنیا کے حالات ایک واقعی مستقل برطانوی سلطنت کی کامرانی کی راہ میں حائل تھے۔ یورپ کا سیاسی نظام

کمزور ہو رہا تھا۔ سلطنت ترکیہ متزلزل ہو رہی تھی۔ روس جاپان سے برسرِ پیکار تھا اور مالک متحدہ د امریکہ، انگلستان کا بمقابلہ بننے کا خواہشمند تھا۔ اور خودِ رطانوی سلطنت کے بعض حصص میں شورش کے آثار نمایاں تھے یہاں تک کہ روس و جاپان کی جنگ میں جاپانی کامیابی نے سوئے ہوئے ہندوستان کو بھی ذرا سا جگا دیا تھا اور لارڈ کرزن کی مستبدانہ روش نے تقسیم بنگال کی چھڑ چھاڑ سے ملک میں ایک توہی تحریک پیدا کر دی تھی۔ جدت پسند مارلے کی ریفاہِ مسمیٰ نے اس تحریک کے بانیوں کی اشک شوقی کرنی چاہی لیکن نتیجہ زیادہ خاطر خواہ نہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ جاپان کی جنگی کامیابی نے ادھر مہذب دنیا کو حیرت میں ڈال دیا اور ادھر مشرق کو اپنی مدقوں کی نیند سے بیدار کر دیا۔ مجددِ حاضر کی تیاریں اس جنگ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے پہلے تو ازن قوت میں خلل پیدا ہو گیا۔ روس کا زیادہ کمزور ہو جانا اس توازن کے لئے اتنی خوش نہ تھا۔ نتیجہً انگلستان فرانس کی طرف مائل ہونے لگا۔ اس جنگ سے طریقہٴ حرب پر بھی نئی روشنی پڑی جنگی محاذ اس قدر وسیع ہوئے کہ سپہ سالار اب میدانِ جنگ کی بدلتی ہوئی حالت سے بخوبی آگاہ نہ ہو سکتے تھے۔ گو لے بارود کی اہمیت بڑھ گئی۔ اور بقا بلکہ جراثیمِ کارروائی کے مدافعانہ طرزِ جنگ کے فوائد ظاہر ہونے لگے۔ واقعات کا رنگ ایسا ہوا کہ سیاسی دنیا میں پہلے سے امن و اطمینان کی گنجائش نہ رہی۔ زبردست انگلستان کی الگ تھلگ حکمت عملی قائم نہ رہ سکی۔ اوس کے جدت پسند طبقے کی بے نیازی بھی طورِ عاؤد کو یورپی سیاسیات اور تقابلوں کی طرف متوجہ ہونے لگی۔ ۱۹۱۴ء میں انگلستان اور فرانس نے بحری و کافر نس میں طے کر لیا کہ فرانس کے زیر اثر رہے گا۔ اور وہاں جرمنی کا دخل محض دخلِ معنویات سمجھا جائیگا۔ ۱۹۱۴ء میں انگلستان نے ایک طرف تو اپنے حلیف فرانس سے بڑی و بھری فوجوں کی تقسیم و تعین کے متعلق گفت و شنید کی اور اپنے مجرم کے بڑے کا بیشتر حصہ بحیرہٴ شمالی کی طرف منتقل کر لیا۔ اور دوسری طرف اس نے اپنے پرانے رقیب روس سے ایمان وغیرہ میں صلحت بائے اٹھ کے متعلق غماہمت کر لی۔ ان تمام ہی چیزوں اور سمجھوتوں سے جرمنی بھی سمجھا اور اس کا یوں سمجھنا ایک فطری امر تھا کہ وہ سیاسی دنیا میں علیحدہ کیا جا رہا ہے اور بے یار و مددگار ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عظیمہٴ ایک جنگ عظیم کی بنیادیں قائم ہو رہی تھیں جنگ سے گریز کرنے والی جدت پسند جماعت بھی جو انگلستان میں برسرِ اقتدار تھی باوجود اپنی آزاد خیالی کے اپنی احتیاطوں ہی کے طفیل جنگ کی زنجیروں کو گویا مضبوط کر رہی تھی اور امن و امان کے متزلزل کرنے میں مدد و معاون ہو رہی تھی چنانچہ مسئلہٴ میں جب برطانیہ نے اپنے ڈیپٹی ناٹ (نڈر) جہازوں کی طرح ڈالی تو اس سے بحری رنابت کی رفتار دو چند ہو گئی۔ اسی سال میں شاہِ پرتگال قتل کیا گیا اور ترکان احمد رائے سلطان عبد الحمید سے جو کوہِ امت پسند تھا لیکن جزیری میں یورپ کی چالوں کو خوب سمجھتا اور اپنی جوالی چال بانی سے اس کا سہ بابا کئے ہوئے تھا از سر نو اپنا سیاسی و فتور حاصل کیا۔ آدھر کسٹریا نے ان کی آن میں ترکی کے دو مضموعہ صوبے بوسنیہ اور ہرزگووینا و بوسنیہ لے لئے۔ روس کہ ابھی اس نوح کھسوٹ کے لئے تیار نہ تھا دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا یوں نیز جنگ کا اعلان کئے دورانِ صلح

میں کسی کمال جلدی اور آسانی سے سمیٹ لینے کے نئے مہذب طریقے کی ایک روشن مثال قائم کی گئی برطانوی جدت پسند اپنی خانگی قانون سازی سے اپنی حریت کا ثبوت ہم پر پہنچاتے رہے۔ ۱۹۱۸ء میں مزدوروں کی اجرت کا معیار بڑھایا گیا۔ اور ولز کے کلیسا کی مرعوفی کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں لائڈ جارج نے اپنا "جمہوری میزانیہ" پیش کیا۔ اور دارالعوام اور دارالامراہ کو دست و گریباں کر دیا۔ ۱۹۱۸ء میں وزیر اعظم ایسکوٹھ نے انتخابات کے ساتھ اپنے وہ اسی انجمن ارکان لے کر آیا جنہوں نے ہر بات میں جدت پسندی کی حمایت کا اس کڑی شرط پر بیڑ اٹھایا کہ وہ آئرستان کو آزادی دلا دیں بغرض ۱۹۱۸ء تک کے زمانے کے خاتمے پر گو جدت پسند بظاہر حکمران تھے مگر بظاہر تھکان کی سیاسی جڑ تو زمین اصولی گڑ بڑ ہو رہی تھی۔ یہ اس زمانے کی سبب المناک کیفیت تھی کہ جدت پسندوں نے اپنی احتیاطوں اور بزدلی سے آپ اپنے پاؤں پر کھڑی ماری اور طاقت و صولت کے میدان میں قدامت پسندوں اور مزدوروں کے مقابلے کے لئے رستہ صاف چھوڑ دیا۔ اس زمانے کی دوسری اہم خصوصیت ہمارے ملک کا نشو و نما اور ماہرین کی ترقی تھی۔ تمدن کے مختلف شعبوں میں بڑے بڑے قابل ماہرین فن پیدا ہوئے جن کی ہمارے نے مختلف قسم کی انسانی ہمارتوں کو درجہ کمال پر پہنچایا۔ لیکن یہ ہمارت اور یہ کمال اندھا دھند اپنا کام کر رہے تھے۔ ماہرین کو مطلق خبر نہ تھی کہ ان کی محنت و ہمارت تمدن کے کس کام میں لگائی جاتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نیک نیت ناگاہ لوگ اپنے بعض چالاک ہم جنسوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن کر رہ گئے۔ جو اپنی اپنی خود غرضانہ کم اندیشی اغراض کے لیے ان کی ترقی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے خواہر ہو گئے۔ جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ یہی اسی جہل و دنات کا نتیجہ تھا کہ نوع انسان تباہی کے تاریک رستے پر چھلی گئی اور شاعر کا یہ قول مہذب یورپ پر صادق آ گیا کہ "تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی" اس عہد کی تیسری خصوصیت شدید احساس کاسلس نشو و نما تھا! انسان جو رستم اور کلیف و کرب پر زیادہ گھبرانے اور خوف زدہ ہونے لگا۔ ان تمام خصوصیات کا ماحصل یہ تھا کہ انسانی روح اپنے ہی ساتھ برسرِ بیکار تھی اور اس کی قوت بجائے جمع ہونے کے منتشر ہو رہی تھی! انسان کے نفس میں ایک عظیم الشان جنگ چھڑ گئی تھی!

(پس منظر میں قوتیں)

اس زمانے کی سبب نمایاں تحریک مزدوروں کی تحریک تھی جس میں تین عناصر کی آمیزش تھی: ایک غرضائیں اتحاد مزدوران تھا۔ دوسرا اشتراکیت کی انقلابی تحریک اور تیسرا باقاعدہ علمی منصوبہ بندی کا طریقہ جو روایات و مراعات اور توہمات کی مخالفت پسندی تھا۔ اس زمانے

MINIMUM WAGE ACT ۱۹۲۶ء

WELSH CHURCH DIS ESTABLISHMENT ACT ۱۹۲۰ء

SKILL ۱۹۱۸ء

SCIENTIFICALLY PLANNING METHOD ۱۹۱۸ء

میں اتحاد مزدوروں کی تحریک نے بہت فروغ پایا جس کا سب سے بڑا سبب تمام طبقوں میں عام تعلیم کا رواج پانا تھا۔ انگلستان میں ایک طرف میز سے سیکڑا لٹک کر لارڈی وغیرہ نے مزدوروں کی سیاسی جماعت کو ترتیب دیا۔ اور دوسری طرف ہارڈ شاؤیلز ولس وغیرہ نے نچلے طبقے کی حمایت میں ایک علی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں لندن یونیورسٹی کی انٹر کونٹیننٹل کمیٹی نے مزدوروں کی تحریک کو تقویت پہنچی لیکن مزدوروں کی مختلف حامی ایک ہی مضبوط سلسلے میں منسلک نہ ہو سکے۔ مزدوروں کی تحریک محض قومی سرحدوں تک محدود نہ رہی۔ چنانچہ اکثر برصغیر میں انگریزی جماعت نے جرمن مزدوروں کو ان کی ہڑتال میں اپنے محدود سرمایے میں سے دوہرہ پونڈ کی گران قدر رقم وقفہ واپس کی۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں پارلیمنٹ میں انٹینشنل مزدور ارکان بھی داخل ہوئے لیکن تاہم اس تحریک میں کافی زور اور محرکاتی پیدا نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ صاف ظاہر تھی۔ اور یہ تھی کہ معاشیات اور عقلیت جب تک نفسیات اور جذبات کی پُرچوش امداد سے مستفید نہ ہوں کوئی تحریک صحیح معنی میں زندہ و موثر نہیں ہو سکتی۔

وہ تحریک جس نے ان دونوں اہم عناصر کو اپنی ترقی میں استعمال کیا انسوانی تحریک تھی۔ عورتوں نے نشر و اشاعت اور اظہار جذبات سے بڑے پُوش و خروش سے کام لیا۔ انیسویں صدی میں اس تحریک کی مخالفت شدید تھی۔ رومانی تحریک میں صنف نازک کی حیثیت سے عورت کی تپش تک کی جاتی تھی لیکن اسی وجہ سے اسے مساوات بلکہ کئی ضروری حقوق تک حاصل نہ تھے۔ لہذا اب ایک طرف تو عورتوں نے علمی بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ اور کہا کہ مردوں کی فوقیت کا نظریہ محض لغو ہے۔ اور دوسری طرف تشدد کے مختلف مظاہرے پیش کئے۔ جلوسن کئے۔ دروازوں بکڑا دیوں کے شدیدے توڑے غرض خاص و عام کو ہر طرح تنگ کیا۔ یہ جاحانہ کارروائیاں خوب پھل لائیں اور آگے چل کر عورتوں کو ان کے بعض حقوق مل گئے جس کا نہ صرف عورتوں پر بلکہ کئی دوسری جماعتوں پر خاص اثر پڑا۔ اس زمانے میں حفظانِ صحت کے بعض نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ فروڈ کا نفسیاتی تجزیہ۔ زمریٹ۔ مسیح مکرٹ۔ ان سب نے اپنے اپنے خیالات پھیلانے اور اپنے آپ کو ترقی دھکائے۔ بالخصوص نفسیاتی تجزیے کے نظریات نے بولس انسانی کی نیم شعوری توت اور اس کو جسمی جذبات کی پرکشیدہ کششوں پر مبنی تھے۔ ذہن عامہ پر خوب اپنا سکہ بھجایا۔ ساتھ ہی خیالی جڑھا کہ صحت تمام جسمانی قوتوں کے اجتماعی فروغ کا نام ہے۔ اور یہ فروغ عام بود و باش تازہ ہوا اور روشنی۔ ورزش اور خوراک اور آرام اور دلی و دماغی سکون سے حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی حفظِ صحت کے دائرے میں نئے خیالات والوں کو بوجہ اپنے اختلاف و تحالف کے پرانے ڈاکٹری علاج اور قدیمی نقطہ نظر کے مقابل میں زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور پرانی پیڑوں کا بدستور دور دورہ رہا۔ گو نئے خیالات کی کرید و ماعوں میں شروع ضرور

تفتیش و دریافت کے شعبے میں جو کچھ ہوا اُس کا نتیجہ پرانے اخلاق کی بجائے کئی کی ابتدا تھا پیری ۱۹۵۰ء میں قطب شمالی میں جاہنچا غیر مذہب ملکوں کے اہلی باشندوں کے طرز معاشرت پر گہری علمی نظر ڈالی گئی اور یہ مذہب انسان نوز انسان کے مختلف و متضاد اخلاق دیکھ کر سوچنے اور شک کرنے لگا کہ کیا صحیح اخلاق صرف وہی جنہیں میں صحیح سمجھتا رہا ہوں۔ علم انسان انسان بہتری کے آئینہ خیالات کو ایک نئے رنگ میں رنگنے والا تھا۔ یوں قدامت پھسکی پڑ گئی اور وسیع النظری کی آب و تاب روز بروز جیتی گئی۔ نئے علم پیدائش اور مضبوطی سے کہا کہ آئینہ فلسفوں کے لیے بہتر مضبوط تر بنے پیدا کرنا ممکن ہے۔ نئی نفسی تفتیش نے نفس کی انوکھی قوتیں دریافت کیں "خیال کشانی" نے خیال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہزاروں کوس سینتھل کر دکھایا۔ نئی روحانیت نے بزم خود مَرُودوں سے گفتگو کی راہ دکھائی۔ ادھر اصلاح معاشرے کے سلسلے میں نوجوان ملزموں کے ساتھ نرمی و ملاحظہ کے سلوک سے ان کی اصلاح ترقی کا راستہ نکلا۔ ۱۹۵۰ء میں انگلستان میں تہی دست غربا کی ہفت دکالت کا اختتام کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں بے روزگاروں کی امداد کا سلسلہ شروع ہوا کہ کیوں کر ان کے لئے کام ہٹایا جائے۔ اسی سال میں ہوائے سکاؤٹس کی تحریک کی بنا پر جیو معاشری حیثیت سے بتدریج ایک نہایت نتیجہ خیز تحریک ثابت ہونے والی تھی۔

علمی تفتیش کے بعض عملی آلات انسانی بود و باش پر بعد بہ اثر ڈالنا شروع کیا۔ ۱۹۵۰ء میں مارکونی نے بحرا و قیاموس کے پار اپنا پہلا بے تار کا بیغام بھیجا۔ ۱۹۵۰ء میں موٹر کاروں کی رفتار میں فی گھنٹہ پر پہنچ گئی۔ ۱۹۵۰ء میں پہلا سینما اھلوا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں ٹیلیفون کا رواج عام ہونے لگا۔ ۱۹۵۰ء میں ڈربائن کے موٹر کی گلی نے بڑے بڑے ہما زوں کو دفائی توسے سرعت و سبب سمندر دوں کے پارے جانا شروع کیا۔ ۱۹۵۰ء میں موسیو بلیوہ اپنے طیارے میں بیٹھا۔ رود بار کے پاراڑتا ہوا انگلستان آ پہنچا۔

مغربی علم ادب میں کپلنگ نے برطانوی سلطنت کا ڈھکا بچایا۔ ولز نے تمدن کا گیت گایا۔ ہیری جیمز نے انسانی سیرت اور انسانی معاشری نیت پر روشنی ڈالی۔ بیئر لنک نے اپنی تصنیف "شہد کی کھی کی زندگی" میں ثابت کیا کہ ہجرتہ بعض باتوں میں انسانی تمدن کو بھی زیادہ اعلیٰ معاشری کا نامہ ہے۔ کون ڈائل نے سراغ رسانی کی کہانیوں میں ایک نئی روح چھوٹی۔ اسکر وائلڈ نے فن کو محض فن کے نقطہ نظر سے دیکھا اور پیش کیا۔ برنارڈ شا نے جو یقیناً اس عہد کا سب سے مؤثر مصنف تھا۔ معاشی اصلاح کا پھرہ اڑایا اور کہا کہ اشتراکی ہو سیری نے بچپن کی طرف واپسی کا نعرہ بلند کیا! این نے سمجھایا کہ زندگی کا سامنا کرو نیٹش نے مسیحیت کی غلامی و نہایت کا نقشہ کھینچا

ANTHROPOLOGY

EUGENICS

TELEPATHY

PSYCHICAL RESEARCH

غرض ان اور دیگر مختلف مضمین کے پیغامات سننے اور ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی یورپی علمی و ادبی تحریکات کا مخرج زیادہ تر نفسیات و تہذیبی ہی کی جانب تھا۔ لوگ کچھ نہ کچھ آگاہ ہو رہے تھے کہ ان کی زندگیوں اور حالات میں جو گڑبڑ ہو رہی ہے۔ وہ محض اپنے متعلق زیادہ آگاہ ہونے ہی سے دور ہو سکے گی۔ اور اگر وہ نہیں چاہتے کہ ان کی زندگیاں بے سرد یا حادثات کا نشانہ بنیں تو لازم ہے کہ وہ فطرت اور اس کی ضروریات سے کما حقہ واقفیت حاصل کریں۔ یوں علم ادب اور معاشرۂ دونوں ہاتھیں ہاتھ دے کر ایک نامعلوم سرزمین کی طرف سرعت گام زن ہو رہے تھے صرف انھیں اس بات کا دھندلا سا احساس ہو رہا تھا کہ کوئی شواہد نہیں کشاں کشاں سرعت کہیں لئے جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی یہ شک گزرتا تھا کہ وہ شے کوئی بیرونی وجہ نہیں بلکہ ان کا اپنا ہی نفس ہے نظری تفتیش کی بعض دریافتیں بظاہر محض نظری تھیں لیکن فی الہل اساسی اور عینی اداس لئے بالآخر غایت درجہ اہم اور انقلاب انگیز ثابت ہوئیں۔ مادام کیوری نے ریڈیم کی دریافت سے طبعیات کے اساسی مفروضات اور ادیان کے منہج سے اعتقادات کی بنیاد ہلا دی۔ بوراڈا مین اور فوڈ نے جزو لا یموت (ایٹم) کے متعلق ثابت کر دکھایا کہ وہ بھی ایسا ہی کھوکھلا ہے جیسا کہ نظام شمسی اور زمین سلطان ابھی دوسری دور قدیم کائنات کو اپنے نفس کے عرق میں گھول کر زور کا اور بنار ہا تھا جس سے قبل قریب میں ایک علمی انقلاب عظیم واقع ہونے والا تھا۔ ارتقاء سے حیات کے متعلق ڈارون نے حیات انسانی کو جس انفعالی حالت پر پہنچا دیا تھا سینڈل نے اس سے تعزلات سے نکالا اور بتایا کہ زندہ جزو نہیں میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ خود بخود تبدیل ہو کر گویا پھیلا گ کر ایک باطنی نفس بن جائے۔ ڈارون نے زندگی سے انزو عمل کرنے کی جو توجہ تھیں لی تھی اور اسے حالات اور ماحول کے حوالے کر دیا تھا سینڈل نے اسے پھر بحال کر دیا۔ کیرل نے مرئی کے جسم کا ایک ٹکڑا علیحدہ کر کے اور زندہ رکھ کر ثابت کر دیا کہ کسی جان دار کی ایک زندہ رگ غیر معین وقت تک زندہ رکھی جاسکتی ہے یہ ٹکڑا آج تک زندہ موجود ہے۔ اس عجیب و غریب مظاہرے نے زندگی کے متعلق انسانی علم میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا۔

درمیان

اب میں غور کرنا ہے کہ مندرجہ بالا واقعات و تحریکات کے پیچھے اور اندر بھی اندر جلی زندگی کی کوئی موج اور کونسا بحران اس زمانے میں کام کر رہا تھا جو انسان کو اس کے نامعلوم ٹھکانے کی طرف لئے جا رہا تھا؟ یہ تیز رو زمانہ "کے صنف کو اس بات پر اصرار ہے کہ گزشتہ تین سو سال انسانی تاریخ میں ایک انوکھی حیثیت رکھتے ہیں وہ کہتا ہے کہ تاریخ کبھی اپنے آپ کو رہا نہیں سکتی کیونکہ تاریخ انسان کی مسلسل ارتقاء کرنے والی توح کا ٹھنڈا عکس ہے۔ اور انسان ایک تبدیل پذیر چیز ہے ایک مخلوق بحران ہی ہے جو اپنے ماحول پر انحصار رکھنے کی حالت سے گزر کر اب بحال سرعت اس باطنی دوسری حالت میں جا پہنچا ہے جہاں اسے اپنے ماحول پر پوری طاقت اور اس کا پورا اندازہ حاصل ہو رہا ہے۔ اس بیرونی اندازے سے گزر کر اب وہ اس اندازہ نفس اور روح فہمی کی طرف گام زن ہے جہاں اسے یہ

تجھنا ہوگا کہ آئندہ میری نثری تمام تر اپنے نفس کے اندر فقط اپنے ہی آپ میں ہوگی، پھر وہ وقت آئے گا کہ نوح انسان دیکھنے کی کہ وہ کیا کچھ کر رہی ہے اس انقلاب کے مقابلے میں دوسرے تمام انقلابات محض بچوں کا کھیل ہیں اس وقت میں فوری حیرت کا ایک صدمہ پہنچے گا اور تجھیں گے کہ ہم کیا کچھ کرتے رہے ہیں اور کیوں؟ پھر موجودہ نیم آگاہی کی حالت کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہم کامل طور پر ارادہ کرنے والے اور باشعور ہستی بن جائیں گے۔ لا تعداد صدیاں گزریں کہ ایک وہ ساعت تھی جب انسان انسان بنا آج ایک ڈگری نیچے انسان ساعت نوح انسان سے دوچار ہو رہی ہے اگر یہ نظریہ درست ہے تو پھر ہمارے اس زمانے کی خصوصیات اور اس انقلاب عظیم کی نشاںیاں روزمرہ کے عام کاموں اور باتوں میں روز بروز روشن کی طرح نمایاں ہونی چاہئیں۔ آؤ تجھیں کہ کیا ہمارے بظاہر غیر اہم کاموں میں بھی ان کا کوئی نشان موجود ہے؟

فنون لطیفہ میں انیسویں صدی کے "ایمپریسنڈ" فطرت کو زمانہ سے علیحدہ کر کے دیکھنے کے خواہاں تھے کہ وہ عین دیکھنے کی گھڑی میں کیسی نظر آتی ہے؟ اب فرانسیسی نقاش سیزان Cezanne نے اس سے آگے قدم بڑھایا۔ وہ دنیا کی اس زندہ فوری تصویر کو اس کے مفہوم سے علیحدہ دیکھنے میں کوشاں ہوا۔ یورپی نقاشی کا مدعا اب یہ قرار پایا کہ وہ سیر دنیا کے صاف صبح اور بے معنی اثرات میں سے بعض مخصوص نمونے چن کر مرتب کرے جو رنگ و وضع کی مدد سے بعض ایسی نسبتیں اور درجے ظاہر کریں جو ہمارے جنس کی چھپی ہوئی خاص حس کو بھلے معلوم ہوں۔ اس فطری رجحان کی مانی ہوئی مثال یہ ہے کہ اگر ایک خطا مستقیم تقسیم کرنا ہو تو ہماری فطرت کا بلاوجہ خود بخود تقاضا ہوگا کہ وہ اسے نصف میں نہیں بلکہ اس کی لمبائی کی دو تہائی پر جا کر تقسیم کرے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ دو تہائی کی نسبت کے متعلق یہ فطری میلان انسانی جسم کی اپنی نسبت اور نمونے سے پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بجائے نصف کے دو تہائی کی تقسیم بجائے تکمیل اور سیری اور سکون کے ایک نوع کی ناقص پذیری اور عروج و کمال کی ممکنات کا احساس پیدا کرتی ہے جو انسان کے لئے دل خوش کن اور حیات افزا ثابت ہوتا ہے۔ آرٹ میں مکعبیت اور انتہائی واقعیت پسندی کی تحریکات اسی طرح پیدا ہوئیں۔ گو وہ پیدا ہوتے ہی شلک و اختلاف رائے کے باعث فنا بھی ہو گئیں۔

لیکن فنون لطیفہ کو اس تمام دھندلے سے منظر میں در تحریکات کا صاف اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک موضوعی تحریک ہے جس کی بنا پر نقاشوں اور ماہرین فن کو روز بروز اس امر کا یقین ہوتا جاتا ہے کہ اگر حقیقی نقاش میں تو وہ کسی مقررہ علمی اصول کے پابند نہیں ہو سکتے۔ اس دریافت کے نتائج نہ صرف ماہرین فن کے لئے بلکہ حصول تعلیم میں اور عام زندگی میں ہر خاص و عام کے لئے بغایت درجہ اہم ثابت ہوئے اور یہی سہارہ زمانے کی سب سے زبردست نفسیاتی دریافت ہے کہ تمام معیار اضافی ہیں۔ ایران میں سے کوئی بھی مطلق زمانہ بالذات نہیں جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ معیار انسان کے وضع کردہ ہیں اور اس لئے انسان معیاروں کا خادم نہیں بلکہ معیار انسان کے خادم ہیں۔ ہمارے زمانے کی

دوسری نفسیاتی دریافت جس کا عکس آج کل کے آرٹ میں بھی صاف ظاہر ہے یہ ہے کہ حقیقی دنیا کو بہت کم دیکھ سکتے ہیں بلکہ اپنے خیالات کی ذریعہ ہی کے باعث ہوا میں تنگ اس کی ظاہری صورت کو بھی ٹھیک ٹھیک نہیں دیکھ سکے نقاش میں بتاتا ہے کہ ہم کبھی ملاداسطرا درک نہیں کر سکتے ہم کبھی استیلا کا معنی سے قطعاً علیحدہ ہو کر نظر رہ نہیں کر سکتے۔

فن تعمیر میں بھی نئی تعمیر کی نئی طرز سے ظاہر ہوا کہ اب اس فن میں ماہرین پرانے قواعد و اسناد سے روگردانی کرنا چاہتے ہیں لباس میں پہلے سے زیادہ آزادی برتی جانے لگی۔ مثلاً مغربی عورتوں کے لباس میں بجائے زیب و زینت کے آرام و آسائش کا زیادہ خیال کیا جانے لگا۔ اپنی جنس کے متعلق عورتوں کے خیالات میں جو تبدیلی واقع ہوئی تھی وہ اب ان کے لباس میں بھی رونما ہونے لگی۔

یہ اس زمانے کی خصوصیات کی چند نشانیاں تھیں۔ ان سے صاف طور پر عیاں تھا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک مرد و زوفاں بے صبری، ایک بے اعتباری، نئے نئے تجربے کرنے کی ایک خواہش بڑھ رہی ہے جس سے ظاہر تھا کہ مختلف طبقوں اور خواص و عوام میں خود آگاہی اپنے زوروں پر ہے ہر شے مشکوک نظر آنے لگی تھی نیکو بینی دل میں گھر کرنے لگی تھی۔ یہ دیکھ کر سوائے جدت پسندوں کے ہر کسی کا دل خوف و غصہ سے بھر گیا۔ قدامت پرست، قومیت پرست، قوت پرست، مذہب پرست یہ سب نوع انسان کے اس رجحان پر چراغ پا ہو گئے۔ قدامت پسندوں نے جدت پسندوں کو طنزاً دعوتِ صل دی لیکن کسمپرسی سے جدت پسندوں کو محض خیال پرست اور بے عمل نکلے۔ وہ زمانہ تبدیل آنے والا تھا اور آیا جب جدت پسندوں کا جنازہ نکلتے ہی فوجی قوم پرستوں اور انقلابی انتہا پسندوں نے اپنی اپنی تلواریں میان سے نکال لیں اور ہر ایک نے کہا کہ صحیح تمدن کی محافظ صرف ہماری جماعت ہے اور کسی دوسرے کو اس سے سروکار نہیں۔ کیا جدت پسندی اور قدامت پسندی ایک دوسرے کو سمجھ سکتی ہیں؟ کیا وہ بل جمل کر متعارف تمدن کو نوع انسان کے لئے حاصل کر سکتی اور قائم رکھ سکتی ہیں؟ یہ وہ سوال ہیں جن کا کوئی شخص آج جواب نہیں دے سکتا لیکن اگر ماضی و مستقبل ایک دوسرے کے سمجھنے سے قاصر ہیں گے تو پھر امن و امان کا اندھ ہی والی ہے بہارے زمانے کی تنہا امید اس کی روح مفاہمت میں مرکوز ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ عقل و فہم پہلے بیرونی دنیا سے گزرتی ہے اور پھر انسانی نفس کے تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔ اگر وہ وقت پر یہاں آپہنچے تو ہم قوت و تشدد کی اس اندھا دھندل کو اپنا فوخی کام کرنے سے روک سکیں گے جو ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہی ہے لیکن اگر اس کے آنے میں تاخیر ہوگی تو بس پھر ہم ہوں گے اور ہلاکت کے ہولناک غار ہمارے سامنے یہ آگاہی کے لئے ایک ڈرہموری ہے۔ اور اس کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انہیں میری کچیں سالوں میں جو ہماری نسل کے لئے باقی رہ گئے ہیں اس کا فیصلہ یا ادھر یا ادھر ہو کر رہے گا!

حصہ دوم ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۹ء

بیرونی منظر

یہ زمانہ جنگ عظیم کی تیاریوں اور تباہ کاریوں کا زمانہ ہے۔

جیسا ہم دیکھ آئے ہیں جدت پسند باوجود اپنی نام نہاد حریت پسندی کے محض شاہنشاہی اقتدار کے قیام کے نام پر لیا جتنے چلے گئے ۱۹۱۰ء میں وہ ہنوز انگلستان میں برسر حکومت تھے لیکن صرف اپنے اسی آپریشن مددگاروں کے ذریعے سے بیضر و ہوا کو لاندہا جانے اپنے قومی صحت کے نیچے کے قانون سے غریب مزدوروں کی امداد کی اور ۱۹۱۰ء میں پارلیمنٹ ایکٹ کی وجہ سے دارالعوام کو ہمیشہ کیلئے دارالامرار پر قانونی طور پر حقوق حاصل ہو گیا لیکن اُدھر حقوق طلب معورتوں نے امن پسندوں کا ناک میں دم کر دیا اور اُدھر قلعہ پرستوں نے جو آخری آپریشن کے لیے اپنی آستینیں چڑھا رہے تھے آئرستان میں باغی الشکر کے سرکردہ کارکن کی ہٹھکھٹوئی جس نے دنیا کو کچھ عرصہ ایک چھوٹے پیمانے پر اختیاط مطلق کا تماشہ دکھا دیا۔

جدت و تداست میں کشمکش جاری تھی لیکن اس کی اس ہولناک جنگ کے آگے کیا حقیقت تھی جو کچھ عرصہ کے لئے اس بے معنی غل کو توپوں کے شور و غوغا میں گم کر دینے والی تھی کشمکش یورپ کو کسی زلزلے کی طرف لے جا رہی تھی۔ انگلستان اور جرمنی میں بحری قوت کا مقابلہ بڑی شد و مد سے شروع ہو گیا اور فریقین جہازوں کی تعمیر پانچا سارا اندوختہ صرف کرنے لگے سوال اب یہ نہ تھا کہ کیا جنگ ہوگی؟ بلکہ یہ کہ وہ کیا ہوگی؟ کچھ مدت کے فرانس اور روس باہم حلیف تھے اور اُدھر جرمنی اور آسٹریا اور خطا ہرطالیہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اب اہم مسئلہ انگلستان کی دوستی حاصل کرنے کا تھا اور انگلستان باوجود اپنی ملحدگی کے فرانس کی طرف مائل تھا ۱۹۱۰ء میں اطالیہ نے بغیر لڑائی پھڑپھڑے ترکوں کے طرابلس پر ہاتھ صاف کیا ۱۹۱۱ء میں بلقانی ملکوں نے مل کر ترکی چیل کیا۔ اور یورپ میں ترکی سلطنت کا تقریباً خاتمہ کر دیا صرف انور پاشا کی بہت سی تسلط ظنیہ اور اڈریانوئل کو مسئلہ میں بچا لیا۔ دول یورپ سکراتی ہیں لیکن سکرا نے کے اب تھوڑے ہی دن باقی تھے۔ ان کی باری بھی آ رہی تھی اور بہت جلد۔

۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو سر ویلادلون نے آسٹری دلی عہد کو قس کر دیا۔ آسٹریا نے انٹی سیٹم دے دیا اور سخت شرائط پیش کیں انگلستان اور جرمنی نے کہا کہ محض ایک بلقانی معاملہ بے انصاف سے طے ہو جائے اس میں زار روس نے بھی قصیر سے اتفاق کیا لیکن زار کے در راجہ روس کی اندرونی شورشوں کو سیر دینی جنگ سے دبا دینا چاہتے تھے یہ اچھا موقع پاکر سربو کی امداد کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ فوج کی تیاری کا جلد جلد سامان ہونے لگا۔ قصیر نے زار کو تاج بھیجا کہ ان تمام تیار یوں کے کیا معنی ہیں؟ لیکن اب الفاظ دعائی کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اُدھر درس کی فوج

تیار ہوئی۔ دوسرے جرمنی کی جرمنی نے یکم اگست کو جنگ کا اعلان کیا اور یکم میں سے ہوتا ہوا روس کے حلیف فرانس کی طرف بڑھا۔ اگست کو انگلستان نے بھی جرمنی سے لڑائی کی ٹھانی۔ یوں یہ تہذیب "دورانیش" لوگ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے!

سیاسی و جرمنی دونوں حیثیتوں سے جنگ عظیم تین حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ سیاسی طور پر جنگ کا پہلا دور تقریباً طاقت کا دور تھا۔ جدت پسند سیاست دانوں نے کہا یہ جنگ عظیم کی آبرو کے لئے ہے۔ فرانسیسیوں نے کہا اس سے الساس۔ آئرن کے خصب شدہ علاقے ملینگے اور جرمن خطرے سے رہائی حاصل ہوگی۔ روسیوں نے سوچا کہ جمہوریت کو دبوچ لیں گے۔ اور اپنے ملک کی انقلابی تحریک کو ملیا میٹ کر سکیں گے۔ جدت پسند جرمنوں نے خیال کیا کہ اس سے روسی خطرہ نفع دفع ہوگا۔ اور جنگ پسند جرمنوں نے کہا کہ جنگ سے ادھر ہم اپنے ملک میں طاقتور ہو جائیں گے۔ ادھر ساری دنیا میں سب پغلیہ پالیں گے۔ جنگ کا دوسرا سیاسی و ذہنی معاہدوں کا دور تھا۔ اتحادیوں نے دیکھا کہ نفس جوش و خروش اور تقریباً تحریروں سے یہ جنگ جمعیتی جانے گی سیاسی جوڑ توڑ لازم ہے۔ اطالیہ چپ بیٹھا تھا۔ اس سے سلسلہ صوبائی شہر ہوئی۔ تم کیا ارگے؟ تم کیا دگے؟ اندر ہی اندر معاملہ طے ہو گیا۔ کئی علاقہ میں اطالیہ اتحادیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ لیکن اس شمول سے جرمنی پر کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ جنگ بدستور جاری رہی کئی مہینے گزرتے گئے۔ کیا اسی طرح برس بھی گزرتے تھے۔ کچھ اور ذکر کرنا لازم ہو گیا۔ اسی لئے تیسرا سیاسی و ذہنی معاہدہ کا دور تھا۔ جنگ کی طولانی فرانس اور انگلستان بے جان سے ہو گئے تھے۔ جرمن اب دو کشتیوں اور ہوائی جہازوں کے حملوں نے غلام کے جوش کو ختم کر دیا تھا۔ انھیں تازہ دم کرنا اور کسانا بھڑکانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ نظارتِ مطبع کے ذریعے سے صرف ایسی خبروں کی اشاعت کی اجازت ملنے لگی۔ چشک صداقت کا پہلا بھڑک کر قومی ارادوں کی مضبوطی کا ذریعہ بن سکیں۔ اب لوگ احمق و اوقات سے خبر ہر نہ لگے۔ ان کی حکومتیں انھیں جو چاہتی تھیں بتاتی اور جو چاہتی تھیں ان سے چھپاتی تھیں۔ یعنی جھوٹ سچ کی ملی جلی جھون سے بیمار قوموں کی طاقت کو مصنوعی طور پر کسایا اور بھڑکایا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ بات سب کے ذہن نشین ہو چکی تھی کہ یہ جنگ صرف توپوں اور گولوں اور گیسوں سے نہ جمیٹی جائے گی بلکہ جوشِ غصہ، طیش، بدذہابی، بے وطن، یہ اس جہمی جنگ میں کارآمد حلیف ثابت ہوں گے۔

دوسری حیثیت سے بھی جنگ عظیم کے تین الگ الگ دور ہیں۔ پہلا تیز و جنگ کا دور جو کہ جیسا ہر مومن کا خیال تھا صرف چند ہفتے جاری رہا۔ جرمن قبضے ایک تندرطفان کی طرح بیس پر پلوٹ پڑیں لیکن عین قریب آکر انھیں جلد ہی ٹوٹ جانا پڑا۔ دوسرا دور مقامی جنگ کا دور تھا جس میں ہر مقام کے لئے بلکہ ذرا ذرا زمین کے لئے اتنا سامان حرب اور اتنے جنگ جوہر برپا کیا ہوتے تھے اور توین چند کھیتوں کے حصول کے لئے اتنا اتنا ملتا تھا اور اس قدر قیمتی خون بہا دیتی تھیں کہ اس سے قبل کی بڑی بڑی جنگوں میں اتنے صرف سے ملکوں کی قسمت طے ہو جایا کرتی تھی۔ کہنے کو یہ جنگ مختلف مقامات پر حصول کی خاطر ہوتی تھی لیکن اصل یہ ہے کہ فیض موجودہ جرمنی کی بے کاری کا ایک مظاہرہ تھا۔ روز و شب طرفین ایک دوسرے پر گولے برساتے تھے۔ گیسیں اُٹھانے لگی تھیں۔ ہم صدیوں تھے لیکن بسودہ دوسروں کو مارتے تھے۔ آپ مرتے تھے لیکن یہ سب قتل و خون لا حاصل ہوتا تھا۔ یہودیوں بلکہ یہودیوں کی خدقین ہوئی تھیں اور اسی ملک کے جنگ جو

جاوڑوں کی طرح ان خندقوں میں اسیر تھے جنگ کا تیسرا اور آخری حربی دور ماہرین میکائیت کومیساک کی ایجادوں مثلاً بڑے بڑے شہروں پر ہوائی مائن کے عمل کا زمانہ تھا۔ یہ طرز جنگ ابھی تھوڑا ہی عرصہ جاری رہی تھی کہ جنگ کا فیصلہ ان اتحادی جنگ جوں کے حق میں ہو گیا جو میدان جنگ میں لڑکر کامیاب نہ ہو سکے تھے لیکن جن کی متفقہ صنعت نے اب زمینی دہوائی جنگ میں بوجہ اپنی مسلسل میکائی فوٹیت کے کامیابی حاصل کر لی۔

پہلے پہل جرمن پیرس پر چھینے اور اتحادی بھاگے جرمن اس قدر تیزی سے بڑھے کہ محض گویا اپنی توکے زدیں آگے کو جا پڑے۔ اٹھے لوٹے اور ڈراہٹ رکھ کر تھکے اور پھر خنقیں کھو کر بیٹھ گئے۔ اُدھر روسی شرفی پرشیا میں گھس آئے لیکن وہاں ہنڈن برگ کی حیرت انگیز جنگی حکمت عملی نے ان کی آن میں اُن کا قلع مع کر دیا پھر بالخصوص مغربی خاکد پراک بڑی غیر محسب مہینوں بلکہ سالوں کی اندھی سی جنگ شروع ہوئی گولباری ہو رہی ہو چھٹ ہوئیں اُدھر یہ دھواں اپنی اپنی خندقوں میں بیٹھے ہیں۔ یا بارش اور طوفان ہے اور برف باری ہو رہی ہے۔ یا سورج خاموشی سے چمکتا ہے یعنی صبح ہوتی شام ہوتی ہے اور یہ جنگ براہیوں ہی جاری رہتی ہے۔ نہ نیم کی شکل دکھائی دیتی ہے نہ فوجوں کا کھلم کھلا سامنا ہے سپاہی تو سپاہی تاملوں اور سرداروں تک کو ظاہر نہیں کرنا جنگ پر سب جگہ لگیا کچھ ہو رہا ہے ایک عظیم الشان شیطان کی آنت کی طرح لمبی چوڑی شے ہے جس کے ساتھ اوپر نیچے اُدھر اُدھر سب چپے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو چھپ چھپ کر دیکھتے ہیں۔ مارنے پٹیتے ہیں اور پھر اپنے اپنے بونے میں جا گھستے ہیں جیسا جزل فیلے کہا یہ سارا عمل اس قدر جلالہ تھا کہ اسے محض دیوانہ نہ کہا جاسکتا ہے جنگ اب وہ پہلے کی سی ایک شاندار کھیل نہ رہی تھی کچھ نہ بھینسا کر کیا یہ جنگ نہیں ہے لیکن خواہ کچھ کہتے اور کچھ کرتے تھے یہ جنگ تھی لیکن ایک نئی طرح کی غیر محسب ظالمانہ لغو عملی حیوانی جنگ خون چوسنے والی دل و دماغ کو ہلانے اور اعصاب کو بیکار کر دینے والی جنگ جس میں ہونہی لٹا اور یوں ہی سسک سسک کر جان دینا تھا تمدن کا تالان ہونہی ادا ہونا تھا!

بحری جنگ میں بھی پہلے ذہنی پرانے طرز کی کھلی لڑائی ہوئی لیکن جلد ہی سمندر پر بھی ایسی ہی خاموشی چھا گئی جیسی زمین پر طاری تھی جرمنی کی آب و در کشیدوں نے نیچے ہی نیچے گولے چلانے شروع کئے پھر بارہوگی کانیں سمندروں میں انگولی گئیں کہ جہاں کوئی نا آشنا جہاز آیا اور اس کا خاتمہ ہوا۔ انگریزی عظیم الجثہ بحری ٹیسے نے جرمن ٹیسے کو اس کے بندرگاہوں میں بند کر دیا لیکن اُدھر اسے خود بھی اپنے ملک کی دوردراز خطیوں میں مجوس ہونا پڑا بحری جنگ بھی خاموشیوں اور نامعلوم خطروں اور خوفناک بھول بھلیوں کی جنگ بن کر رہ گئی۔

تین سال تک کبھی انھوں نے کبھی انھوں نے جارحانہ کارروائی کی تھی راولہ گولباریاں کیں ہم بھینکے تباہ کیا لیکن خود بھی تباہ ہوئے اور نہ کی کھائی اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا یہ ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء تک مسان دالوں کی پکار تھی کہ گولے بناؤ اور گولے جرمنوں نے بھی نہیں۔ ایسے میں اتحادیوں کو اپنی نئی گیس کا مزہ چکھایا اتحادی حماد قمر تزلزلا ہوا لیکن خود جرمنوں کو خیال نہ تھا کہ یہ دنیا ہتھیار اتنا کامیاب ہوگا بسواس کامیابی سے زیادہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔ اتحادی پہلے چھینے چلائے کہ یہ ظلم ہے جیسا ظلم لیکن جب انھوں نے بھی اظلم کی کل کا بھید پالیا تو وہ بھی اسے دیکھ ہی

برتنے لگے۔ جرمنوں نے تب دو کشتیوں اور نیپلن جہازوں سے جا بجا نپالی پھیلادی۔ انگریز دراندیشوں کی تسخیر کو چلے۔ لیکن یہاں بھی ظاہر ہو گیا کہ موجودہ جنگ میں ایک ہوشیار غنیم کے لئے مدافعتی جنگ اسی قدر آسان اور کارآمد ہے جس قدر اس کے حریف کے لئے جارحانہ کارروائی جو نیزا دل سے سود ہے۔ جیسا اور یہاں ہو چکا ہے اٹالیہ میں ۱۹۴۱ء میں اتحادیوں کے ساتھ آٹما۔ لیکن زبردست جرمنی کے کان پر جوں بھی نہ بیگی انخادی با جرحے کرنے اور نہ ہوتے رہے اندیاملاب نہایت ہو چکا ہے کہ اگر دو سال بعد امریکی اگرکان و مال سے ان کی مدد نہ کرتے تو انخادی ٹھنک کر جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پچھو ہو جاتے۔ ۱۹۴۱ء میں دردان کے مستحکم ترین مقام پر گولہ باری کی نہاہ کاریاں نظر آئیں جہاں سارے نین لاکھ فریسی کام آئے اور پانچ لاکھ جرمن اور طاہر ہو گیا کہ ایک نوپالی غزنی جنگ کا اہتمام ہو چکا ہے اور دوسرے ایک ہیک چھاپہ مارے کا حریف بھی اب استعمال میں نہیں آسکتا۔ ہوائی جہازوں کی بحری اور آگاہی کا کوئی جواب نہ تھا اسی سال میں چین لینڈنگ کی بحری جنگ ہوائی جرمن فائدے میں رہے لیکن اس بھی پھیلادی عالمگیر جنگ میں مغربی فائدے محض بے فائدہ تھے۔ یہ بھی درست تھا کہ روس کی سانس پھول رہی تھی۔ لیکن ادھر آسٹریا کا حال بھی پتہ نہ ہو رہا تھا۔ اور انخادی دہی بھی گاہے گاہے اپنے دریا پتے چنانچہ دریائے سویم پر انگریزی فوج بھی لیکن پوسے پانچ لاکھ سپاہی کھوکھڑا پس لوٹی۔ انخادی اپنے نو ایجا وٹنیک“ (منخرک آہنی حوض) کے کھیلے جرمن سفینے دہم دہم مڑیں لیکن جیسا اس جنگ کے بعض اور نئے اسلحہ کے استعمال کا نتیجہ ہوا۔ وہ یہاں ٹینکوں کا نتیجہ ہوائی کی کیا ہی اتنی زیادہ اتنی غیر منفع بھی کہ خود موجدت پر اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے بھٹک گیا اور جب دوبارہ ان کا استعمال ہونے لگا تو علاوہ غلام ڈرنے کے کچھ غنیمت کی مدد کی اب یہ جنگ اتنی طویل ہوئی تھی کہ اہل انگلستان بھی اپنے الگ ٹھنک کر جزیرے میں بیٹھے روز و شب اس کا دوبارہ پیش پیش محسوس کرنے لگے۔ طیب روں کی ہوائی نہایت آب و زردوں کی بحری ناراج۔ خوراک کی بھجی ہوئی کمی۔ فوجی بھرتی کا زور۔ ان سب کا الگ الگ اور مجموعی اثر پڑ رہا تھا۔ اب نشر و اشاعت اور چھوٹے سچے اعلانوں کا وقت آیا تو قوم کو وعدے دے دلا کر اور کامرانی کے سہرا باغ دکھا کر اٹھارہ لگیا۔ یہ زمانہ بڑی سختی کا زمانہ تھا۔ ترکی کی وسیع کمزور سلطنت بھی کوئی کامیاب حملہ نہ ہو سکا۔ سوویٹ یونین کا رومانیہ بھی جسے ۱۹۴۱ء میں اتحادیوں نے بھیج گھسیٹ کر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا پسپا ہو چکا تھا اور دنیا پر ان جرمن فتوحات کا فائدہ انہوں نے ہاتھ نہ دیکھا تھا۔ یہ حالت تھی کہ امریکی میدان جنگ میں داخل ہوا دراصل امریکی ہوش نے خود جنگ میں شریک نہ ہوا بلکہ جرمنی کی تنگ کرنے والی آمد دوزی جنگ نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اتحادیوں کا ساتھ دے۔ فروری ۱۹۴۵ء میں جرمنی نے اعلان کر دیا کہ اس کا ارادہ ہر ممکن ذریعے سے بحری آمد و رفت کا سد باب کرنا ہے بحری بندوں میں رکاوٹیں پیدا کر دی گئیں خشکی پر ایک زبردست دافعت کا سامان کیا گیا اور عظیم الشان ہتھیاروں کی محاذ فافہ ہوا جو دیوار چین کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سد راہ کی جاسکتی ہے۔ ادھر روس جہاں نازیہ کے مشیر اعظم رودمانی، بوکارینوین کے نفق کے ساتھ گویا زارین کا خاتمہ ہو گیا اور جہاں جرمنی کی حال بازی سے لینن چپکے سے اپنی اشتراکیت لے کر گھس آیا تھا جنگ سے دست کش ہو گیا۔ اس سے جنگ تقریباً ایک سال اور طویل بھیج گئی جرمنوں نے ہرٹ لٹو سک کے معاہدے سے روس کو بڑی گیس کیا لیکن اتنی سخت شرائط پیش کرنے اور اپنا ہوا معاہدہ میں

اپنی کوناہ اندیشی کا ثبوت دیا ادھر لڑکی صد جھوہ دینے لگی۔ فروری ۱۸۹۱ء میں اپنی چودہ شراط کے اعلان سے دنیب کو اپنی جدت پسندی اور حریت نوازی کا روشن ثبوت دے کر اتحادی فتنہ و شاعت پر کامیابی کی تہنیت کر دی غلام نونوں کو آزادی کا وعدہ ملا۔ نونوں کو مسادات و اخوت کا سبق دیا گیا اور ساری نوع انسان کو ایک نورانی مستقبل کی جھلکی دکھائی گئی۔ لوم چرنوں نے آخری جارحانہ بیعتی پر کر باندھی اتحادی پسپا ہوئے ان کا محض کچھ نذر نزل ہو لیکن جرمن اپنی فیض پیش قدمی سے کما حقہ فائدہ اٹھا سکے اتحادی ڈر گئے اور سب کی سب نجاتی فوجیں فرانسس جہل فوش کے تخت میں گر دی گئیں تاکہ ایک جتنی فاعلم رجبہا درجی خانوں میں اشتعالیت کی اور سر بیداری پریکس کی تجویز ہوئی بلکہ حالت انہی نازک بھی گئی کہ خوراک کی کفایت کے لئے کتوں کو ہلاک کر دیے تک کی تیار و پیش کی گئیں عورتوں نے فصدائے احتجاج بند کی اور اپنے جیتے کتوں کو بچا لیا۔ ایک سو انی بیڈر نے کہا۔ ہم حکومت کو بنا دینا چاہتے ہیں کہ کتنے دہ میں لیکن اوجھڑی کی طاقت اٹھ کر روز بروز کم ہو رہی تھی اور اتحادیوں کی متفقہ دولت و قوت اور متحدہ حکم آخر اپنا اثر بپا کرنے لگی تھی جب آخری جرمن حملہ ناکامی ختم ہوا تو اتحادیوں نے یکبارگی آگے کو قدم بڑھایا جرمن فوجیں برابر پسپا ہونی لگیں اب وہ اتحادیوں کے مقابلے میں تعداد میں کم تھیں ان کے پاس ٹینک کم تھے ہوائی جہاز کم تھے خوراک کم تھی غرض ہر شے کی کمی تھی۔ ستمبر کے آخر میں بلغاریہ نے منہ بھر ڈال دئے ایک ماہ کے بعد ترکی نے اس کے بعد سربیا کا خانہ بھونچ کر ساحل غنیم کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ جرمن شہروں پر کم پھینکے گئے اور جرمنی نے ہنگامی صلح کی درخواست کر دی فرانسس اس وقت اس ڈر سے کہ جنگ کے طول کھینچنے سے امریکہ کا عرب روبرو پڑے گا۔ فوراً صلح منظور کر لی اس وقت جرمنی کی حالت زار دفر ہو رہی تھی جرمن سپر مارا ایروڈن ڈورف سیدن کی طرف بھاگ نکلا۔ بحری قافلہ ٹریٹری اپنی ڈاڑھی منڈا کر دوپٹن ہو گیا۔ بحری نا جرنیکر کے دست ملنے سے اپنے دفتر میں بند ہو کر اپنے آپ کو گولی سے ہلاک کر دیا وغیرہ۔ جسے دست بردار ہو کر ہالینڈ میں جا چھپا صرف ہٹلر برگ جرمن فوجوں کو خوش اسوئی سے غیر مسلح اور منتشر کر کے بڑے اطمینان و خاموشی سے سینڈو وین ملینے چھوٹے سے گھر میں جا کر بیٹھ گیا جمہوریت پسند جرمنی ہی اس کے اس صبر و استقلال کو دیکھو لا۔ ادھر اتحادی سرست و امن ساط کے خعرے بند کرتے گھروں کو لوٹے لندن ذرا خاموش ضرور تھا لیکن حضرت لائڈ جارج اپنا فاعلم پورے یورپ کو وسیع لغتہ مدد سے رکھے غلبیں بجا رہے تھے کہ اب میں نے تجربہ کی جیسے چاہوں گا طرح ڈالوں گا۔ پیرس خوشی کی رنگ رسیوں میں غرق تھا۔ اور ہالینڈ اتحادی مدیر ہی برطانوی مل علم لائڈ جارج اور فرانسس کی کیا سوچ و نسل کی دشمنی کے نشے میں چلا اور امریکی خیر پرست خدا و مل کا خادم و مدد دین اپنی جہن صلح نام کے لئے بیٹھے سیاسی جوڑو کو کہتے تھے۔ بچا رہے لیگ پرست دین کی نیک فراموشی کی سنی رڈ ہی تھی کیسا سوسے ملنگز کیا یہ نویص صبح کی طرح گفتگو کرنے میں غرض لائڈ جارج اور کلیا سولنے اس غریب کو کٹھ پتلی کی طرح بچا یا اور جھجکا کیا جرمنوں نے طوعاً و کرہاً و سالی کے معاہدہ پر دستخط ثبت کر دیے لیکن اتحاد و انصاف کا عظیم الشان مسودہ "امنی امن کا جھنڈا" نہ ہو سکتا تھا نہ ہوا انساناں جمل خونخواری کا لینا نہ اس نعوہ معنی یادداشت کے ساتھ ختم ہو تا تھا جس نے بالآخر جرمنیت پسندی و جدت طرازی کو

رہی کسی آبرو بھی قطعی کھودی۔ ولس اپنا بستہ لے کر امریکہ کو سدھارا اور اس کے موطنوں نے معاہدے کی طرف سے منہ پھیر لیا لائد جارج لنڈل میں کچھ مصرق تہذیبیوں کیسے مانا رہا۔ جرمنی کے پائل میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ روس دم توڑ رہا تھا۔ اور حضرت لینن اس کے سر پر بیٹھے اپنی نئی تھادیک کا منتر پڑھ رہے تھے باقی ماندہ دنیا قحط نہاد شدہ یورپ کو کھینچیں سے تنگ رہی تھی کہ کبھی اس نیم مردہ زخمی زمین کے بدن میں پھر ایک رعنت سا اٹھتا ہے یا کب وہ یوں ہی سسکے سسک کر جاں دے دیتا ہے ؟

پس منظر سی تھیں

مزدوروں کی تحریک اب کوئی سنو رقت نہ تھی انجمن مزدوران ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک برسرِ افندہ مرنے والی تھی لیکن ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک اس کی ماہیت اور خیالات اور لائحہ عمل بروئے کار آچکے تھے و جب الطبعی غفلت پرستی اور اخلاق پسندی کی نام پر ابھی اور اسی لئے وہ محض ماضی کی ایک یاد گار بننے والی تھی نہ کہ مستقبل کی علمبردار۔

سنو انی تحریک بھی کامیاب ہو کر گیا ختم ہو چکی تھی۔ تاہم دراصل اس تحریک کا ماندہ باخبر اس وقت تک نہ ہو سکتا تھا جب تک یہ مواصلات میں ہو کر ملے نہ ہو جائے کہ کیا مرد اور عورتیں برابر ہیں اور اگر برابر نہیں تو کیا ایک جنس ہمیشہ دوسری پر چڑھ کر رہے گی اور کیا جنسیت ہی اللہ ام ہے مٹی سے بنی گئی ہے ؟ یہ مسائل محض سنو انی خن رے دیئے سے متعلق نہ تھے۔ رائے دی کی تحریک نوجنگ کے سنو ردل میں تغیر کا مسم ہو گئی تھی لیکن یہ مسائل اس سے بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ اہم تھے اور ان کی مختلف شتوں کا زندہ گی کے مختلف شعبوں میں بہت اثر پڑا۔

طب اور حفظانِ صحت کے علم کے بھی زمانہ جنگ میں گویا بند رہے جن کے لئے سوشلسٹ نظری علاج سے جس کے ذریعے دھوب و دیر نہاری میں تقریباً برہنہ کر مریض پہلوان بن سکتے تھے اس خیال کو اور تقویت پہنچی کہ انسانی صحت عام جسمانی طاقت پر منحصر ہے اور امراض کا علاج باہم اسی عام اصلاح کے ذریعے سے کرنا چاہئے جنگی مجروحین میں ان لوگوں کا علاج جو گولہ باری کے دھماکے سے مجروح ہو کر اسے تھکے تھکے فسیلانی تجزیہ کے ذریعے سے کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ نفس جم جم پھر پھر میں اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے جاسکتے۔

دہانتوں کے ضمن میں دسمبر ۱۹۱۸ء میں لینن نے قحط جنونی کو دریافت کیا۔

نئے خیالات کے سلسلہ میں فروغ کا نظریہ کہ جنسیت زندگی کی قوتوں میں سب سے زیادہ طاقت اور فوسٹ مقبول خاص دعام ہونے لگا۔ لیکن جنگ کے ان نفسیاتی تجربات جن کا اد پر ذکر ہوا ہے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ذہنی تخریب میں خوف کا بھی انسانی اثر ہو سکتا ہے جتنا جو جنسیت کا فروغ نے جنگ سے پہلے جنسیت کو ماہر نفسیات کے لئے ایک نہایت عام اور مقبول مسئلہ بنا دیا تھا جنگ کے اگر جنسیت کے متعلق ظاہر ہوئے کے توڑ دینے میں اور بھی مدد دی۔ فوجوں میں انراض پوشیدہ کے اسرار کے لئے ضرورت پڑی کہ جنگ جوں کو ان کے من عین سے بخوبی لگا لیا جائے اور ایک باہر جنسیت کا ذکر منع نہ رہا تو ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا اور پاک بانڈوں کی مہمی اڑنے لگی۔

۱۹۱۲ء میں کئی فوج کے بانی ولیم بوٹھ نے انتقال کیا۔ اس کی تحریک روحانی نجات کی بجائے اب زیادہ معاشرتی اصلاح سے متعلق

ہوتی گئی۔

”روحانیت“ کی نئی تحریک جنگ کی وجہ سے کچھ عرصے پہلے پھولی۔ بہت لوگ بہت نوجوان مرٹ گئے، ان کے عزیزوں کو ان سے بات چیت کر سکا بہت مرغوب تھا جنگ کے بعد بھی ”بقا بعد الموت“ کے خیال کا کچھ اثر باقی رہ گیا، حاکمیتِ خدا سے میں رہی لیکن روحانیت اور سچی حکمت دونوں کے متعلق اس خیال کا کچھ اثر باقی رہ گیا کہ بعض نئی انوکھی سی باتوں کا کچھ پتہ چلتا معلوم ہوتا ہے

عملی طبیعیات نے طیاروں اور آپ دروزوں کی رفتار و موڑ وندی اور گیسوں کی جنگ میں اپنے کارنامے پیش کئے۔

ادبیات میں نوجوانوں نے تحریر و طرزِ تحریر میں نئے نئے تجربے کرنے چاہے، لیکن نوجوانوں نے جنگ کے متعلق شاعری کی بعض نئے محض لوگوں کو براؤزختہ کرنے میں لطف اٹھایا، لیکن دلاور شاہ و سینیٹ کے سوانحی مصنفین کا ادب سب جنگی نشر و اشاعت تھا یا محض اشتہار بازی۔

منظری تقنین میں بعض نئی باتوں پر روشنی ڈالی گئی، ایٹم دھڑ دلائی گئے، اکاٹھوس ہن، اڑان چھو ہو گیا۔ اس کی لطافت اور فنی ہمت کی گئی۔ ۱۹۱۲ء میں جیا نین دھامان، اکاٹھوس، ثابہت ہوا جس سے اشیاء خود کوئی کے خواص کے متعلق اس نئی بات کا انکشاف ہوا کہ غذا میں علاوہ ان کے ترکیبی اجزاء کے ایک اور بالکل مسلوڑی شے دھامان ہوتی ہے جو اس میں طافت دہی اور محبت بخشی کی ایک خاص قوت پیدا کر دیتی ہے۔ علاوہ پر بھی نئی روشنی پڑی ایسی دریافتوں سے انسانی جسم کی ساخت کے زیادہ وسیع و عظیم ہوئے، کالم ہوا اور حکمت کو ترقی ہو گئی اس زمانے کی بعض اور خجرات کا غور و فکر مفید ہو گا جو بعد میں زیادہ اہم نہیں لیکن جن کی تحقیقت اس دور کے خصوصیات کی نظر میں طرزِ تعمیر کی طرف توجہ کم تھی اس لیے بھی کہ نئے مکان، نئے محرک یعنی موٹر کار کے نئے نئے مکمل رہے تھے، ہاں امریکہ کے ادنیٰ نچے ملک بوس کان اور ادنیٰ ہوتے گئے اور وہیں سنیما کی اس طافت کی بنیادیں بھی استوار ہوئیں جو مستقبلِ خراب میں ہر کہ دم پر اپنا تسلط جانے والی تھی لباس میں تنگی زمانہ نے کوئی خاص تبدیلی میدان کی۔ سوائے اس کے کہ غریبی عورتوں کا لباس زیادہ آزادانہ ہونا گیا اور ان کے غلامے اتنے بلند ہوئے کہ ان پر جاگھبیل کا شہ ہوئے گا۔

دھماکا

اس زمانے کی سب سے گہری غیر شعوری تحریک وہ موج تھی جو فقط ایک جانب میں رواں نہ تھی بلکہ جو مختلف بلکہ متضاد جانبوں میں متحرک تھی۔ جنگ عظیم کے پرہا ہونے میں ایک عنصر یہ احساس تھا کہ لوگ بہت نرم اور پیسے ہو رہے ہیں اور جنتِ پندری محض کام سے جی چاہ رہی ہے اور ایک سستی و سہل انگاری کو چھپانے کے لئے بڑے نفیس اور شیریں الفاظ کے پردے ڈالے جا رہے ہیں اور نوع انسان محض مختبوروں اور کچھنوں سے دور بھاگنا چاہتی ہے

سو جنگ عظیم جب انسانی اور بین الاقوامی کے خلاف ایک رد عمل تھا لیکن جب جنگ آئی تو اس نے امن پسندوں سے لے کر جنگ پرستوں تک سب کو بےزار کر دیا اس پر پھر ایک رد عمل موانعتوں نے جو سمجھا تھا کہ اس طرح قوت کا باآسانی حصول ہو جائے گا یہ خیال محض غلط نکلا تاہم ہسپتال اور جنگی قواعد اور قیدیوں کی نگہداشت اور عیذ جانب داروں کی سود مند خدمت بھل لاپرواہی اور لغو ثابت ہوئی لوگوں نے جان لیا کہ ہم میں اپنے نئے ظالمانہ دشمنانہ ارادوں کو عمل میں لانے کی دراصل حراست نہیں اور ایسی جنگ کو فقط وحشیانہ شخص جاری رکھ سکتے ہیں جنہیں یا تو معلوم نہ ہو کہ جنگ کی اہمیت کیا ہے یا پھر ایسے شخص جو اس قدر سخت دل ہوں کہ وہ تمدن کو تباہ و برباد کرنے میں لمحہ بھر کے لیے بھی تامل نہ کریں۔

اس نے جب جنگ ختم ہوئی تو خاص عام کرداروں میں خراب انسانی کی پھر ایک اہم اڑھی لیکن ذلت پختی کہ اب بھی اس حُرَب انسانی کی نظر صرف وہی حدت پسندی تھی جو اپنے آپ کو اس سے قبل عوامی عمل اور فطرتاً کارہ ثابت کر چکی تھی جیسا کہ ہم کبھی گئے کہ آئندہ وہ سالوں کی داستان اس کشمکش پر مشتمل ہے جس میں ادھر خراب انسانی ہمہ تن اس امر میں منہمک ہوئی کہ کس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرے اور اپنے عمل کے لئے ایک نیا میدان تلاش کرے اور ادھر رد عمل نے اپنی سرزور کو کشمکش کی کہ وہ اس اظہار رد عمل سے پہلے اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دے۔

بہترین روزِ زمانہ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۳۳ء

نقشہ واقعات

- ۱۹۰۰ چین میں مکہ بازوں کی بغاوت چین نے دو یورپ کے اگے تسلیم خم کیا
- ۱۹۰۱ جنوبی افریقہ کی جنگ ۱۹۰۱ تا ۱۹۰۲
- ۱۹۰۲ اتحادِ جاپان و انگلستان
- ۱۹۰۳ انگلستان اور فرانس کے مابین ثالثی معاہدہ
- ۱۹۰۴ جنگ روس و جاپان ۱۹۰۴ تا ۱۹۰۵
- ۱۹۰۵ بنگال کی تقسیم
- ۱۹۰۶ الجزائرہ کی کانفرنس بحرینی کی پیش قدمی کا سبب باب۔

- ۱۹۰۷ روس اور انگلستان کا اپنے اپنے تعلقہ ہائے اثر پر اتفاق رائے۔
- ۱۹۰۸ نوجوان نرکوں نے اپنا دستور اسامی پھر حاصل کیا۔ ایکوٹھ انگلستان کا وزیر اعظم بنا۔ انگلستان نے اپنے بحری بیڑے میں اضافہ کر کیا۔
- ۱۹۰۹ لڈجارج نے اپنا معاشری تمیز انیمیشن کیا
- ۱۹۱۰ ایکوٹھ نے ارش ارکان پارلیمنٹ کے ذریعے سے حکومت شروع کی۔ پرتگال میں جمہوریہ کا قیام
- ۱۹۱۱ اطالیہ نے طرابلس پر قبضہ کیا۔ پارلیمنٹ کا قانون نافذ ہوا۔
- ۱۹۱۲ جنگ بنگال
- ۱۹۱۳ کارسن نے الرط میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔
- ۱۹۱۴ جنگ عظیم شروع ہوئی
- ۱۹۱۵ اطالیہ اتحادیوں کا حلیف بنا
- ۱۹۱۶ جنگ وروان بحری جنگ جیلینڈ
- ۱۹۱۷ مالک مندرہ امریکہ جنگ میں شریک ہوا۔ روس نے جرمنی سے صلح کر لی۔
- ۱۹۱۸ جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے، ولسن نے اپنی چودہ شرطیں کیں۔ معاہدہ ورسائی۔
- ۱۹۱۹ کمال پاشا نے ترکی قوت کو منظم کیا۔
- ۱۹۲۰ جنگ روس و پولستان
- ۱۹۲۱ مسلمینی نے فاشیت کی بنا ڈالی۔ گاندھی کی طاقت رونما ہوئی۔
- ۱۹۲۲ یونانیوں کو ایشیا کے کوچک سے نکالا گیا۔ مصلحہ داننگٹن شہر و ماہیں مسلمینی کا داخلہ
- ۱۹۲۳ ہسپانیہ میں اضیاء مطلق۔ جاپان میں ہولناک زلزلہ
- ۱۹۲۴ انگلستان میں مزدوروں کی حکومت کا قیام
- ۱۹۲۵ کوکالو کا عہد نامہ۔ ہندو بگ جرمن جمہوریہ کا صدر بنا۔
- ۱۹۲۶ انگلستان میں عام ہڑتال۔ کمال پاشا نے اپنی اصلاحات نافذ کیں۔
- ۱۹۲۷ روس نے اپنی "جسمالہ" تجویز پر عمل شروع کیا۔ امان اللہ خاں نے افغانستان میں اپنی اصلاحات جاری کرنی چاہیں۔
- ۱۹۲۸ کیلکی معاہدہ
- ۱۹۲۹ معاشی کس دبا زاری کا آغاز

۱۹۳۰ امریکہ میں ہنگوں کا ریلوے

۱۹۳۱ سٹیلین نے دوسری جدید معاشی حکمت عملی کا اعلان کیا۔ اسپانیا میں جمہوریہ بن گیا۔ دیرٹ منسٹر کا قانون منظور ہوا۔ انگلستان کی مالیات میں تنازل۔

۱۹۳۲ جاپان نے پھر ریپرنٹنڈ کر لیا۔ چین میں اسلحہ کی کافرٹس۔ جرمنی میں نازی کامیابیاں

۱۹۳۲ امریکی صدارت جمہوریہ روز ولٹ نے اپنی معاشی منصوبہ بندی کا تجربہ شروع کیا۔

بشیر احمد

مجھے جی لینے دو

مجھے جی لینے دو جتنا بھی جیسا ہے مجھے، خون کی گرمی کے ساتھ، اور پھر مجھے مرجانے دو کسی مج خواب کی طرح ستراب کے سے

لے نہیں سکتا!

مجھے نہ دیکھنے دو گا رہے کا بننا ہوا یہ روحانی مکان میں مٹی ہوتا۔ ایک خالی سی زیارت گاہ! مجھے بہ سرعت جانے دو۔ ایک تبی کی روشنی کی مانند۔ جو عین اپنے کمال نور کی گھڑی میں یک سخت گل

ہو جائے!

نصف النہار دے دو مجھے۔ اور پھر بلا سے رات پڑ جائے دو!

بس میں چاہتا ہوں یوں جاؤں میں!

اور پھر پرانی عنایت ہو کہ حب میں اس بھیا نک شے کا سامنہ کروں تو میرا گیت اپنی شورش میں گم کر دے دھندلے

اندھیرے کو!

مجھے بن جانے دو ایک راگینوں سے کا پتہ ہوتا نہ

جو بہترین و شیریں ترین راگ سے معمور ہو۔ اور پھر ٹوٹ کر رہ جائے!

کچھیں

اے خوبصورتی!

اے خوبصورتی! کیا بات ہے تری!

یہ نمکلیں پہاڑ یہ موہن اُجاڑ

پھولوں کی ریل پیل چڑیوں کی کوکھیل

یہ دُھوپ یہ ہوا، یہ حسد کی فضا

سب شان ہے تری اے خوبصورتی!

ننھی چھوار نے میٹھی سی ما نے

دل کو جگا دیا کیسا مزا دیا

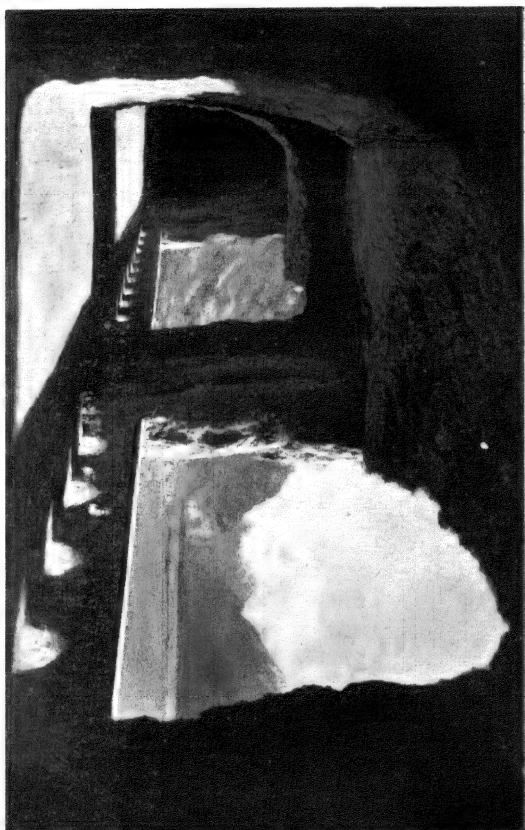
اس چھیر چھاڑیں بوندوں کی آڑیں



شالے کے دو منظر



سۇمىدىن كىلىك بىر ئۆيىنىڭ قىياپىتى



تُو تھی چُپسی ہوئی اے خوبصورتی!

مُنیاسے دُور ہوں محو سرور ہوں
اے لطفِ جانِ دل رُوحِ وِراںِ دل
آ اور مجھ سے مل آ اور مجھ سے مل
آ اور بن مری اے خوبصورتی!

جلوہ مجھے دکھا دل میں مرے سما
ہر چیز میں جھلک گہرائیوں تک
دُنیا بنا اک اور جس کا نیا ہو طوڑ
اے میری نت نئی اے خوبصورتی!

بشیر احمد

چھوہڑوی کی کیا دن لاکھ علامتیں

(۱) شوہر سے پیار کرتی ہے۔

(۲) شوہر کے علاوہ اور کسی مرد کا بھول کر بھی خیال نہیں کرتی۔

(۳) اگر کال بھوڑ نہ ہو تو غلطی نمبر کا احساس بہت دیر سے آسے جوتا ہے۔ اور پھر فخر یہ اس عیب کو یوں چھپاتی ہے کہ قسم لے دو ساری عمر کچھ اٹھا کر کسی کو دکھایا ہو، کال بھوڑ کو یہ کہنے کا کبھی موقع ہی نہیں ہوتا۔

(۴) علامت نمبر اور علامت نمبر اس خوردبین کے دو لینز ہیں جن سے شوہر کے عیوب دس کر ڈر گنا بڑے نظر آتے ہیں بھوڑ اگر شرافت کے دو چار کو بھی دیکھ لیتی تو اس خوردبین کے دونوں لینز نہیں تو ایک لینز ضرور دیکھا ہو جاتا۔ مگر وہ بھوڑ ہی کیا جس کی خوردبین کی طاقت دست روزانہ ترقی نہ کرے۔

(۵) بھوڑ کی خوردبین میں نوٹو لینے کی طاقت (ENLARGED SIZE) قدرتی طور پر موجود ہوتی ہے۔

(۶) بھوڑ کا حافظہ دماغی سینا کے حافظہ کو مات کرتا ہے۔ ہر بات کا پس پیش ہر لفظ کی شان نزول اسے ازبر ہوتی ہے۔

(۷) بھوڑ کے ذہنی نوٹو اور طاقت گویائی کے متعلق سوائیتیں لاکھ علامتیں اور ہیں جن کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ بات بات پر کچیلے سے پہلے سال کے نوٹو لکھتے ہیں تقریروں کی خاصیتوں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ ماضی گویا بھوڑ کا لازوال خزانہ ہے۔

(۳۷۲۵۰۰۸) بھوڑ ہمیشہ صحیح بات کہتی ہے اور ہمیشہ بے موقع نوکروں کی ہتھیری۔ بے پردائی۔ بددیانتی کا قصدمین اس وقت شروع کرے گی جب شوہر کو خاص طور پر آرام کی ضرورت ہو۔ نوکروں کے متعلق بھوڑ کی ایک سو بہتر لاکھ علامتیں اور ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (افسوس ہے کہ حساب غلط ہو گیا بھوڑ کی اکا دن لاکھ کرو علامتیں میں)

(۳۷۲۵۰۰۸) شوہر کی ہوجوگی میں بھلی صورت والی نوکرانی پر ضرور سختی کرے گی تاکہ شوہر کا دل اس کی طرف مائل نہ ہو (۱۷۲۰۰۰۰) جس شوہر کو کبھی اس بات کا خیال بھی نہ ہو۔ وہ بھی ہمدردی کرنے لگتا ہے۔

(۲۰۹۲۵۰۱۰) شوہر کا بانی کی پیاس ہو تو بہ کلفت شربت پینے مجبور کرتی ہے شربت جلدی سے طیار کرانے میں نوکرانیوں کا زبان کھینچی سے وہ قہر کرتی ہے کہ شربت زہر ہو جاتا ہے۔ اگر بھول کر خود شربت پیش کر دے تو لطف سو پاس نہیں ٹھٹھی۔ باقی شربت باٹھنے کے اودم میں گھر بھر سرد ٹھالیتی ہے۔ اور عین اسی وقت "ارے گلاس تو اٹھاؤ" "خوابچہ تو لائے ہوئے" "صرحی

تو دھاک مارتی ہوئی کہ وہ غم سے لگاتی ہے کہ عرض معنی کے فرشتے تک کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں گھر کے انتظام میں چھپ چکا کے متعلق ایک سوا ایک ارب ملائیں اور میں جن میں سے چند کا ذکر ضروری ہے۔ (حساب پر اعلیٰ) پھر غلط ہو گیا پھر ٹھیک کا دن لاکھ ارب تک ملائیں میں۔ اب بھی غلط ہو جائے تو اللہ کرے کہ سماؤں کے مدیر صاحب کی کسی بنے سے دوستی ہو جائے (کئی ارب تک) پھر ٹھیک کا شوہر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو پھر ہر ہمیشہ کسی ضروری کام میں مصروف ہوتی ہے مگر جہاں ہو میں سو کا باز پلندہ بانگ لگاتی ہے۔ "ارے کنبھو! صاحب آگئے اور چائے نہ شربت" بدحواسی میں تن بدن کا ہوش نہیں ہوتا اور تھکے ماندے شوہر کی دل چوٹی کے بجائے ایک قیامت صغریٰ کا منہ روزانہ ان کی نذر ہوتا ہے۔ اس طویل داستان کے کئی لاکھ ارب تک باب میں شوہر گھر سے نکلے تو زماشیں باود ہائیاں فراوانیوں کے گلے شکوے گھر میں آئے تو وہ ہنسا کر لالامان اس قہقہے کے لئے عس فوج چاہیے۔

(اب یہ حساب نہ مجھ سے سنھلے نہ کسی بنے کے باپ سے پھر نئے سرے سے شروع کرتا ہوں)

(۱) پھر شوہر کے خوش کرنے کے لئے سستا اور پُرانا کپڑا استعمال کرتی ہے۔ اچھے انفیس کپڑے کو سنبھال کر کھتی ہے گولما ماند پڑ جائے۔ ریشم کو کپڑے چاٹ جائیں مگر پھر ٹھیک کے سلیقہ میں فرق نہیں آتا۔

(۲) پھر ہڑمرو فیشن سے سوا لاکھ لے بیچے ہوتی ہے۔

(۳) پھر ہڑمرو کپڑے کے متعلق شوہر سے بیوقوفانہ مشورے کر کے عین اس کی رائے کے بغیر کپڑا بنواتی ہے اور ہنسی ہے۔ بے موقع نمائش کی موجودہ سہیلیوں کے کٹنوں کی مداح (لا حول ولا قوۃ) پھر ٹھیک صرف سہیلیوں سہیلیوں کے متعلق کئی کر دے لاکھ ملائیں میں اس کے متعلق کوئی نئی گنتی ایسا دہنی چاہیے)

نئی گنتی ۱ سے ۱۰ تک پھر سہیلیوں کی شکل و صورت کی کبھی تعریف نہیں کرتی مگر ان کے کپڑے کی۔ زیور کی۔ ردیہ جوڑنے (اور A سے Z تک) کی تعریف میں پُل باندھ دیتی ہے سہیلی اور سہیلی کے شوہر کی لڑائی میں ہمیشہ پہلی کے شوہر کو جھوٹا قرار دیتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتی ہے "پھر بھی بچا رہا ہوں سے اچھا ہے۔ اور لوگوں کی طرح بات کا بتانے کو نہیں بناتا"

پھر ٹھیک سہیلی گھر میں وارد ہوتی گھر میں شوہر کا حقہ پانی بند "آخرت جانتے ہو کہ گھر میں مہان ہیں۔ فلاں بوٹی تو کیا تیا مت آگئی کہ گھر بھر سر پڑھا لیا۔ مجھے تو دیکھو کہ دن رات کام میں مرتی ہوں کبھی شکایت کی کہ کنبھت دھو بی کو آٹھ دن سے کہہ رکھا تھا کہ چاندنی دے جانا۔ آج تک نہ لایا۔ ایسی شرم آ رہی ہے کہ کیا کہوں تمھاری بلا سے، تم کو میرے دل کا کیا حال معلوم ہو؟ علیٰ ہذا لکھا طلسم ہوش رہا کی سات جلدیں ختم ہر جائیں یہ تقریر نہ ختم ہو۔

دہرسم کی گنتی ختم ہو گئی۔ مگر ملائیں ابھی بہت ہیں۔ سنتے ہیں کہ باباں کی ہر چیز سستی ہے گنتی بھی وہیں سے نہیں دے گی بلکہ

تو دام او کر دیں گے فی الحال استعمال کر لیتے ہیں،

(۸) پھوٹڑیوی بچے دیتی ہے۔

(۹) پھوٹڑیوی بہت بچے دیتی ہے۔

(۱۰) بچوں کے ساتھ شکایتیں بھی پیدا کرتی ہے۔

بچوں کی شکایتیں۔ اپنی شکایتیں۔ دنیا جہان کی شکایتیں ہر موقع محل کے لیے اور بے موقع بے محل ہزار شکایتیں اور شہر سے فوری فیصلہ کی طلب گار ہوتی ہے۔

(۱۱) پھوٹڑیوی صبر کرتی ہے اور بے انتہا صبر کرتی ہے اور اس صبر کا بے انتہا ذکر کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پھوٹڑیویوں کے صبر کے حساب کتاب کے لیے ایک نئی قیامت کا اجرا کیا جائے گا۔

(۱۲) پھوٹڑیویوں کی ماؤں کی شفقتِ مادرانہ کے عظیم سیم کا مقابلہ سید سکندری سے ہو تو برصغیر کی دیوار تو اس کو روک نہ سکی۔

آخری نوٹ: اصلی پھوٹڑیویاں آج کل کیا اب میں بنادی کی منڈیوں میں نقلی مال کا زور ہے۔ خاندان ہی مرٹ گئے تو اب وہ خاندانی وضع داریاں کہاں؟ مشورہ کے منہ پر مشورہ کے دوستوں کو کو سنا اب محض خواب و خیال ہے مگر ہے وہی لکھنؤ کی راکھ کریدنے سے یہ زرم گشتہ دستیاب ہو جائے مگر امید کم ہے

”فلک پیا“

مرد کبھی ان عورتوں سے شادی نہیں کرتے جنہیں وہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور عورتیں کبھی ان مردوں سے محبت نہیں کرتیں جنہیں وہ خوب سمجھ لیتی ہیں۔

ک۔ ک

رعنائی خیال

کیا آبِ تاب فکر ہے؟ کیا طلعتِ خیال
کیا لُحْنِ دِلنوازِ سماعتِ فرز ہے
شمعیں سی جلِ نبیؐ ہندکوں میں جس طرح
راتوں کی کائنات بھی کیا کائنات ہے
بربطِ نوازِ کون ہے تاروں کے حسن میں؟
کتنی لطیف ہے مہ و پروں کی راگنی
لہرا ہے میں دِل کے افق پر حسیں خیال
لہرا ہے میں دِل کے افق پر حسیں خیال
نکھرے ہوئے ہیں حُسنِ تصور کے خدو خال
کتنی حکایتیں ہیں ابھی تشنہٴ مال
کتنی کہانیاں ہیں اوصوری پڑی ہوئی

رعنائی خیال کی تفسیر کیا لکھوں

رعنائی خیال کی تفسیر ہے محال

افسانہ اور حقیقت نگاری

مغربی ممالک میں جہاں روایات و رمیاض کے خلاف مہلانات بلند کرنے کی ہوا چلی ہوئی ہے، اُسے دن نئی نئی تحریکیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جن میں سب سے جدید اور مشہور تحریک حقیقت نگاری کی ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس بات پرصر ہے کہ ادب و شاعری میں زندگی کے حقیقی واقعات اور فطری امور کی سن و عن ترجمانی ہونی چاہیے۔ یہ لوگ ”حقیقتین“ (ریسٹ) کہلاتے ہیں۔ اگر حقیقت نگاری کا مسئلہ نہایت وسیع اور کشیدہ معنی نہ ہوتا تو کبھی کی اس کی بھیجیاں اُلٹی ہوتیں لیکن وہ نئے لباس میں جلوہ گر ہوتا رہتا ہے جب اس مسئلہ کے ایک مفہوم کی تردید کر دی جاتی ہے تو حقیقتین اس کا دوسرا مفہوم پیش کر دیتے ہیں اس طرح حقیقت نگاری نے ایک مستقل ادبی سلسلے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

جہاں تک تنقیدی ادبیات کا تعلق ہے تحریک حقیقت نگاری کے حامیوں کی رائے بڑی حد تک اصابت و معقولیت کے ہم نوا ہوئی ہے۔ چنانچہ اڈمنڈ ڈیرک کا قول ہے کہ ”آج کل کے نقاد فنون لطیفہ کے قواعد و ضوابط کی تلاش جہاں کرنی چاہیے وہاں نہیں کرتے بلکہ غلط مقام پر کرتے ہیں۔ وہ نظم تصویریت، عمارت اور نسبت نگاری میں ان کا سراغ لگاتے ہیں۔ حالانکہ خود عملی صنایع میں وہ معیار مفقود ہوتا ہے جو کسی اعلیٰ قدرت فن کار (آرٹسٹ) کے پیش نظر رہنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ تمام صنایع بالعموم اور شعرا بالخصوص ایک تنگ دائرہ میں محدود رہتے ہیں نقاد بھی انھیں کا اتباع کرتے ہیں اس لیے وہ ہماری صحیح رہنمائی نہیں کر سکتے اگر ہم کسی شے کی قدر قیمت کا اندازہ کسی خارجی معیار سے نہیں بلکہ خود اسی شے کے نوعی معیار سے لگائیں تو وہ ضرور ناقص ثابت ہوگا۔ فی الحقیقت فنون لطیفہ کے حسن و قبح کے جانچنے کا معیار ہر شخص کے پاس موجود ہے بسا اوقات نہایت ادنیٰ اور معمولی چیزوں کے مشاہدہ و معائنہ سے ہمیں سچی روشنی حاصل ہوتی ہے اور اس کے برعکس بڑی سے بڑی ہوش مند و عرق ریزی جو مولیٰ مشاہدات کو حیرت و ذلیل سمجھتی ہے یہیں تاریکی میں چھوڑ دیتی ہے یا اپنی جھوٹی مصنوعی روشنی سے ہمیں گمراہ کر دیتی ہے۔“

تحریک حقیقت نگاری کے نامور علم ہر اوروں کا خیال ہے کہ سچا نقاد کسی صنایع یا مصنف کا دوسرے صنایع یا مصنف کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بجائے یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس نے فطرت بشری کی کس حد تک ترجمانی کی ہے فنون لطیفہ کے معائب و محاسن کے جانچنے کا بہترین معیار وہ ہے جو سادگی، سستی اور فطرتیت پر مبنی ہو لیکن عوام اپنی سادگی، سستی اور فطرتیت کے آزاد استعمال میں پس پیش کرتے ہیں اور روایتی نقاد کی رائے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی کمزوری ہے۔ وہ کچھ دیکھتے یا پڑھتے ہیں اس کا موازنہ یا مقابلہ

وہ قدرتی خلوق سے نہیں بلکہ کسی بالکمال وچابک ہست صنّاع کی ذہنی و فنی پیداوار سے کرتے ہیں اگر ان میں فن کاری کی تھوڑی بہت صلاحیت موجود ہوتی ہے تو وہ حقیقی زندگی کا اقتباس کرنے کے بجائے کسی اعلیٰ قدرت صنّاع کی تقلید کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خود اعلیٰ قدرت صنّاع کے کمال کا راز حقیقی زندگی کی پیروی و ترجمانی میں مضمر ہے۔

بالعموم اگر کوئی نوجوان مصنف روزمرہ زندگی کے حقیقی واقعات کی ترجمانی کرتا ہے۔ یا آدمیوں کو اپنے ارد گرد جس طرح بولتے اور کام کرتے ہوئے پاتا ہے۔ ویسے ہی بیان کر دیتا ہے تو روایتی نقاد جھٹاس پر ادنیٰ ہتھرتے پیش کرنے کا الزام عالم کر دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوان مصنفوں کے افسانوی کردار راہیہ جیتے جاگتے انسانوں کی طرح نہیں بلکہ شکستہ اسکات تھیکے۔ بالزاک۔ ہاتھورن یا ڈولسن کے جلال داستان کی طرح بولیں اور اعلیٰ کریں غرض کہ ذاتی تجربہ و مشاہدہ کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے مفکورات اور تخیلی نتائج کی پیروی کرنا قابل تعریف سمجھا جاتا ہے حقیقت نگار صداقت پسند مصنف کو روایتی نقاد کی جانب سے جو بدایت دی جاتی ہے اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے ایک سائنس دان کو کوئی کہے کہ ”میں دیکھتا ہوں کہ تم اس مڈے کا بڑے غور سے معائنہ و مطالعہ کر رہے ہو جو گھاس میں پھدک رہا ہے شاید تم اسے بھیا دیکھ رہے ہو ویسا ہی بیان بھی کر دو گے۔ لیکن یہ نہ صرف توضیح اوقات ہے بلکہ وضع کے خلاف اور تہذیب کے منافی بھی ہے۔ اور دھڑ دھیرے پاس ایک اعلیٰ درجہ کا مڈا ہے جو جڑی زہنت اور شیر صرف سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ مڈوں کا بہترین نمونہ ہے۔ بنا تو ہے وہ تارادر پٹھے ہی کا لیکن اس پر سیاحمدہ رنگ و رخن چھاپا گیا ہے معمولی قدرتی مڈوں سے ہزار درجے زیادہ خوب صورت۔ خوشنما اور نفیس ہے۔ تم چاہو تو اسے مصنوعی کہہ دو مصنوعی تو ضرور ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ مثالی و آئینہ دار بھی ہے۔ قدرتی مڈے کی طرح یہ عیاری مڈا آسانی سے ہلاک و برباد نہیں ہو سکتا۔ تم کو بھی مثالی و معیاری چیزوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ تمام فنی کتابوں میں تم میرے ہی مڈے کا ذکر پائے گے تمھارے گھاس میں پھدکے واسے حقیر مڈوں کی مصنوعات اور فن کاروں کی نظروں کوئی قدر نہیں تم اپنے قدرتی مڈے کے متعلق جو بیان شائع کرو گے وہ نقادوں کے نزدیک ایک ادنیٰ مستقبل عامیانہ اور حقیر ذلیل چیز ہوگی اور اگر تم اسے ادنیٰ حقیر نہ سمجھو تو اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف یہی ہو سکتی ہے۔ وہ حقیقی قدرتی مڈے کی ملکی تصویر ہے کسی شے کی ملکی تصویر پیش کرنا صنّاع کے ضعف و عجز کی دلیل ہے صنّاعی کا افتخار ہے کہ کسی شے پر پختل کانگ چڑھا کر اسے قدرتی اشیاء سے کہیں زیادہ خوب صورت و مغزرب بنا دیا جائے۔ ”حقیقین کہتے ہیں کہ جب تک اس مثالی مڈے کو سائنس سے۔ اور یا سچے اور فنان لطیف سے یکسر خالی نہ کر دیا جائے بلکہ جب تک اس عیاری مڈے نہ ہما تی مڈے شجاع بطل مڈے۔ قدیم رومانی مڈے۔ تارادر پٹھے کے مصنوعی مڈے کو باطل نہ کر دیا جائے اس وقت تک سادہ حقیقی اور فنی مڈے کے میدان میں آنے اور عام کی توجہ جذب کرنے کی توقع نہیں فنون لطیفہ کی طالع پرتال کے جن معیارات تک شخص کی دسترس ہے۔ وہ سادہ حقیقی اور فنی ہے لیکن روایتی نقادوں کا قائم کردہ معیار مشکل پیچیدہ کتابی اور مصنوعی ہے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ خلاصہ ہے حقیقیوں کے مقاصد و ردی کا۔ اس میں بہت سی کام کی باتیں ہیں جن سے ہر مصنف کو استفادہ کرنا

چاہیے حقیقت نگاری کے حامی جب تک حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے ان کی رائے نہایت صائب معقول اور قابل تسلیم ہوتی ہے لیکن جب انتہا پسند حقیقتیں تنگ نظری سے کام لیتے ہیں تو ان کا ہر قول و فعل سخت مضحکہ خیز بن جاتا ہے مثلاً بعض انتہا پسندوں کا خیال ہے کہ حقیقت نگاری زندگی یا جزو زندگی کی تصویر کشی کا نام ہے اس لیے افسانہ نویس کو چاہیے کہ زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو بے کم و کاست بیان کرے لیکن انسان کی روزانہ زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو ایک دوسرے سے قطعاً نہیں رکھتے فرض کر دو کہ قطعہ نویس کسی ڈاکو کا گناہ میرٹ کرنا چاہتا ہے ڈاکو کی زندگی میں روزانہ صبح سے شام تک نہ جانے کتنے ادنیٰ و اعلیٰ واقعات پیش آتے ہوں گے جو چوری ڈکیتی اور سہنی سے کوئی قلم نہیں رکھتے مگر مصنف ترک و انتحاب سے کام نہ لے اور تمام واقعات بیان کرنے لگے تو حقیقت نگار شخص غیر متعلق واقعات و حادثات کی کھوتی بن جائے گی جس میں لڑکی اور ڈراما نویس کی حقیقتیں کی ایک جماعت اس خیال کی موید ہے کہ افسانہ نگار کو اپنی ساری تنگ و درود صرف ذاتی تجربات و مشاہدات کی ترجمانی تک محدود رکھنی چاہیے چنانچہ چین آسٹن تو اس بات کی بھی روداد نہیں کہ کوئی شہری مصنف دیہاتی زندگی کا اور دیہاتی مصنف شہری زندگی کا نقشہ پیش کرے بلکہ وہ عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ اگر ان کو افسانہ نویس کی طرف سے ہوتا اپنی تعیفات میں ایسے ماکہ لے یا گفتگو کو راہ نہ دیں جو مرد اپنی خالص مردانہ مجلس میں جس میں کوئی عورت شریک نہ ہو ایک دوسرے کے ساتھ کیا کرتے ہیں لیکن ایسا کرنا فی حقیقت سب برجنیل کے پرو باز کو توڑ مڑ کر پھینک دینا ہے کیا دنیا کے وہ ملندہ پایہ رومانی و تاریخی افسانے صرف اس بنا پر ہی حقیقت دے سوتے ہیں کہ ان میں جو واقعات درج ہیں وہ مصنفوں کے ذاتی تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آئے تھے؟ سچ چھوٹ و خیال رائی کے ذریعہ سے ماضی کو حال غائب کو حاضر اور بید کو قریب بنا کر پیش کرنا کمال فن ہے حقیقتیں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو زندگی کے کسی شعبہ کو پس پردہ رکھنا حقیقت و صدا کے منافی خیال کرتا ہے ان لوگوں نے حیات انسانی کے بعض کثیف اور تاریک پہلوؤں کو نمایاں کرنے میں اس قدر غلو سے کام لیا ہے کہ ان کے اسلوب بیان کے دانٹے و بایونی و فحاشی سے جا ملے ہیں ان کی پیش کی ہوئی زندگی کی برہنہ تصویریں دیکھ کر حیا نگاہیں بند کر لیتی اور تہذیب منہ پھیر لیتی ہے۔

بہر حال مختلف مصنفوں نے مختلف طور پر حقیقت نگاری کی تشریح کی ہے جن میں سے دو کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آج کل حقیقت نگاری کے سرب بڑے نقیب امریکی مصنف سٹر ہاولنز (HOWELLS) ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مختصر الفاظ میں حقیقت نگاری اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ادبی مواد پر سچائی کے ساتھ بحث کی جائے۔ ان کے نزدیک انگریزی ناول نویسوں میں صرف چین آسٹن کو یکہ حاصل تھا۔ دوسرے کسی مصنف نے چین آسٹن کی طرح مواد افسانہ پر سچائی اور دیانت کے ساتھ بحث نہیں کی ہے لیکن ہاولنز کی کجیل تعریف بھی اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ غایہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مواد پر سچائی کے ساتھ بحث کرنے کی امتیازی علامت کیا ہے؟ سچائی کے ساتھ بحث کرنے میں لیکن کسی سہی باتیں بیان کرنی چاہئیں۔ اور اس بحث کے کیا مخصوص طریقے ہیں؟ اب ہم خود کو کہاں سے چلے تھے وہیں پاتے ہیں۔

مواد پر سچائی کے ساتھ بحث کرنے کی تشریح کرتے ہوئے سٹر ہاولنز - ایمرسن کے ہم زبان ہو کر فرماتے ہیں کہ ہمیں شان دار

عظمت غیر معمولی اور روحانی چیزوں کی ضرورت نہیں حقیقت نگاری کا علم بردار ہونے کی حیثیت سے ہم تو معمولی ادنیٰ اور مانوس استیسیا ہی سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں حقیقت نگاری کے ڈانڈے رومانیکس مل جاتے ہیں۔ رومانی شاعروں کے سرتاج برنس اور وٹوس ورتھ سے بڑھ کر اور کس نے ادنیٰ حقیر معمولی اور مانوس چیزوں پر طبع آزمائی کی ہوگی؟ کہا جاسکتا ہے کہ رومانی شاعروں کا مقصد یہ تھا کہ وہ ادنیٰ اور معمولی اشیا کو اپنے ذہن میں سے اعلیٰ اور روحانی بنادیں لیکن حقیقت نگاری کے نامور معلم بردار بھی اس مقصد سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جن چیزوں کو لوگ ادنیٰ و حقیر جان کر ترک کر دیتے ہیں۔ وہ بھی کاغذ و قدر کے قیمتی پرزے ہیں۔ تخلیق کاٹنا کے اعلیٰ رسانی مقصد کی تکمیل میں ان کا بھی حصہ ہے جس میں ایٹم کو شمار ہے کار کھجھر کر رکھ دیتے ہیں لہذا اوقات عمارت کے سرے پر اس کی ضرورت پیش آتی ہے بہر کیف چھوٹی چھوٹی اور معمولی چیزیں بھی اپنی ذاتی قدر رکھتی ہیں اور ان میں شاعروں اور انسانہ نویسوں کے جذب تخیل کا پورا سامان موجود رہتا ہے۔ علاوہ برنس کا کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ برنس اور وٹوس ورتھ نے ادنیٰ و حقیر کو اعلیٰ اور روحانی درجہ تک بلند کرنے کی فکر یا اخلاقی تعلیم و تلقین کی جن میں اپنے نادر شاعری کی تکذیب کی ہے۔ یا اس پر پچائی سے بحث نہیں کی ہے۔ یا اس کو اس کی فطری سادگی و صداقت سے سزا دیا ہے؟ بالضرر حقیقتیں ہی نہیں بلکہ رومانی شعراء و مصنفین بھی ادنیٰ و حقیر چیزوں سے صانع گیر ہوتے اور مواد پر پچائی کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ عام طور پر حقیقت نگاری (REALISM) کو رومانیت (ROMANTICISM) اور مثالییت (IDEALISM) کے خلاف سمجھا جاتا ہے لیکن دراصل ان میں کوئی اک بن تفریق موجود نہیں ہے۔ ان کی سرحدیں باہم ملی ہوئی ہیں جن کے درمیان خلا فاصل قائم کرنا مشکل ہے۔ حقیقت میں "مثالییت" کا عنصر شامل ہے علاوہ اس کے حقیقتیں کی تصنیفات میں اکثر ایسی ادبی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو رومانیت کا طرہ امتیاز ہیں۔ "حقیقت" میں رومانی بھی کبھی نہ ہاں ہوتی ہے جس کی وجہ سے بعض وقت ٹھٹھہ واقعات اور خیالی آرائی کے نتائج میں امتیاز کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے ہر کسی انسانوی شاہکار کو خالص حقیقی یا رومانی یا مثالی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں تینوں کے اوصاف کم بیش پائے جاتے ہیں۔ اگر تینوں میں زور ہے تو نوعیت و کیفیت کا نہیں بلکہ صرف کثرت و تناسب کا۔ اس لئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حقیقتیں کن باتوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

مسٹر ہاولس نے حقیقت نگاری کی جو تعریف بیان کی ہے اس پر ادبی بحث ہو چکی۔ اب ہم ایک دوسرے نامور حقیقت نگار مسٹر زولا کے خیالات کا جائزہ لینا چاہتے۔ واضح رہے کہ عام طور پر بالترک حقیقت نگاری کا تعریف اول اور زولا کا آخری علم بردار سمجھا جاتا ہے۔ جہاں زولا کے خیال کے مطابق حقیقت نگاری ایک طرف تخیل آرائی کے سنائی ہے جس میں رومانیت اور پشکوہ اسلوب بیان شامل ہے۔ اور دوسری طرف وہ تمام مثالی آرائیوں کو اپنے دائرہ سے خارج کر دیتی ہے حقیقت نگار صرف آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی باتیں بیان کرتا ہے اور حقیقتی بہم نشان دار غیر معمولی اور اصلاحی و اخلاقی موضوع پر کبھی بحث نہیں کرتا جو چیزیں اس کے ذاتی مشاہدہ تجربہ میں آئی ہوں۔ ان سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ صرف معاصر واقعات اور گرد و پیش کے معاملات کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ انسانی زندگی اور قدتی اشیاء کی بہرہ تصویر پیش کرنا ہی کو خیال آرائی و تکرار نہیں سے کام نہیں لیتا۔ انھیں کہہ کر زولا دنیا کے انسانہ سے رومان۔ پوشیدہ روحانی صداقت تبصرہ و تشریح اور خیالی آرائی کو خارج کر دیتا۔

وہ انسان کے قول و فعل کو سن و سنا کر بیان کر دیتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسانی سیرت اور اس کی زندگی کی تعبیر کی جائے جو مختصر یہ کہ وہ شخصی نقطہ نظر (PERSONAL POINT OF VIEW) یا ذاتی رائے زنی کا سخت مخالف ہے۔ ایک اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ وہ ان تمام جھوٹے بڑے ہم غیر اہم ادبی، ادبی واقعات کو جو تجربہ و مشاہدہ میں آئیں ادبی مواد میں شامل کر دیتا ہے۔ تحریک حقیقت نگاری کا یہی وہ پہلو ہے جو بدست حقیقتوں اور شاہدوں کے مابین کبھی جمالیاتی اور کبھی اخلاقیاتی بنا پر وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ حامیان تحریک مثالیت کے نزدیک حقیقت تبدیل اور عارضی نہ موضوع پر خاصہ فرسائی کرنا اعلیٰ نظر پرچی کی شان کے خلاف ہے۔

مسٹر ہاؤس کا قول ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز حقیقت و دلیل نہیں ہو سکتی عقل مند آدمی انسانی زندگی کے کسی پہلو یا کسی شعبہ کو ناقابل التفات سمجھ کر اس کی تحقیر نہیں کر سکتا کیا کوئی سائنس دان مادی دنیا کے کسی واقعہ کو اپنی تحقیق و تفتیش کی شان کے خلاف تصور کر سکتا ہو؟ ایک حقیقت نگار مصنف تمام اشیائے عالم کی مساوات اور برتری نوع انسان کی آفرینشی وحدت کا قائل ہوتا ہے اس کی روح کو ناشی تخمین اور مثالی اشیاء سے نہیں بلکہ حقیقت و واقعیت سے ترفع حال ہوتا ہے کیونکہ حقیقی واقعات ہی میں سچائی پائی جاتی ہے۔ ادبیات کے متعلق یہی نقطہ خیال ان بے شمار تبدیل و بدلہ لطف اور ادبی درجہ کے انسانوں کا ذمہ دار ہے جو سستے رسالوں میں آئے دن چھپتے رہتے ہیں اور جن کا جو بدوصف اس لیے جائز خیال کیا جاتا ہے کہ وہ روزمرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے ناقابل توجہ امور کی آئینہ داری کرتے ہیں۔

آج کل کے بعض انتہا پسند محققین ماہرین سائنس کی طرح زندگی کے جزئیات و تفصیلات کی تلاش تحقیق میں سرگرداں نظر آتے ہیں حالانکہ اگر یہی حال کاہی و دماغ سموزی کسی اور جانب منصف ہوئی تو عظیم الشان نتائج برآمد ہوتے۔ خود بین کے پیہم استعمال سے تناسب کے احساس میں ضرر و فساد واقع ہو گا جن لوگوں کی ساری توجہ زندگی کے صرف جزئی امور پر مبذول رہتی ہے۔ ان کے دلوں میں شان و بھائی و واقعات کی عظمت باقی نہیں رہتی وہ دنیا انسانی کے ادنیٰ پہلو کو اس کے اعلیٰ پہلو پر ترجیح دینے کے عادی بن جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک غوطہ سواں ہے کہ ادبیات میں سائنس کے معیار و مقصد کے استعمال سے نفی لطافت باقی بھی رہے گی یا نہیں؟ سائنس اور پریچر میں زمین آسمان کا فرق ہے جو طریقہ تحقیق یا اسلوب بحث سائنس کے لیے حیات بخش ہوتا ہے وہی اکثر حالات میں ادب و شاعری کے لیے پیام اجل بن جاتا ہے۔ اس مادی دنیا کے تمام واقعات و مظاہر حکمیاتی حقائق کی نظر میں یکساں ہوں تو ہوں لیکن سچا صناعہ آراء (اسٹ) ہر زمانہ میں اشیائے عالم کی ربانی مساوات کا منکر رہا کیا ہے ہم اپنے ارد گرد جتنی چیزیں دیکھتے ہیں ان میں قدر تمیز کے لحاظ سے بے شمار درجہ پائے جاتے ہیں۔ یہ تفریق و درجہ بندی درستی کی ہے شل مشہور ہے کہ اٹل نے بانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائی ہیں۔ قدر تمیز کے اختلاف ہی کی وجہ سے انتخاب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہر صناعہ اپنی ذہنی پیداوار میں ربط و تسلسل قائم کرنے کے لیے صرف ضروری واقعات کا انتخاب کرنا اور غیر اہم و بے تعلق واقعات کو چھوڑ دینا ہے۔ حقیقتیں (REALISTS) اور مثالیستین (IDEALISTS) دونوں حق انتخاب کے مدعی ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر کی نظر انتخاب ہمیشہ ادنیٰ حقیقت تبدیل اور عارضیادار شیا پر پڑتی ہے کیونکہ وہ صرف انھیں چیزوں کو واقعیت اور صداقت کا حال خیال

کرتے ہیں بخلاف اس کے حاملین شالیت کی نظر شان دار عظمت و اوقار بعیاری اور اعلیٰ درجہ اشیا پر ہوتی ہے اگر اگرتا پسند حامیان حقیقت بطوری شالی چیزوں یقین نہیں رکھتے اگر ان کو اپنے ذاتی تجربے کے محدود دائرہ ہی میں تسکین بخشی کا پورسا مان مل جاتا ہے تو کمزور انسان کو ادبیت کی رفیع الشان عمارت کے ایک حجرے میں آزاد چھوڑ دیا جائے بلکہ شکل تو یہ ہے کہ وہ اپنا حجرہ چھوڑ کر ہمسایوں کے کمرے میں گھس جاتے اور ان کو پریشان کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ساری عمارت انھیں کے زیر تصرف ہے۔

اگرتا پسندی کو راہ نہ دی جائے تو حقیقت، رومانیت اور شالیت کا اجتماع ممکن ہے بشیٰ تھیں کمرے کی تصنیفات میں تینوں کی خوبیاں اس انداز میں پائی جاتی ہیں کہ بتانا مشکل ہے کہ حقیقی تھا یا رومانی یا مثالی۔ اسے جس زمرہ میں بٹھایا جائے وہ اسی کا ایک فرد معلوم ہوگا۔ سچ پر حقیقت پرستی کوئی ادبی تحریک نہیں ہے البتہ آج کل اس میں نئی نئی کوئیلیں پھوٹ نکلی ہیں انسانی دنیا حقیقت اور رومانیت کی پیدا شد ایک۔ بی ساتھ ہوئی تھی اس وقت دونوں باری باری سے یا پہلو پہ پہلو نشوونما پاتی اور ترقی کرتی رہی ہیں۔ ان کے توالی پر نقادوں کے رجحانات عوام کے مذاق پسند اور زمانہ کی روح کا زبردست اثر ڈالیا ہے زمانہ کے رنگ و میلان کی تحریک و تسبیح سے ادبی قاصد کے پیچھے جھولتا رہا ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب کوئی ادبی تحریک اپنے منہا کو پہنچ جاتی ہے تو لوگوں کی پچیوں میں رد عمل شروع ہو جاتا ہے ایسے وقت میں نقادوں کے آگے صرف دور میں کھلی ہوئی ہیں۔ یا تو وہ بھی رقص کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں یا پیچھے ٹھہر کر قاصد کی حرکت کا تماشا دیکھتے ہیں۔

لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ادبی اسالیب پر تحریک حقیقت نگاری کا نہایت وسیع و مفید اثر پڑا ہے حقیقتیں کا اصرار ہے کہ انسانی واقعات کہتے ہی فرضی حیثیت کیوں نہ ہوں لیکن انداز بیان ایسا ہونا چاہیے کہ وہ بالکل صحیح اور سچے معلوم ہوں۔ اسے ہم ایک لفظ "نظریہ" سے تعبیر کر سکتے ہیں علاوہ برقی مصنف مرئی و مقرون اور نئی و جسبائی چیزوں کی بھی قدر کرتا ہے۔ رومانی لٹریچر میں بھی بخوبی خیر و التباس آفرین تفصیلات پائی جاتی ہیں وہ تحریک حقیقت ہی کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ کن نہیں جانتا کہ سوفٹ (SWIFT) ڈیفو (DEFOE) اور پو (POE) نامی شعرا سرآمد رومانی مصنفین میں ہوتا ہے لیکن انھوں نے اپنے انسانوں میں جنونی و وسیع الامور اس خوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ہر شخص کو ان پر صحت و صداقت کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں نظریہ و التباس آفرینی کی یہ قوت تھیں حقیقت نگاری کے اصول و معیاریات کی پیروی سے پیدا ہوئی ہے البتہ ایک محسوس کی بات ہے کہ بعض ناخبرہ کار و جوئے حقیقتیں احساس تناسب کھو کر اہم و ضروری واقعات کی ترجمانی کو کر رہے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی غیر معروف باتوں کے بیان کرنے میں اس قدر ہنک رہے ہیں کہ ان میں وسیع النظری و کشادہ خیالی کا مادہ مفقود ہو جاتا ہے علاوہ بریں روزمرہ زندگی کی ترجمانی کرنے اور ادنیٰ و معمولی معاملات حیات کو ادب کی بنیاد قرار دینے میں تحریک حقیقت نگاری نے انسانی دنیا میں بالعموم و مختصر نقصوں کے میدان میں بالخصوص نہایت اہم و نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پرانے زمانہ کے انسانوں اور داستانوں میں بادشاہوں، مورخوں، افسانہ نگاروں کے محیر العقول مہمانی کا زمانہ بیان کئے جاتے تھے ان سے صنعت خواں طے کرایا جاتا تھا جنوں و غیر جنوں

اور دیوئوں سے مقابلے ہوتے تھے پہاڑ کی چڑیوں پر پر یاں ملتی تھیں صحرائے طلسم میں شہر تبسلیہ بالکل بے لگام چھوڑ دیا جاتا تھا ساحروں کے پھندے سے ہر دو کو سخت دینے کے لئے فوراً کوئی خضر نادر پیش اپنے اعبادی عصایا نفیس سلیمانی کے ساتھ حاضر ہونا تھا غرض کہ جو بات تھی وہ خلافِ فطرت اور جو واقعہ بیان کیا جاتا تھا وہ فوق العادت لیکن آج کل کے قصوں اور فسانوں میں صرف ایسے واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو حقیقی زندگی میں پیش آسکیں۔ اگر تخیل سے کام لیا بھی جاتا ہے تو اسے قوتِ مزہ کے تابع رکھ کر انسانی رجحان بھی ہر درجہ اور ہر طبقہ سے منتخب کئے جاتے ہیں جتنا بچہ ڈاکٹر تاجر کسان بکاری گرمز دور منشی سا ہو کارنگ لگا کر سب کے سب انسانی دنیا میں نظر عام پڑا ہے جس اور آج کل تو اچھوت بھی ہیر کی حیثیت سے روشناس ہونے لگے ہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اوسطی ادبی درجہ کے آدمیوں کی زندگی کے واقعات کیا تہجانی کا مقصد بھی بہت وادنی ہی ہوگا بلکہ روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے چھوٹے چھوٹے قصے اور انسانے جن کو عصر حاضر کے رسائل و جرائد میں اس قدر شہرت و قبولیت حاصل ہے۔ ویسا ہی اعلیٰ و ارفع مقصد پیش نظر رکھتے ہیں جیسا انیسویں صدی کے ادباء میں عظیم الشان رومانی تحریک کا تھا اور جس نے دنیاے ادبیات میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل مالک متحدہ کا عام حجان بھی حقیقت پرستی و صداقت پسندی کی جانب سے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حق و صداقت کی حمایت کا یہ عام جذبہ تحریک حقیقت نگاری کا آفریدہ ہے بہر حال ہماری روزانہ زندگی کے واقعات اور عمومی انسانی کردار میں مختصر قصوں اور فسانوں کے لئے بے شمار چھوٹے چھوٹے موضوع ہاتھ آسکتے ہیں۔

نیل بعض وقت حقیقت نگاری کے بدعوں کا غلو اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ صرف ادنیٰ حقیر تبدیل اور عامیانه چیزوں ہی کے پیش کرنے کو حقیقت نگاری کا واحد مقصد تصور کرنے لگتے ہیں حالانکہ ادنیٰ و عامیانه چیزیں فی نفسہ کوئی ادبی قیمت نہیں کھیتیں جب تک تعبیر و تشریح (INTERPRETATION) سے کام نہ لیا جائے وہ بالکل بے وقعت ہوتی ہیں۔ ایک بالکل متعلقہ آرٹسٹ (زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو تعبیر و تشریح کی طلسمی قوت سے نہایت معنی خیز و عبرت آموز بنا دیتا ہے۔ خذف ریزے کو جواہر پارہ اور مٹی کو سونا بنا دیتا اس کی تعبیری قوت کا ادنیٰ کرشمہ ہے ہمارے شعرا کی تعبیری قوت کو کبھی آفرینی یکہ نمیزی خیال آرائی، جدت طرازی اور نہ معلوم اور کن کن نالیوں سے موسوم کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ شام کے وقت تندیل صاف کی جاتی ہے ٹینیجی سے بچی تراشی جاتی ہے تبدیل روشن ہوتی ہے تو اس کی تیز پسند روشنی دور دور تک پہنچتی ہے۔ اب ہر طرف سے چنگے آکر اس پر گرنے اور جھٹکنے لگتے ہیں گھریلو زندگی کا یہ ایک معمولی واقعہ ہے جو روزانہ ہر شخص کے شاہدہ میں آتا ہے۔ اگر اہل تہجد و تحقیق کے اصرار کے مطابق تعبیر و تشریح یا ذاتی رائے زنی سے کام لے بغیر غرض واقعہ کو من و عن بیان کر دیا جائے تو اس میں کوئی ادبی خوبی یا لطف دول کشی پیدا نہ ہوگی لیکن جب میر تقی میر جیسے ماہر فن کی تعبیری قوت و بکارت آتی ہے تو یہی ادبی واقعہ لازوال ادبی جواہر پارہ بن کر ہماری آنکھوں میں خیرگی پیدا کرنے لگتا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

مر گیا عجیب راہ آخر دیکھی پر دانے کی بات
شمع کو گلگیر چھوڑے تھی ہی مرجانے کی بات

ہجری ۱۹۳۵ء ۵۳ ہجری ۱۹۳۵ء
 قطب نماس نے نہیں دیکھا ہے اس کی سوئی کو ایک آن بھی ترا نہیں ہر وقت تھرتی رہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی برج بزل ٹرپ رہا ہے۔ اس پر سودا کی تعبیر ملاحظہ ہو۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
 ترپے ہے مرغ قبلہ نا آشیانے میں

گھڑی کے کھٹکے۔ جھوٹی کے چھو اچھو جھینگے کے جنازے۔ دیاسلانی اور مجھ وغیرہ جیسے ادنیٰ موضوع پر خواجہ حسن نظامی کے مضامین پڑھئے اگر آپ پست ہو کہ جھوٹے نہ لگیں تو ہمارا ذمہ یہ لطفِ دل کشی ان میں کہاں سے آئی؟ اس کا راز آپ کو خواجہ صاحب کی غیر معمولی تعبیری توش میں مضمر ملے گا موباسال (MAUPASSANT) نے سیاہ دھاگہ نیلی چھتری اور مٹی کے پیالہ پر اعلیٰ درجہ کے افسانے لکھ ڈالے ہیں جن کی ساری کاسیانی و اثر آفرینی تعبیر و تشریح کی ہی بنی ہوئی ہے غرض کہ تعبیر و تشریح کی قوت ادنیٰ سے ادنیٰ و اتنا اور مجموعی سے مجموعی چیز کو نہایت معنی خیز دل کش اور پرتاثر بنا سکتی ہے لیکن تعبیر و تشریح یا شخصی نقطہ نظر یا ذاتی رائے زنی کے استعمال کے متعلق نامور حاسیان حقیقت کی رایوں میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ بالزاک اس کا زبردست موید اور زور و اسحت مخالف ہے ہاؤلز کی رائے نیم و مذہب پر ایک جگہ وہ رقم طراز ہے کہ ”حقیقت نگار مصنف زندگی کے ہر واقعہ پر نظر رکھتا ہے۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی مفید مطلب معنی پنہاں پاتا ہے جو ہر اٹھنا ضروری امر ہے۔ وہ زندگی کے کسی معاملہ کو حقیر دیکھا تصور نہیں کرتا کیونکہ تمام چھوٹے بڑے واقعات و مسائل کے مجموعی اثر سے انسان کی قسمت اور سیرت تشکیل پاتی ہے ظاہر ہے کہ زندگی کے بہت سے جزئی امور بظاہر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اسی وقت مفید معنی خیز بن سکتے ہیں جب تعبیر و تشریح سے کام لیا جائے لیکن یہی ہاؤلز۔ بالزاک پنکے چینی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”وہ ذاتی نقطہ نظر سے بہت کام لیتا ہے اپنے انسانی جہال کی سیرتوں کی تشریح کرتا جاتا ہے اور ان کو خود سے ہٹے نہیں دیتا“ اس میں شک نہیں کہ حقیقتیں کے درمیان یہ ایک مابہ نزاع مسئلہ ہے۔

انسانی زندگی کے تاریک پہلو بھی ہوتے ہیں اور روشن پہلو بھی عام طور پر اہمیت میں زندگی کے تاریک و کثیف پہلوؤں کا ذکر ترک کر دیا جاتا ہے لیکن نرہنسی مصنف بالعموم اخلاقی نقطہ نظر کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنے انسانی کردار کی منصبت کا رویہ کو بھی لوری ہی بلکی سے بیان کر دیتے ہیں جیسے ان کے روشن کارناموں کو ان کا خیال ہے کہ افسانہ نویس کو زندگی کی مکمل تصویر پیش کرنی چاہیئے اگر زندگی کے صرف روشن پہلو دکھائے جائیں اور تاریک پہلو ترک کر دیئے جائیں تو لامحالہ تصویر ناقص اور ادھوری رہے گی نتیجہ یہ ہے کہ ان کو انسانی طرح پر مبنی بہت سی جیا سوزا و محسوسات باتیں راہ پائی ہیں۔ اس عریان نگاری کو ”تحریک فطرت“ (NATURALISM) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے حامی ”فطرتیں“ (NATURALISTS) کہلاتے ہیں۔

بہر حال حقیقت نگاری کے اس کثیف عنصر سے مختصر قصوں اور افسانوں کا دامن ملوث نہیں ہو سکتا کیونکہ عریان نگاری کے جواز و حمایت

میں صرف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ انسان نہ نویں کو مکمل زندگی کی ترجیح کرنی چاہیے۔ اس لئے اگر تاریک کوشش امور کا ذکر ترک کر دیا جائے تو زندگی کا نقشہ ناقص و نامکمل رہے گا کیونکہ مختصر تصنیف نویں کو تو مکمل کردار نگاری کا دعویٰ ہی نہیں چھوٹے قصوں اور انسانوں کا اختصاری اس بات کا حقیقی ہے کہ زندگی کے کسی خاص پہلو پر روشنی ڈالی جائے۔ البتہ اس خاص پہلو کا انتخاب مصنف کے مذاق پر منحصر ہوگا۔ اگر کوئی شخص زندگی کے تمام روشن پہلوؤں کو ترک کر کے صرف کسی غلیظ و گندہ پہلو پر بحث کرے تو یہ اس کی بد مذاقی اور کثرتِ باطنی کی دلیل ہوگی الغرض مختصر انسانہ نویں کے حدود و شرائط نے اسے عریان نگاری یا "تحریکِ فطرت" کی گندگی سے پاک رکھا ہے۔

زولانے حقیقت نگاری کا جو ہنرمند پیش کیا ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس قسم کی خالص حقیقت علمِ نامکون ہے کیونکہ یہاں انفرادی نقطہ نظر یا تعبیر تشریح کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے صحتی نیزیں ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں آتی ہیں ان سے ہماری مجموعی معلومات میں اضافہ ضرور ہوتا ہے لیکن جب تک ان میں شخصی عنصر شامل نہ ہو ہمارے لٹریچر کو ان سے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہر صنف کو چاہیے کہ وہ تعبیر تشریح سے کام لے ورنہ عکسی تصویر کی طرح لٹریچر بھی جہد بے جان بن جائے گا کسی ادیب یا مصنف کو تعبیر تشریح سے نفرتیں کیونکہ وہ انھیں تجربات کی ترجمان میں ترجیح دیتا ہے جو اس کی داستان میں کوئی خاص معنی یا اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی معنی یا اہمیت کا انکشاف و تشریح لٹریچر کی جان ہے۔ جو تجربہ کوئی قدر قیمت یا معنی یا اہمیت نہ رکھتا ہو اس کا ادبی شانِ عظمت عطا کرنے اور اس طرح زندہ جاوید بنانے کی زحمت کون گوارا کرے گا؟

علامہ بریں انسانہ میں صداقتِ طبع کو جگہ نہیں مل سکتی جس کا تقاضا ہے کہ زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات اور چھوٹی و بڑی امور بے کم و کاست بیان کر دیے جائیں۔ انسانہ نگار کو ترک و انتخاب، رد و بدل، ترمیم و اضافہ، قطع و برید اور حک و اصلاح سے کام لینا پڑتا ہے وہ اہم واقعات کا انتخاب کرتا ہے غیر ضروری تفصیلات سے احتراز کرتا ہے حسبِ ضرورت اپنے دل سے بھی بعض باتیں گھڑتا ہے۔ ربط و تسلسل قائم کرنے کے لئے بے تعلق امور کو چھوڑ دیتا ہے بظرف و دل کشی کی غرض سے تصویر میں تجلّی کا رنگ بھی بھرتا ہے کیا ایسا کرنے سے وہ مواد کی تکذیب کرتا ہے؟ اگر کوئی اسے کذب کہے تو کہنے دور یہ جائز کذب ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی اعلیٰ تجلّی صداقت حاصل ہوتی ہے جو حقیقتِ حقیقت و واقعیت سے کہیں برتر و ارفع ہے اور جو انسانہ نویں کے غفلت کے عین مطابق ہے۔ یہ بھی دلکش بین رہے کہ حقیقت کلی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہمارے کسی انفرادی تجربہ کا تعلق گزشتہ دورِ آئندہ واقعات کے ساتھ نہ دکھایا جائے یا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ انسانی حلال کی سیرت اس کا کیا لگاؤ ہے لیکن اس کے لیے بھی تعبیر تشریح کی ضرورت ہے۔

جب نادان میں تعبیر تشریح کی اس قدر ضرورت ہے تو مختصر انسانہ کا کچھ پوچھنا ہی نہیں وہ تو اس کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا زندگی کے تمام پہلوؤں پر غیر جانب داری کے ساتھ بحث کرنا یا زندگی کی مکمل تصویر پیش کرنا مختصر انسانہ نویں کے اعتراض و حاصد سے خارج ہے وہ توحیدِ انسانی کے کسی ایک ہی پہلو پر روشنی ڈالتی اور اس کی تعبیر تشریح کرتی ہے مختصر انسانہ خواہ سادہ ہو یا پیچیدہ تفصیلی ہو یا اجمالی و تراشہ شائستہ و مست بہ دامن ہو یا درست و گریباں لیکن ہر حال میں وہ تعبیر تشریح یا ذاتی نقطہ نظر کا محتاج ہوگا مختصر قصوں اور انسانوں میں ہر تہرین

حقیقت بہترین رومانیت اور بہترین شائیت تینوں کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ انسانہ نویس تینوں تحریکوں کو اپنی بلک سمجھتا اور ان سے یکساں طور پر استفادہ کرتا ہے۔ انسانہ نویس کا اعلیٰ مقصد واضح و متعین شکل میں نظریۂ انسانی کے ان اصول و قوانین کو ظاہر کرنا ہے جن کی کاروائیوں سے ہماری سیرت قسمت، رفتار و کردار، جذبات و احساسات، خیالات و افکار اثر پذیر ہوتے ہیں۔ ایک بالکل انسانہ نویس کی نظر ہمیشہ زندگی کی اساسی صداقتوں پر رہتی ہے۔ لیکن لوگوں کی جھپسی کے لیے وہ ان صداقتوں کی تشریح قصہ کے پیرایہ میں کرتا ہے کیونکہ جذباتی بحث میں عوام کی جھپسی کا سامان مفقود ہوتا ہے جس انسانہ سے ظہرت بشری کے اساسی اصول کی تشریح نہ ہو سکے وہ طوطے مینا کی کہانی سے زیادہ وقع نہیں کھلا سکتا۔

محمد حسین ادیب

لغاتِ انسانی

خوشامدی، جس کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے، ایک حسین عورت کو۔ ایک مصنف کو ادراک سیاست دان کو۔ نصیحت، دل کی بیماری کی ایک دوائی۔ ایک چیز جسے کیل نیچے ہیں۔ سائینس فٹ میں دیٹی ہیں اور کھارے دوست تم پر دے مارتے ہیں۔ اچھی نصیحت وہ ہے جو بوڑھے آدمی جو افوں کو کریں۔ جب وہ خدا ان کے آگے بری مثال قائم کر سکنے کے قابل نہ رہیں۔

عصر، پیدائش اور موت کے درمیان نہ ٹھہرنے والی ریل گاڑی!
حیا، ایک وقتاً نویسی لفظ جس کے استعمال کی اب ضرورت باقی نہیں۔
گولہ، وہ بادشاہ جس کی حکمرانی عالمگیر ہے۔

غیر متبذ، یہ ان قوموں کا نام رکھا گیا ہے جو اپنی غلطیوں اور برائیوں کو کسی خوش غالب لباس کے نیچے چھپا نہ سکیں!

”کتابی کیرا“

کلجک کتھا

(۱)

سکھ کے سندھ بیچ پہ تم نے سیکھا مست پرورہ جانا
کھانا سونا بہن سنا۔ گانا چین منسا ناجی بہلا نا
چال چلی دنیا البیلی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

برا سے آرام میں بھوکے سستی میں سکیا گھبرانا^(۲)
غیرت کھوئی۔ لاج گنوئی۔ راس نہ آیا پیک لگانا
چال چلی دنیا البیلی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

اب تک وہی پُرانی باتیں رنگِ روئے وہی پُرانا^(۳)
وہی پُرانی چال ڈھال ہے، وہی پُرانا لگ رہا نا
چال چلی دنیا البیلی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

کوئی مذہب کا متوالا، شہرت کا کوئی دیوانہ^(۴)
دھن دولت کا لہجی کوئی ذات کے ہاتھوں کوئی بچانا
چال چلی دنیا البیلی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

۱۔ ”کھجک کتھا“ کے مجازی معنی اردو میں ”شہر آشوب“ کے ہوں گے۔

۲۔ ”پلک لگانا“ یعنی جھپکی لینا۔ اونگھنا یا سونا۔

۳۔ ”رہانا“ ایک باجرہ ہوتا ہے۔ ”راگ رہانا“ محاورہ بھی ہے۔

۴۔ ”بچانا“ معنی بک گیا۔ فروخت ہو گیا۔ بیع بالقضہ۔

(۵)

کوئی سادھو۔ کوئی پریمی کسی نے سیکھا آنکھ لڑانا کوئی جواہری، کوئی شرابی کسی کو آیا ہنگ چڑھانا

چال چلی دنیا الیسی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

دھوکے اور ٹھگی سے کوئی اپنا کرے مال چڑانا (۶) کھلے بند بے کٹیکے لوٹے جیسے چورنگر کا ٹھانا

چال چلی دنیا الیسی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

اس دنیا میں اُس سے بڑھ کر حق ہم نے کوئی نہ جانا (۷) دھول جھونکے جو آنکھوں میں سمجھے اپنے کو فرزانہ

چال چلی دنیا الیسی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

دل اُس کا پتھر سے بدتر اس مورکھ کو کیا سمجھانا (۸) ٹھنسیں کے آگے بین جو باجے بھنیں کھڑی چڑوانہ

چال چلی دنیا الیسی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

وہ مایا مورکھ بھی ہیں جو دُڑی پر سیکھیں اڑانا (۹) نہیں بدن پر جن کے لٹے، وہج البتہ ہے شانہ

چال چلی دنیا الیسی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

۱۔ ”رانا“ معنی پرایا غیر کا۔ دوسرے کا۔

۲۔ ”چورنگر کا رانا“ مشہور کہانی سے متعلق ہے۔ یعنی چوروں کا سردار۔

۳۔ ”فرزانہ“ معنی گمانی۔ بھاگوان۔

۴۔ یہ کلمہ ایک دورہ مستعار ہے مطلب کہ جس طرح بھنیں پڑنے کی کیفیت نہیں ہے، اسی طرح ناکاہ لوگوں پر پند نہایت بیکار ہے۔ ”زمین مورچل برنار د“
۵۔ لٹہ یعنی دھبی مطلب یہ ہے کہ ”گھر میں بھونی بھانگ نہیں اور باہرستی جو بھی ہے“

(۱۰)

چلے نہ پاویں نام ہے گدگن بنہوئے دلی سلطانا
مانگے گا جو تا اور ٹوپی سجن سجائے روپ سہانا

چال چلی دنیا البیلی۔ کوسوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۱)

کب تک آخر لگا رہے گایوں اپنی اوقات گنونا
دن بھر پھرنا شام کو آنا۔ کھانا پینا۔ اور سو جانا

چال چلی دنیا البیلی کوسوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۲)

کرو گے کیا آزادی لے کر۔ اس کی حاجت یہ مانا
دھیان سے سوچو یہ بھی تو ہے لوبھ نشے کا ایک بہانہ

چال چلی دنیا البیلی کوسوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۳)

بین بگل سنکھ گائے گو بر پر دنیا بھر میں اور دم چانا
ارے تمہیں بدنام کئے ہے بات بات پر یہ تن جانا

چال چلی دنیا البیلی کوسوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۴)

جہاں ذرا سی ضد پر جائز ہو یوں گھر میں آگ لگانا
ایسے دیں میں احمد پوری۔ جینے سے بہتر مر جانا

چال چلی دنیا البیلی کوسوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۵)

راس نہیں آنے کا ہرگز یہ جیون کی سہنسی اڑانا
ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو لگایہ کون زمانہ

۱۵۔ یہ محاورہ بھی اسی تم کا ہے گدگن یعنی کو دے والا مطلب یہ ہے کہ چلنے تو پاتے نہیں مگر نام رستم ہے۔ دلی سلطان یعنی دہلی کے بادشاہ۔

۱۶۔ اس سے مطلب ہے مسجد کے سامنے باجے کی شکاریت مجرم میں سکھ کی شکاریت اور بھری میں گائے وغیرہ کے متعلق نزاع سے

۱۷۔ اور دم چانا سہنی رنگا نہاد کرنا۔ خانہ جنگی۔

چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

چھوڑو تم یہ کھینچتا مانی کرو نہ اپنوں کو بیگانہ ^(۱۶) آگم بھری ہے دکھ کی ندیا بیچ بھنوریں ڈوبتے جانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۷)

اپنی قوت اور کثرت پر اپنی ہستی بھول نہ جانا چور ریگ کجا جب تک دل میں نہیں ملے گا کوئی ٹھکانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۸)

تن من بارو جیون وارو قسربانی کا ہے یہ زمانہ روئے گائے کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ کہنا بھی بھول نہ جانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

(۱۹)

”سچ کا بول ہمیشہ بالا“ کہتے آئے گئے سانی وانا من سندرتو دنیا سندر یہ بھگتیش کا جاپے پرانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

(۲۰)

یہ سندیش ہمارا پیارے بیچ او بیچ نہ سب کو پہنچانا من ہو نرمل۔ دل ہو سچا۔ آپس کا برتاؤ سہانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ

(۲۱)

اے جگ داتا، انتر یامی، توجو چاہے کر ٹھگوانا آتم کو بھی ہندویش پر مایا گھیرے نہانا بانا
چال چلی دنیا الیلی کو سوں آگے بڑھا زمانہ مقبول احمد پوری

لے دارو ”معنی قربان کرو“ لے جگتوں کا ”یعنی اہل صلح کل لوگوں کا“ لے ”جاپ“ معنی وظیفہ و دھرم۔ دھرم بقولہ یارٹ وغیرہ
لے ”سندیس“ معنی پیام ”لے نزل“ معنی سنانہ۔ لے ”بھگوانا“ معنی اے بھگوان۔ اے قسام اول۔
لے آتم کو بھی یعنی روحانیت کا شہیدانی۔



(ڈراما) افرادِ متمشیل

لے لینا ایوانِ فخر پوپ :- (ایک بیوہ اور صاحبِ جانداں)
گر گری سٹی بیٹے سرفراز :- (موسطیٰ عسکر کا زمیندار)
لیوکا :- (مادام پوپ کا بوڑھا نوکر)

منظر :- مادام پوپ کا کمرہ۔

مادام پوپ (ماتحتی لباس پہنے ایک تصویر پر نظریں جمائے ہے) اور لیوکا (خادم)

مادام پوپ :- اور میں ہرگز گھر سے باہر نہ نکلوں گی
آخر کیوں نکلوں؟ میری زندگی ختم ہو چکی ہے۔ وہ قبر میں
مدفن ہے؛ اور میں نے اپنے آپ کو گھر کی چار دیواریں میں دفن
کر لیا ہے۔ ہم دونوں مر چکے ہیں۔

لیوکا :- بھیر دی قصہ؛ میں اسے سننا پسند نہیں کرتا۔
نکوئی علت کر چکا ہے اور یہ اہل بات حق — خدا کی مرضی میں
کسی کو کیا دخل — خدا مرحوم کو جو ارحمت میں جگہ دے
— آپ نے ماتم کیا اور میں ہی کافی ہونا چاہیے —
یہ ماتحتی لباس اور رن دا صونا تا عمر قائم نہیں رہ سکتا۔

لیوکا :- مادام یہ درست نہیں — آپ اپنے ہاتھوں
اپنی جان لے رہی ہیں — بادرچن اور مادام دونوں جنگ میں
بہرہ جینے کے لگے ہیں ہر ذی روح زندگی سے لطف اٹھا رہا ہے
حتیٰ کہ معمولی سی بلی بھی جانتی ہے کہ کس طرح خوش و خرم رہا جاسکتا ہے
— وہ اس دلت پرندے پر مڑنے میں مشغول ہے اور آپ تمام
دن بند کمرے میں قید رہتی ہیں جیسے کوئی راہبہ ہو — آپ کے لئے
کسی چیز میں بھی لطف نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں اگر خدا خیال تو
یکجہ۔ ایک سال سے کچھ عرصہ ہوا کہ جب آپ اپنے دلہن کے باہر
قدم تک نہیں رکھا!

میں اپنی بڑی عورت کو کٹھی دے چکا ہوں۔۔۔۔۔ میں نے غم کیا اور ایک ماہ کے قریب اس کی جدائی میں روز تارا۔۔۔۔۔ اس قدر اقام اس کے لئے کافی تھا اور اگر میں تمام عمر گریہ و زاری میں گزارتا تو وہ بڑی عورت اسے ماتم کے قابل نہ تھی (آہ بھرتا ہے) آپ اپنے چڑھوں کو بھول گئی ہیں۔ ملاقاتوں سے ملنا بیک کر دیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو بجا ہے کہ ہم چپک چپک ڈروں کے مانند ہیں۔۔۔۔۔ ہم دن کی روشنی کو نہیں دیکھتے۔۔۔۔۔ چڑھوں نے میرے کپڑوں کو کتر ڈالا ہے۔۔۔۔۔ اس طرح تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گرد و فواح میں کوئی اچھالنے والا شخص ہے ہی نہیں حالانکہ تمام قصبہ شرفارے بھرا ہے۔۔۔۔۔ ہمارے ڈروں ہی میں ایک جھنٹ ہے۔۔۔۔۔ دکھایا آنکھوں کے لئے ایک روح پرور نظارہ، بیکر میں ہر جمعہ کے روز قتل ہوتا ہے اور باجہ تو ہر روز ہی بھتا ہے۔۔۔۔۔ آہ! میری عزیز ما دام! آپ جوان ہیں اور خاص صورت بھی۔۔۔۔۔ گلاب کے پھول کی طرح حسین۔۔۔۔۔ آپ کو صرف نہ رہنا اور زندگی سے لطف اٹھانا ہی سزاوار ہے۔۔۔۔۔ حسن تاویز قائم نہیں رہ سکتا۔۔۔۔۔ یہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ دس سال کے بعد شاید آپ طاؤس کے مانند خوش ہر ناجا میں مگر بھیرہ وقت نصیب نہ ہوگا۔۔۔۔۔

ما دام پوپوف۔۔۔۔۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ آئندہ مجھ سے ایسی گفتگو نہ کیا کرو انھیں معلوم ہے کہ کوئی کی دفا کے بعد زندگی کی قدر و قیمت میری نگاہوں میں باقی نہیں رہی تبصیر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ میں زندہ ہوں مگر یہ صرف قریب نظر ہے۔ میں تم کھلائی ہوں کہ یہ سبہ لباس میرے تن سے ہرگز جدا

نہ ہوگا اور میری نظائیں ہیرونی دنیا کا مطالعہ کریں گی۔۔۔۔۔ کیا سنئے ہو؟ خدا کرے کہ اس کی روح میری محبت کا مشابہ کر رہی ہو!۔۔۔۔۔ ہاں! اور میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم پوشیدہ نہیں۔۔۔۔۔ وہ اکثر میرے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا تھا۔۔۔۔۔ ظالم اور۔۔۔۔۔ اور جتنی کہ بے وفاتھا! مگر میں آخری لمحہ تک دفا کے داس کو نہ چھوڑوں گی اور اسے بتا دوں گی کہ میں اپنی محبت میں کہاں تک ثابت قدم ہوں۔۔۔۔۔ تیری تاریخ چار دیواری میں بھی وہ اس حقیقت سے غافل نہیں رہے گا کہ میں بیہوشی رہی رہی جو اس کی موت سے قبل تھی۔

لیوکا۔۔۔۔۔ اس قسم کی گفتگو کرنے سے یہی بہتر ہے کہ آپ باغ میں چل قدمی کے لئے چلی جائیں۔ یا ڈوبی اور جانٹ کو گاڑی میں جوت کر اپنے پڑوسیوں سے مل آئیں۔۔۔۔۔

ما دام پوپوف۔۔۔۔۔ (روئے لگ جاتی ہے)

لیوکا۔۔۔۔۔ میری عزیز ما دام! کیا ہوا؟۔۔۔۔۔

ما دام پوپوف۔۔۔۔۔ وہ ڈوبی کا بہت شتان تھا ابھی کہی وہ باہر جاتا تو اسی گھوڑے کی سواری کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔ آہ! وہ کیسا خوب صورت سوار تھا۔۔۔۔۔ اس کی انگلیوں میں کفن ب کی فٹائی تھی جب وہ گھوڑے کی نگام کو اپنے پورے زور کے ساتھ چھیپا کرتا تھا۔۔۔۔۔ کیا تھیں یا دے۔ ڈوبی! ڈوبی!۔۔۔۔۔ گاڑی بائیں سے کہہ دینا کہ آج اسے ایک سیر دانہ زیادہ دیا جائے۔

لیوکا۔۔۔۔۔ بہت خوب! دام (زور سے گھنٹی بجتی ہے)

ما دام پوپوف۔۔۔۔۔ (چونک پڑتی ہے) دکھو کون ہو؟

بھیج دو کس قدر غیر ہند باندہ نسل ہے !

(لیوکا چلا جاتا ہے)

مادام پوپوف - یہ لوگ کس قدر تنگ کرنے والے ہیں !
آخر انھیں مجھ سے طلب ہے وہ میرے آرام میں کیوں خلل ہوتے
ہیں ؟ (آہ بھرتی ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھے ہتھی کی
خافہ میں دن گزارنے پڑیں گے (سوچتی ہے)
ہاں ! — خافہ میں

(لیوکا سرف سمیت داخل ہوتا ہے)

سمرفوف - داخل ہوتے وقت لیوکا سے، اوندھی کھوپڑی
تو بہت باوقافی معلوم ہوتا ہے، گدھا کہیں کا ! (مادام پوپوف کو دیکھ کر
دقارت سے، مادام میں آپ سے متعارف ہونے کا فیصلہ حاصل کرتا ہوں
— گر گری گئی پیٹخ سمرفوف زمیندار اور سابق فوجی افٹنٹ
— میں ایک نہایت ضروری معاملے کے سلسلہ میں آپ کو
تکلیف دینے پر مجبور ہوں۔

مادام پوپوف - (ہاتھ پیش کر کے) ہوتے ہیں آپ کی
کیا خدمت کر سکتی ہوں۔

سمرفوف - آپ کے مرحوم شوہر میرے ملنے والے تھوڑی سی
طرف دیہوں کے سلسلے میں میرے بارہ ہزار روپے ملے ہیں چونکہ
مجھے کل سا ہوا کہ ہنگ میں سود کی ایک رقم داخل کرنا ہے اسلئے
میں آپ کو یہ تکلیف دینے پر مجبور ہوں کہ وہ روپیہ مجھے آج عنایت
کر دیا جائے۔

مادام پوپوف - بارہ ہزار ! میرے
خاندان نے آپ کے روپیہ کس غرض کے لئے قرض لیا تھا ؟

کہہ دینا کہ میں کسی سے ملاقات نہیں کیا کرتی

لیوکا بہت اچھا مادام (دیا ہر چلا جاتا ہے)

مادام پوپوف - (تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے) بھوس
مختص معلوم ہوجانے گا کہ میں کس طرح محبت میں مصروف کر سکتی ہوں
— میری محبت صرف اسی صورت میں سرکسٹی ہے کہ جب میرا
دل پہلو میں حرکت کرنا بند کر دے (دوست ہوئے ہنس دیتی ہے)
اور کیا تم شرمندہ نہیں ہو؟ — میں نیک لڑکی ہوں —
ایک بار دہا بیوی میں نے اپنے آپ کو تیار کر لیا ہے۔ اور تمہاری
محبت میں تاؤم آخر ثابت قدم رہوں گی۔ اور تم — کیا
شرمندہ نہیں ہو تم گھٹے ؟ تم نے مجھے دھوکا دیا بیسیوں مرتبہ
مجھ سے لڑے جھگڑے۔ مجھے چھوڑ کر مقبول باہر ہے —
(لیوکا گھبرا یا ہوا داخل ہوتا ہے)

لیوکا - مادام ! آپ کے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں —

ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

مادام پوپوف - مگر کیا تم نے اس کو کہا نہیں کہ میں نے
اپنے خاندان کی دفاتر کے بعد ہر ملاقاتی سے ملنا تنگ کر دیا ہے ؟
لیوکا میں نے ان کو کہا مگر وہ سنتے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ
گفتگو اس قدر ضروری ہے۔

مادام پوپوف - میں کسی سے نہیں مل سکتی !
لیوکا میں نے یہی الفاظ اس سے کہے تھے مگر —
وہ تو ایک مکمل شیطان معلوم ہوتا ہے گالیاں مکتا ہوا دم کمرے میں
گھس آیا ہے۔ — اور اب کمرہ طعام میں موجود ہے۔

مادام پوپوف - تنگ آکر، اچھا ! اسے کمرے میں

سمرفوف - گھوڑوں کا دانہ خریدا تھا۔

مادام پوپوف - آہ بھرتے ہوئے لیو کا سے) بڑکا!
 بھونناست! آج ٹوپی کو ایک سیر زائد دانہ ملے (لیو کا چلا جاتا
 ہے۔ سمرفوف سے) اگر نکولی کے ذمے آپ کے کچھ روپے ہیں تو
 میں یقیناً وہ ادا کر دوں گی۔ مگر آج مجھے معاف نہ مائی
 میرے پاس فی الحال اتنی رقم موجود نہیں خانا ماں پرچوں تک شہر
 سے واپس آجائے گا میں اس سے کہہ دوں گی کہ آپ کا روپیہ
 ادا کر دے مگر اس سے پہلے میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی
 — اس کے علاوہ آج میرے خاندان کو وفات پائے پورے
 سات ماہ ہوئے ہیں اور میں اس وقت اس حالت میں نہیں ہوں
 کہ روپے کے معاملے میں کسی قسم کی گفتگو کر سکوں۔

سمرفوف - اور میں اس حالت میں ہوں کہ اگر کل روپیہ ادا
 نہ ہو سکا تو مجھے اپنے دماغ میں سپتیل کی گولی اتارنا پڑیگی —
 وہ میری جانمذاذ فروخت کر دیں گے۔

مادام پوپوف - پرچوں آپ کو روپیہ مل جائیگا۔

سمرفوف - میں روپیہ پرچوں نہیں بلکہ آج چاہتا

ہوں۔

مادام پوپوف - اگر میرے پاس روپیہ ہو تو نہ ہوتوں

کیا کر سکتی ہوں؟

سمرفوف - اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ ادا نہیں

کر سکتیں؟

مادام پوپوف - نہیں!

سمرفوف - ہوں! کیا آپ کا آخری جواب یہی ہے؟

مادام پوپوف - جی ہاں!

سمرفوف - آخری؟ — بالکل آخری؟

مادام پوپوف - بالکل آخری!

سمرفوف - بہت بہت شکریہ۔ مجھے یہ بات یاد رہیگی
 (اشافن کو جنبش دیتا ہے) اور پھر مجھ سے یہ توقع ہے کہ میں خارش
 ہوں! ابھی ابھی مجھ کو بکاری کے افسر نے مجھ سے دریافت کیا تھا
 ”گر گیری تم سو وقت شتم آؤد کیوں رہتے ہو؟“ اپنی جان کی قسم! یہ
 غصہ کہ کچھ مضبوط ہو سکتا ہے؟ — مجھے روپوں کی شدہ
 ضرورت میں اسی جستجو میں پرچوں دن بچھنے سے پہلے گھر سے
 روانہ ہوتا ہوں اور ہر قرض دار کے گھر پر دستک دیتا ہوں مگر
 کچھ وصول نہیں ہوتا۔ اب ذہیل کتنے کی مانند تھک کر چور ہو گیا ہوں
 خدا معلوم رات کہاں سہری تھی — ایک یہودی کے شراب خانے
 میں ولودکا کے پیسے کے ساتھ آخر یہاں پہنچتا
 ہوں یعنی گھر سے پورے پچاس میل دور۔ یہ امید لیے کہ مجھے روپیہ
 مل جائے گا مگر یہاں دماغی توازن درست نہ ہونے کا اندر پیش
 کیا جاتا ہے! — آخر میں اپنی طبیعت پر کس طرح قابو
 پا سکتا ہوں؟

مادام پوپوف - مجھے یاد ہے کہ میں آپ کے ایک مرتبہ

طو پر کہہ چکی ہوں کہ خانا ماں کی واپسی پر آپ کو روپیہ ادا کر دیا
 جائے گا۔

سمرفوف - میں آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں نہ کہ خانا ماں

سے! — مجھے اس شیطان — بے ادبی معاف —

ملہ روسی شراب۔

مجھے آپ کے خاناں سے کیا غرض ؟

مادام پوپوف معاف فرمائیے جناب میں اس قسم کے لفظ اور لب و لہجہ کی عادی نہیں ہوں — میں آپ سے گفتگو کرنا نہیں چاہتی (جلدی سے باہر چلی جاتی ہے)

سمرونوف اپنی جان کی قسم ! دماغی توازن ! اس کے خاندان کو دس سال پہلے ہرچکے ہیں۔۔۔۔۔ مگر بلا مجھے سوار اور کنا سے یا نہیں ؟ — اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا خاوند رکھا ہے تم غم کی حالت میں ہوا اور اسی طرح کی دیگر فضولیت میں گرفتار ہو تمہارا خاناں کہیں گیا ہوا ہے جہنم میں جائے ! — مگر میں کیا کروں ؟ — کسی خباثت پر

سمار کو رخصت خواہوں سے بھاگ جاؤں ؟ یا دوار سے سر پھونکر مرجاؤں ؟ میں گزروٹ کے ہاں گیا — مگر یہ نہیں ہے یا روشنی بخ چھپا ہوا تھا۔ کڑمیں کے ساتھ تھکڑا ہوا۔ اور مارپٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ مازوٹوٹ بھاگتا تھا اور اس کی طبیعت ناساز ہوا۔ ان تمام مغتوبوں میں سے کسی ایک بھی چھٹی کوڑی تک ! نہیں کی ! صرف اس لئے کہ میں ان سے نرمی کے ساتھ پیش آتا ہوں —

اس لئے کہ میں بے وقوف ہوں۔ گیا کڑا بڑھا ! میں نے ان کے ساتھ بہت مہذبانہ اور نرم سلوک کیا ہے مگر گھبرو تو یہی میں تمہیں بتا دوں گا کیا کر سکتا ہوں تم اب مجھے بے وقوف نہیں بنا سکو گے ! میں یہاں اس وقت تک چسپا ہوں گا جب تک کہ یہ مجھے روپیہ ادا نہ کر دے — اُٹ ! آج میری طبیعت کس قدر جوش کھا رہی ہے غصہ کی انتہا یہ ہے کہ سانس شکل سے چل رہا ہے —

اُٹ ! لعنت ! میں تو یہی سے اپنے آپ کو بھروسہ کر رہا ہوں

(چلتا تا ہے) ارے کوئی ہے ؟

(لیوکا آتا ہے)

لیوکا کیا ہے ؟

سمرونوف بھڑا سا پانی یا شراب لاؤ۔

(لیوکا چلتا جاتا ہے)

سمرونوف یہ بھی خوب خلق ہے ! ایک شخص کو روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے پاس بھڑی کوڑی تک موجود نہیں ! اور یہ صرف اس لئے ! اور انہیں کرسکی کہ اس وقت اس حالت میں نہیں ہے کہ روپے کے معاملے میں گفت و شنید کر سکے ! عورتوں کی منطق کی نمایاں مثال ! یہی وجہ ہے کہ میں عورتوں سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ میں نے کج تک پسند کیا ہے۔

میں تو کسی انگلیک مارے کے پیسے پر بیٹھنے کو عورت کے ساتھ گفتگو کرنے پر ترجیح دوں گا ! — اُٹ ! میں سرتاپا غصہ بن رہا ہوں — اس عکلی مٹی نے مجھے کس قدر غم انگیز کر دیا ہے ! بس جب کبھی اس قسم کی شاعرانہ ہستی دور سے بھی دیکھ پاتا ہوں تو میری ٹانگیں غصہ کی وجہ سے کانپنا شروع کر دیتی ہیں جی چاہتا ہے کہ پکاراٹھوں "مدو" "مدو" !

(لیوکا داخل ہوتا ہے اور اسے پانی کا کلاس دیتا ہے)
لیوکا۔ مادام کی طبیعت ناساز ہے اور انھوں نے طلاق تو سب سے ملنا بند کر رکھا ہے۔

سمرونوف۔ بھاگ جاؤ !

(لیوکا چلتا جاتا ہے)

سمرونوف طبیعت ناساز ہے اور طلاق تو سب سے ملنا بند

نشاید ہی خیال کیا ہوگا کہ کوئی راجن ہے (جانی لیتا ہے)۔۔۔۔۔
 اس حالت میں ملاقاتی کمرے میں داخل ہوتا ہندیکے سرسرخلاف ہر
 — گلاس میں کیا حرج ہے میں ملاقاتی نہیں ہوں —
 ایک قرض خواہ کے لیے سراسر مناسبت ہے۔
 (لیوکا داخل ہوتا ہے)

لیوکا۔ (گلاس دیکھتے ہوئے) جناب آپ آزادی سے
 کام لے رہے ہیں۔

سمرف۔ (غصے میں) کیا؟

لیوکا۔ کچھ بھی نہیں، میں صرف۔۔۔۔۔

سمرف۔ کسے گفتگو کر رہے ہو؟ چپ رہو اب!
 لیوکا۔ (اپنے آپ کے) یہ ضرور کوئی نہ کوئی آفت ہے، غالباً
 کوئی آندھی لے آئی ہے اسے۔

سمرف۔ آف! کتنا غضبناک ہو رہا ہوں، معلوم
 ہوتا ہے کہ میں تمام دنیا کو سر ہنسا دینا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔
 طبیعت واقعی خراب ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ (دیکھتا رہتا ہے)
 کوئی ہے؟

(مادام پوپف نکالیں بچی کئے داخل ہوتی ہے)

مادام پوپف۔ جناب تحلیلہ میں رہنے کے باعث میرے
 کان بہت عرصے سے انسانی آواز کے عادی نہیں، اور یہ شور و برخواست
 نہیں کر سکتے۔ میں آپ کے نہایت مودبانہ گزارش کرتی ہوں کہ میرے
 آرام میں خلل نہ ہو جیئے۔

سمرف۔ میرا روپیہ ادا کر دیجئے، میں چلا جاؤں گا۔
 مادام پوپف۔ میں وضع الفاظ میں کہہ چکی ہوں، میرا پاس

کر رکھا ہے، بہت خوب نہ ملے۔۔۔۔۔ میں اس وقت تک
 یہیں رہوں گا جب تک تم مجھے روپیہ ادا نہ کرو گے — اگر کٹھالی
 طبیعت ایک ہفتہ تک رست ہوگی تو ایک ہفتہ ہی میں یہاں قیام
 کروں گا۔ اگر کم از کم ایک سال بیمار ہوگی تو ایک سال تک ہی میں ہل
 ٹھہرا ہوں گا — مجھے اپنا روپیہ واپس ملنا چاہئے۔ میری
 بھی خاقون اٹھا رہے گاؤں کے ننھے کڑے اور یہ باجی لباس
 مجھے متاثر نہیں کر سکتے! ہم سب ان گڑھوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں!
 دھڑکی کے پاس جا کر جلاتا ہے، ہمتیوں! گھوڑوں کو ماہرے جاؤ،
 ہم آج نہیں جا رہے۔ صطل والوں سے کہہ دینا، گران کو ادا نہ کھلا دیا جا
 ارے! تم نے بائیں ہاتھ کے گھوڑے کی پھر باگ میں مانگ نہیں
 جانے دی ہے — وحشی کیس کے! (بڑبڑاتے ہوئے)
 خیر اب درست سے کھڑکی کے پاس سے چلتا رہا ہے، فضا کس قدر
 نرا ہے! اگر ہی ناقابل برداشت ہے اور کوئی شخص کوڑی تک ادا نہیں
 کرتا کل رات سخت بے چینی میں کاٹی ہے۔ اور اب یہ مائی عورت
 خرابی طبیعت کا بہانہ کر رہی ہے! — سر میں شدت کا درد ہے
 ۔۔۔۔ کیا درد کاٹے گا؟ — شاید مل جائے! (آواز)
 بلند کیا رہتا ہے، کوئی ہے؟

(لیوکا داخل ہوتا ہے)

لیوکا۔ کیا ہے؟

دود کا ایک گلاس لاؤ (لیوکا باہر چلا جاتا ہے) آف!
 بیٹھ کر اپنے کپڑوں کا امتحان کرتا ہے، عجیب عیبت بنی ہے! سر
 پیرنک غبار سے اٹا ہوں، کیچڑے بھرا ہوا بوٹ۔ بالوں میں کنگھی نہیں
 منہ کل سے نہیں دھویا۔ واسکٹ پر تنکے چڑے ہیں، اس خاقون نے

سمرفوف میں عورتوں کے ساتھ تہذیب گفتگو کرنا

جانتا ہوں۔

مادام پوپوف نہیں تم نہیں جانتے تم غیر تہذیب ناخستہ انسان ہو! مجھے لوگ عورتوں کے ساتھ اس قسم کی گفتگو نہیں کیا کرتے

سمرفوف - ادھو - یہ تو خوب ہے! ہاں یہ تو بتائیے کہ میں آپ کے طرز کی گفتگو کروں؟ فرانسیسی یا کسی اور زبان میں؟ زیادہ غضبناک ہو کر اندر لگدنگ، مادام! میں اس قدر خوش ہوں کہ آپ مجھے روپیہ ادا نہیں کریں تکلیف دہی کے لئے معافی کا طالب ہوں۔ آج کیسا پیارا دن ہے؟ اور یہ نامی لباس آپ کے جسم پر کتنا بھلا دکھائی دے رہا ہے (ادب سے جھکتا ہے)

مادام پوپوف - یہ بہت غیر مناسب اور دشنام لگنا ہے سمرفوف (سفر اڑاتے ہوئے غیر مناسب اور دشنام لگنا) میں عورتوں سے اچھی طرح گفتگو کرنا نہیں جانتا — مادام! مجھے ان چڑیوں سے کہیں زیادہ عورتوں سے سابقہ پڑا ہے جو آپ کی اب تک دیکھی ہیں میں عورتوں کے سلسلے میں تین ڈائیاں (رچکا ہوں) ہاں! کبھی وہ دن تھے کہ میں بالکل بے وقوف اور نا بوجھ تھا جذباتی اور شہد کی طرح شیریں بات بات پر جھک کر تھکتا تھا۔۔۔۔۔

دام الغت میں گرفتار ہوا اور سچ ڈالام ہے چاند کی محکوس روشنی دیکھ کر آپس میں ہیریں۔۔۔۔۔ میں نے دانشگری سے محبت کی ہر پہلو سے ثابت قدم رہا لعنت ہو مجھ پر! — نیل لٹھی کی طرح صنف لطیف کے حقوق پر غمہ آرائی کرتا رہا۔ اپنی نصف درستی نازک جذبے کی نذر کر دی — گمراہ — نہیں ہیرانی! اب تم مجھے اپنے دام میں نہیں پھانس سکتی ہو میں کافی سبق حاصل

اس وقت روپیہ روڑ نہیں۔ پرسوں تک انتظار کیجئے۔

سمرفوف میں بھی آپ کے واضح الفاظ میں عرض کر چکا ہوں کہ مجھے روپیہ کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ پرسوں نہیں بلکہ آج اگر آپ آج روپیہ نہ دیں گی تو کل مجھے اپنے آپ کو پھانسی پر لٹکا پڑے گا۔

مادام پوپوف مگر میں کیا کر سکتی ہوں جب کہ میرے پاس روپیہ موجود ہی نہیں؟ عجیب مصیبت ہے!

سمرفوف - تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ مجھے اس وقت روپیہ ادا نہیں کر سکتیں۔۔۔۔۔ نہیں کر سکتیں؟

مادام پوپوف - نہیں۔۔۔۔۔

سمرفوف - اس صورت میں میں نہیں ٹھہروں گا۔ اور اس وقت تک ٹھہرا رہوں گا جب تک مجھے اپنی رقم وصول نہ ہو جائے (بیٹھ جاتا ہے) روپیہ پرسوں ادا کیا جائے گا! بہت خوب! میں پرسوں تک یہیں بیٹھا رہوں گا — اسی طرح جا رہوں گا۔ (پھدک کر بچھڑ چکا ہے) کیا میں اپنا سودا گل ادا کرنے پر مجبور نہیں ہوں؟ یا اپنے پیچھے رکھا ہے کہ میں مذاق کر رہا ہوں؟ مادام پوپوف جناب میں استدعا کرتی ہوں کہ اس طرح شور نہ مچائیے — یہ صطبل نہیں ہے۔

سمرفوف میں صطبل کے متعلق آپ کے سوال نہیں کر رہا میں پوچھ رہا ہوں — کیا میں کل اپنا سودا ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟

مادام پوپوف - آپ عورتوں کے ساتھ تہذیبانہ گفتگو کرنا نہیں جانتے۔

مادام پوپوف۔ تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پھر محبت میں کون ثابت قدم رہتا ہے۔ مرد تو رہ نہیں سکتے۔

سمرنوف یقیناً مرد:

مادام پوپوف۔ مرد! بہتی ہے، مرد محبت میں سستے اور ثابت قدم! — یہ تو بالکل نئی بات ہے (ٹھٹھے میں) آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کا فیصلہ مرتب کریں؟ مرد سچے اور ثابت قدم! — اگر کسی کے متعلق گفتگو کرنی ہے تو میرا خاوندان تمام مردوں سے جو میرے ملنے والے تھے نسبتاً بہتر تھا۔۔۔۔۔ میں اس سے بہت محبت کیا کرتی تھی۔ ایسی محبت جو ایک زوجہ اور پاک باز عورت کر سکتی ہے میں نے بنی جوانی اس کی تذکرہ دی۔ زندگی۔ مسرت دولت سب کچھ جوئے کر دیا۔ وہ میرے جسم کی روح تھا۔ ایک بہت تھا جس کی میں بیکار بن کر رہی — اور یہ مرد جو اردوں سے بہتر تھا قدم قدم پر مجھے نہایت شرمناک طریقے پر دھوکا دیتا اس کی موت کے بعد مجھے نیز کا ایک خاصہ عشقیہ غلط سے بھرا ہوا ملا۔ اور جب وہ زندہ تھا!۔۔۔۔۔ (اس کی یاد کوں قدر ہشت خیز بنے) وہ مجھے مغفوں کے لئے کیلا جھوڑا یا کرتا تھا میری آنکھوں کے سامنے وہ بہت سی خورقوں سے اظہار عشق کرتا اور مجھ سے دعا کرتا تھا میرے رویہ کو بباد کرتا اور میرے احساسات کا ہضم کیا داتا تھا۔۔۔۔۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے میری محبت میں کوئی فرق نہ آنے پایا — اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں اب بھی ایسی ہی ثابت قدم اور دفاع کش ہوں میں نے ان چار دیواریوں کے اندر اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے قید کر لیا ہے۔ اور اس ماحولی میں میں اپنے تن سے ہرگز جدا نہ ہونے دوں گی۔

کرچکا ہوں! کالی بھون! مدھیری آنکھیں! لب لعلیں! چاہے غائب چاندنی سرگوشیاں! خوفزدہ سانس — میں اب ان چیزوں کے لئے تانے کا ایک میہ تک نہیں دے سکتا۔ مادام! آپ کو علیحدہ کرتے ہوئے، تمام عطرین خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی نظر تو چلے پھر جانے والی۔ بالٹونی! ازیت رساں۔ دروغ گو حیرت افانی اور ہر دم ہوتی ہیں — ان کی منطق سخت اشتعال انگیز ہوتی ہے اور اس صنف کے بارے میں اپنی پیشانی پر ہاتھ داتا ہے، میری صاف گوئی صاف! فلسفی کو جز نامہ لباس میں لبوس ہو چڑیاں بھی بہت پڑھا سکتی ہیں! آدمی کسی شاعرانہ ہستی کو دیکھتا ہے — سرتاپا سپیدیل میں لپٹی ہوئی، ایک فرشتہ۔ دیوی مجسمہ محبت! اور اگر وہ انکی روح میں جھانک کر دیکھے تو وہ ایک حقیر مگر مجھ سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی (ایک کرسی کا سہارا لیتا ہے۔ کرسی ٹوٹ جاتی ہے) مگر بے زیادہ مشغول کرنے والی چیز ہے کہ یہ گڑبگڑ کسی وجہ سے خیال کرتا ہے کہ اس کی خود مختاری اور جارح داری ہی محبت کا جذبہ ناپاک ہے! لیکن، لعنت ہو مجھ پر! — آپ مجھے اس کیل پڑا لٹا کر پھانسی دے سکتی ہیں۔ اگر کوئی عورت سوائے اپنے پالتو کتے کے کسی اور کی محبت میں ثابت قدم رہی ہو! اگر جس کے دوران میں غلوہ نہ نکالتی نہ کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔ — آپ بدبختی سے عورت ہیں اور اس لئے عورت کی فطرت کا مطالعہ آپ اپنے آپ کے کرتی ہیں! ایکن داری سے بتائیے کہ کیا آپ نے بھی کوئی ایسی عورت دیکھی ہے جو دفاتر شاعر ثابت قدم اور صاف دل ہو؟ — آپ ایسی مثال نہیں پیش کر سکتیں، ایک سنگیوں والی بلی آسانی سے مل سکتی ہے مگر دفاتر عورت ٹھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی!

مادام پوپوف تمھاری اس ضد پر میں ایک کوٹری تک بھی
ادانہ کروں گی۔ — بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔
سمروف: معاف کرنا تم میری بیابستا یا منو نہیں ہو
اس لیے اس قسم کا جھگڑا است کر رہے ہو (بھیج جاتا ہے) مجھے یوٹنگو ایک
آنکھ نہیں بھاتی۔

مادام پوپوف (غیر مذبانہ الفاظ سن کر حیران ہوتے
ہوئے) تم بیچ رہے ہو؟

سمروف: ہاں! ہاں!

مادام پوپوف میں درخواست کرتی ہوں تم یہاں سے
چلے جاؤ۔

سمروف: روپیہ ادا کر دو (ایک طرف ہو کر میں کس قدر
غضبناک ہو رہا ہوں۔)

مادام پوپوف میں ناشائستہ لوگوں کی گفتگو سننا پسند
نہیں کرتی۔ ازراہ عنایت یہاں سے چلے جاؤ (دراٹھر کر)
کیا نہیں جاؤ گے۔ — ہمیں جاؤ گے؟

سمروف: نہیں!

مادام پوپوف: نہیں؟

سمروف: نہیں!

مادام پوپوف: بہت اچھا ٹھہرو گھنٹی بجاتی ہے،
(لیوکا داخل ہوتا ہے)

مادام پوپوف: لیوکا! اس شخص کو دروازہ دکھا دو۔

لیوکا (سمروف کے قریب جاتا ہے، جناب! جب آپ
کہا گیا ہے آپ تشریف کیوں نہیں لے جاتے۔ یہاں ٹھہرے ہوئے

سمروف: (حقارت سے کہتے ہوئے) ماتمی لباس! معلوم
آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ جیسے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہوں کہ یہ سیاہ
سباغ میں کر چار دیواری میں مقید رہنے سے آپ کا کیا مطلب ہے!
— واقعی بڑا بڑا اسرار ہے — اور رومان انگیز! —
اگر کوئی نوجوان ہندی شاعر آپ کے گھر کے پاس سے گزرے گا تو وہ
کھڑکیوں کی طرف دیکھ کر یہ کہے گا یہاں وہ بڑا سرا و عورت رہتی ہے
جس نے اپنے خاندان کی محبت میں اپنے آپ کو گھر میں تید کر رکھا،
— میں ان تھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

مادام پوپوف (شرم سے سرخ ہوتے ہوئے) کیا؟ تم کہنے
کی کیوں کجرات کر سکتے ہو؟

سمروف: آپ نے اپنے آپ کو زندہ دہن تو کر لیا ہے مگر
چہرے پر غناہ لگا نا نہیں بھولیں!

مادام پوپوف: اس قسم کی نازیبا گفتگو کی تم کو کجرات
کر سکتے ہو؟

سمروف: ازراہ عنایت شوزنہ چھپائیے۔

میں خاسا مال نہیں ہوں! مجھے حق گوئی سے کام لینے دیجیے میں
عورت نہیں ہوں۔ اس لئے کھری کھری بات کہنے کا عادی ہوں
— شوزنہ چھپائیے گا۔ اب!

مادام پوپوف: میں خاموش ہوں۔ یہ تمہیں ہو جو اس طرح
چلا رہے ہو۔ — خدا کے لیے اب تم جاؤ۔

سمروف: روپیہ ادا کر دیجئے۔ تو میں ابھی چلا جاتا ہوں

مادام پوپوف: میں ہرگز نہیں دوں گی۔

سمروف: مگر آپ کو دینا ہوگا!

میں کوئی فائدہ نہیں —

سمرفوف (کرسی پر سے کود کر) زبان کو نگام دو دیا جانتے ہو کس سے گفتگو کر رہے ہو؟ — قہر بنا دو گنا خیال بیکر! لیوکا۔ (اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتا ہے) خداوند! درکسی پر بیٹھ جاتا ہے! آہ! میں بیمار ہو رہا ہوں! بیمار ہو رہا ہوں! سانس شکل سے چل رہا ہے!

مادام پوپوف۔ (دشا کہاں ہے؟ — ڈاشا! (پکار رہی ہے) دشا! بیلگیلا! (دشا گھنٹی بجاتی ہے) لیوکا۔ آف! — وہ بیٹھنے لگی ہیں — گھر میں کوئی بھی موجود نہیں — طبیعت سخت خراب ہو رہی ہے! پانی! مادام پوپوف۔ برائے ہر بانی یہاں سے چلے جائیے سمرفوف۔ (درازم گفتاری سے کام لیجئے۔) مادام پوپوف۔ (بٹھیاں بھینچتے ہوئے ادا اڈیوں کو بین پر مار کر) تم ریچھ ہو! — ایک جی ریچھ! بکواسی! دیو!

سمرفوف۔ کیا؟ کیا کہا؟

مادام پوپوف۔ کہتی ہوں تم ریچھ ہو — دیو ہو! سمرفوف۔ (کھڑے ہوتے ہوئے) معاف کرنا تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ میری اس طرح ہتک کرو؟

مادام پوپوف۔ ہاں! میں تمہاری ہتک کر رہی ہوں — پھر کیا؟ کیا یہ سمجھ رہے ہو میں تم سے خائف ہوں؟ سمرفوف۔ اور کیا تمہارے خیال میں ایک شاعرانہ چیز ہوتے ہوئے تمہیں شخص کی بے عزتی کرنے کا حق حاصل ہے؟ — دعوتِ مبارزت قبول ہو!

لیوکا۔ میرے اللہ! — پانی!! پانی!!

سمرفوف۔ ہسپتال!

مادام پوپوف۔ اگر تم مضبوط ہاتھوں کے مالک ہو۔ اور ساندولی طرح ڈکار سکتے ہو تو کیا تمہارا خیال ہے میں رجاؤں گی؟ سمرفوف۔ مبارزت کے ذریعے سے اس چیز کا فیصلہ ہو گا! مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ تم عورت ہو — ایک کمزور جلیف! مادام پوپوف۔ (سمرفوف کی آواز کو دہاتے ہوئے) ریچھ! ریچھ! ریچھ! ریچھ! ریچھ!

سمرفوف۔ اب وہ دقت نہیں رہا کہ صرف مرد ہی ہتک کے لئے سزا بھگتیں، اگر سادات قائم ہوتی ہے تو ابھی سے ہو گی۔ لغت ہو سب پر! تمہیں دعوتِ مبارزت قبول کرنا ہو گی! مادام پوپوف۔ ڈوئل چاہتے ہو؟ بہت خوشی سے! سمرفوف۔ ابھی اسی لمحے!

مادام پوپوف۔ اسی لمحے! میرے خاوند کے پاس ہسپتال تھے۔ میں ابھی لاتی ہوں (دبا ہر جاتی ہے۔ اور صلیب سے واپس چلی آتی ہے)۔ میں کس قدر خوش ہوں گی جب ہسپتال کی آہنی گولی تمہارے بھدے دماغ سے باہر ہو گی! لغت ہو تم پر! (چلی جاتی ہے)

سمرفوف میں اسے پرندے کی طرح آسانی سے گولی کا نشانہ بنا دوں گا! دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں! جذباتی اور روحانی انسان نہیں — عورتوں کے غم کے اور ادائیں میری نظر نہیں کچھ معنی نہیں سمجھتی۔

لیوکا۔ میرے اچھے صاحب! (گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر)

جنوری ۱۹۳۵ء

مادام پوپوف۔ یہ رہے سپتول۔۔۔۔۔ مگر قبل اس کے کہ کم
ایک دوسرے پر گولیاں چلائیں مجھے سکھا دو کہ سپتول کس طرح چلتا
ہیں۔ میں نے عمر بھر سپتول کو چھو آنگ نہیں۔

لیوکا۔ خدا رحم کرے! میں جا کر گاڑی والے اور باغبان کو
ڈھونڈتا ہوں۔۔۔۔۔ نہ معلوم یہ تکلیف کی آندھی کہاں سے نمودار
ہو گئی؟ (چلا جاتا ہے)

سمرفون (سپتول کا امتحان کرتے ہوئے) سپتول بہت
قسم کے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ تھک مہنی کے تیار کردہ ہیں۔
بہت اچھے ہیں۔۔۔۔۔ کوئی سو سو روپل کے قریب قیمت
ہو گی۔۔۔۔۔ دیکھئے سپتول کو اس طرح پڑیے گا (اپنے آپ سے)
کیسی حسین آنکھیں ہیں! کیسی رین آنکھیں ہیں!۔۔۔۔۔ ساحرہ
ہے!

مادام پوپوف۔ کیا اس طرح؟

سمرفون۔ بالکل درست۔۔۔۔۔ اب لبلبی کو ادھر
اٹھائیے۔۔۔۔۔ اس طرح نشانہ باندھیے۔۔۔۔۔ سر کو مکی سی جنبش
دیکھئے۔ ہاتھ کو لمبا لے جایئے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ پھر
اس نغی سی چیز کو رو باد تھکے اور پس مگر خیال رہے کہ لبلبی دبائے وقت
پریشانی ظاہر نہ پائے۔ اور نشانہ بڑے اطمینان سے لیا جائے ہاتھ
ہرگز ہرگز نہ کانپے!

مادام پوپوف۔ بہت اچھا۔۔۔۔۔ مگر یہاں اس کمرے
میں اڑنا درست نہیں۔ آؤ باہر باغ میں چلیں۔

سمرفون۔ چلو۔ مگر میں تو صرف ہوا میں گولی چلاؤں گا
مادام پوپوف۔ وہ کیوں؟

خدا کے لئے اس بڑے آدمی پر رحم کیجئے! یہاں سے تشریف لے
جائیے! میں پہلے ہی سے خوف کے مارے سر دھوا جا رہا ہوں۔ اور اب
آپ لڑ رہے ہیں!

سمرفون۔ (لیوکا کی بات پر کان نہ دھرتے ہوئے) ڈوئل!
واقعی نہ سادات ہے! اسی سے تو اصناف کی آزادی کا پتہ چلتا ہے!
میں اسے گولی کا نشانہ بنا دوں گا۔ مگر کتنی بہادر عورت ہے! اسے
لعن طعن کرتا ہے، کہہ رہی تھی! لعنت ہو تم پر! تمہارے بھتہ دماغ
میں گولی اتار دوں گی!۔۔۔۔۔ کیسی عورت ہے! اس کے
گال سرخ ہو رہے تھے، آنکھیں چمک رہی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے
مقابلہ منظور کر لیا! اپنی عزت کی قسم! آج سے قبل ایسی عورت کبھی دیکھنے
میں نہیں آئی!۔۔۔۔۔

لیوکا۔ اچھے صاحب! تشریف لے جایئے میں آپ کے لئے رہا
کیا کروں گا!

سمرفون۔ وہ واقعی عورت ہے۔ مجھے یہ جرات بہت پسند ہے!
سر سے پر تنگ عورت! جذبات کا شمع بھری ہوئی نہیں بلکہ سرایا شعلہ
ہے! تشنگی راہ۔ آتش بازی کا ایک چکر!۔۔۔۔۔ اس عورت کو
ہاک کرنے کے بعد مجھے واقعی افسوس ہو گا۔

لیوکا۔ (رد تلبے) جناب! یہاں سے چلے جایئے۔

سمرفون۔ یہ عورت مجھے پسند ہے! واقعی بہت پسند ہے!
گو اس کے گالوں میں گرٹے ہیں مگر کچھ بھی وہ مجھے بہت بھاتی ہے!
میں اسے تمام قرض بخش دوں گا۔ میرا غصہ کا فور ہو گیا ہے۔
خوب عورت ہے!

(مادام پوپوف روپتول بے داخل ہوتی ہے)

سمرفوف۔ اس لئے — اس لئے — کہ یہیری مرضی ہے۔

مادام پوپوف۔ اب ڈر رہے ہو؟ بابا! نہیں جناب اب میں حیل و حجت نہیں سنوں گی! بہر بانی کر کے چلے۔ میں اُس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتی جب تک آپ کے سر میں گولی نہ اتر جائے اس سر میں جس سے مجھے سخت نفرت ہے! کیا واقعی ٹال رہے ہو؟

سمرفوف۔ واقعی!

مادام پوپوف۔ سر سر جھوٹ! — مگر تم لڑنے پر آمادہ کیوں نہیں ہو؟

سمرفوف۔ اس لئے... اس لئے....

کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔

مادام پوپوف۔ (زہریلی مسکراہٹ) مجھے پسند کرتا ہوا یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے (دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تم جاسکتے ہو!

سمرفوف۔ (خاموشی سے لیٹول ہاتھ سے رکھ دیتا ہے) ٹوپی اٹھا کر چلنے لگتا ہے مگر دروازے کے قریب ٹھہر جاتا ہے نصف لمحہ تک وہ ایک دوسرے کی طرف خاموش نگاہوں سے دیکھتے ہیں — مادام پوپوف کی طرف جا کر کیا آپ بھی تک ناراض ہیں؟ —

مگر آپ جانتی ہیں — آہ! میں اپنا مفہوم کس طرح ادا کروں؟ — دیکھئے حقیقت یہ ہے — یعنی معاملہ یوں ہے — دیکھو الفاظ میں (دروازا ہے) مگر یہ میرا قصور نہیں ہے کہ

میں تمہیں پسند کرتا ہوں (کرسی کا سہارا لیتا ہے کرسی بٹ جاتی ہے) لعنت! تمہارا رانچی سامان کس قدر نازک ہے! میں تمہیں پسند کرتا ہوں؟ — سمجھتی ہو؟ — تمہاری محبت میں گرفتار ہوں۔

مادام پوپوف۔ دور ہو جاؤ! مجھے تم سے سخت نفرت ہے! سمرفوف۔ میرے معبود! کیسی نادر عورت ہے! اکلم اکلم آج تک میری نظر سے اس قسم کی عورت نہیں گزری — میں برباد ہو گیا ہوں! تباہ ہو گیا ہوں! — اس سچے کی مانند ہوں جو نیچو میں گرفتار کر لیا گیا ہوا!

مادام پوپوف۔ بھاگ جاؤ۔ ورنہ گولی چلا دوں گی۔ سمرفوف۔ چلا دو! تم سن سرت کا اندازہ نہیں کر سکتی ہو جوان و خشاں آنکھوں کے سامنے مرنے سے ایک شخص کو نصیب ہو سکتی ہے — ان مچلی ہاتھوں میں پڑے ہوئے پستول سے ہلاک ہونا! — دیوانہ ہو گیا ہوں! سوچ کر ابھی ابھی فیصلہ کر لو کہ کیونکر میں ایک دفعہ یہاں سے چلا گیا تو پھر ملاقات بہت مشکل ہے! فیصلہ کرنا! — میں اچھے خاندان سے متعلق

رکھتا ہوں شریف آدمی ہوں۔ دس ہزار روپے ماہوار معقول آمدنی بھی ہے — نشانے میں اتنا ماہر ہوں کہ سکتہ ہوا میں اچھا کر دو کھڑے کر سکتا ہوں — میرے اسٹیل میں اچھے سے اچھے گھوڑے موجود ہیں — کیا میری بوی منہ قبول کرتی ہو؟ مادام پوپوف۔ (حقارت سے پستول کو اٹھاتے ہوئے) ڈوئل! ہم فیصلہ کر لیتا چاہیے!

سمرفوف۔ میں دیوانہ ہو گیا ہوں — کچھ سمجھیں نہیں

آسا دیکھتا رہے، کوئی ہے! یانی!

مادام پوپوف۔ (چلاتی ہے) کہہ رہی ہوں ابھی فیصلہ ہونا چاہیے!

سمروف۔ میں پاگل بن گیا ہوں! ایک لڑکے کی طرح محبت میں گرفتار ہوں۔ بیوقوف کی مانند! اس کا ہاتھ پکڑتا ہے! وہ چلاتی ہے! میں تم سے محبت کرتا ہوں گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر! ایسی محبت جو میں نے آج سے پہلے کسی سے نہیں کی۔ بارہ عورتوں کو ٹھکرا چکا ہوں اور مجھے ٹھکرا چکی ہیں۔

مگر اب بالکل موم ہوا جا رہا ہوں۔ کھیر کے مانند نرم گھٹنوں کے بل گر کر گتھیں اپنا دل پیش کر رہا ہوں۔ کس قدر غیر دانش مند ہے! میں نے مدت سے کسی سے دل نہیں لگایا۔ اس لیے کہ میں حلف اٹھا چکا تھا مگر یہاں شکست ہوئی جاتی ہے۔ دل پیش خدمت ہے بتاؤ۔ ہاں یا نہیں؟ بہت اچھا نہ ہی! (اٹھ کر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھتا ہے) اچھا۔

مادام پوپوف ٹھہرو!

سمروف۔ (ٹھہر کر) کیوں؟

مادام پوپوف۔ کچھ نہیں۔ جاؤ! مگر تیرے ٹھہرو تو

نہیں نہیں۔ جاؤ! میں تم سے متفرب ہوں!

نہیں! مت جاؤ! آہ! اگر گتھیں صرف اتنا معلوم ہو کہ میں کس قدر شرمناک ہوں! اپنی بے بسی پر ہنسنے لگی ہوں اس خوفناک چیز کے پچھلے سے جس ہو گئی ہیں (اپنے رومال غصہ میں بھاڑتی ہے) کھڑے کیوں ہو؟ جاؤ!

سمروف۔ خدا حافظ!

مادام پوپوف۔ ہاں، ہاں، جاؤ! (بآواز بلند پکارتی ہے) کہاں جا رہے ہو؟ ٹھہرو تو۔ نہیں تم جاسکتے ہو۔ آہ طبیعت کس قدر غصے سے بھری ہے! نزدیک مت آنا! میرے نزدیک مت آنا!

سمروف (اس کی طرف جاتے ہوئے) میں اپنے آپ کے کتنا خفا ہوں! سکول کے لڑکے کے مانند محبت میں گرفتار ہوں۔ گھٹنوں کے بل گر رہا تھا۔ یہ خیال مجھے سرور کرتا ہے۔ تم سے اس طرح محبت کرتا ہوں جیسے میں دہائی (۱۸۷۵ء) میں گرفتار ہونا چاہتا تھا!۔ کل مجھے سوویک تم داگنی ہو۔ گھاس کا موسم شروع ہے۔ اور ان سب چیزوں سے پہلے تمھاری محبت نمودار ہو گئی ہے۔ (اس کی کمزری بازو دالتا ہے) میں اپنے آپ کو ہرگز معاف نہ کروں گا!

مادام پوپوف (چلا کر) چلے جاؤ! اپنے بازو ہٹاؤ!۔ میں تم سے سخت متنفر ہوں۔ تمھیں دعوت مبارزت۔ قبول۔ کرنا۔ ہوگی (ایک لمبا بوسہ)

(لڑکا کھڑکی سے سلم باغبان کدال پکڑے۔ گارڈیان لوسے کا پتہ پتھا ہے اور دروازہ کھینچا اٹھا ہے داخل ہوتے ہیں) لڑکا (دونوں کو نگاہیں دیکھ کر) میرے عبور!!

(ایک وقفہ)

مادام پوپوف۔ (آنکھیں جھکا کر) لڑکا! بھٹیل میں کہہ دینا کہ تو بی کو ایک سیر زائید واندنہ دیا جائے۔

(پروہ)

سعادت حسن

جہاں ریحانہ رہتی تھی

(ایک غریب نظم کے تاثرات)

”ہمایوں میں یہ نظم پہلے غیر مکمل صورت میں چھپ چکی ہے۔ اب حضرت اخضر شیرانی نے لوری نظم لکھ کر ہمیں نہایت فرمائی ہے۔

یہی وادی ہے وہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی
وہ اس وادی کی شہزادی تھی اور شاہانہ رہتی تھی
کنول کا پھول تھی سندس سے بیگانہ رہتی تھی
نظر سے دور مثل نکہت مستانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

یہ پھولوں کی حیر، آبادیاں کا شانہ نہیں اس کا
وہ اک بت تھی یہ بیماری وادیاں بجانہ نہیں اس کا
وہ اک دیوی تھی مثل عظمت تحنہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

انہی صحراؤں میں وہ اپنے گلے کو چراتی تھی
انہی چشموں پر وہ ہر روز نہ دھیلے کو آتی تھی
انہی ٹیلوں کے دامن میں وہ آزادانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

مرے ہمدم یہ نخلستان اک دن اس کا مسکن تھا

اسی کے خمی، آغوش میں اس کا ٹھمن تھا
وہ اس شاداب دیرانے میں بے باک نہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

وہ اس ٹیلے پہ اکثر عاشقانہ گرت گاتی تھی
عرب کے جگمگوں کے فسانے گنگنا تی تھی
یہیں پر منتظر میسری وہ بے تابانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

یہ دیرانہ گزرجس میں نہیں ہے کاروانوں کا
جہاں ملتا نہیں نام و نشان تک ساریانوں کا
اسی دیرانے میں اک نہ مری ریحانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

تمدن کی ہوا اس خاکِ اقدس تک نہ آئی تھی
یہ وہ خط تھا جس میں روحِ فطرت کی خدائی تھی
وہ اس خطے میں مثلِ سبزہ بیگناہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

وہ گیسوئے پریشاں یا گٹھائیں رقص کرتی تھیں
فضائیں وید کرتی تھیں، ہوائیں رقص کرتی تھیں
وہ اس فردوسِ مجدد و رقص میں مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

شمیم زلفِ اُس کی ہلک جاتی تھی کل وادی
نگاہِ مست اُس کی، ہلک جاتی تھی کل وادی
ہو امیں پر فشاں، روحِ مے و میخانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

کج روں کے تلے، وہ جو کھنڈر سے جھملا تے ہیں
یہ سب یکانہ کے معصوم افسانے سناتے ہیں
وہ ان کھنڈروں میں اک دن مورتِ فسانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم۔ جہاں ریحانہ رہتی تھی

اُسے پھولوں نے میری یاد میں بیتاب کیجا ہے
تاروں کی نظر نے رات بھر بخواب دیکھا ہے
وہ شمعِ حق تھی پر صورتِ پروانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم۔ جہاں ریحانہ رہتی تھی

یہیں مانند گہنائے حبس رہتی تھی ریحانہ
مثالِ جو رفدوسِ بریں رہتی تھی ریحانہ
یہیں رہتی تھی ریحانہ۔ یہیں ریحانہ رہتی تھی
یہی وادی ہے وہ ہمدم، جہاں ریحانہ رہتی تھی

اختر شیرانی

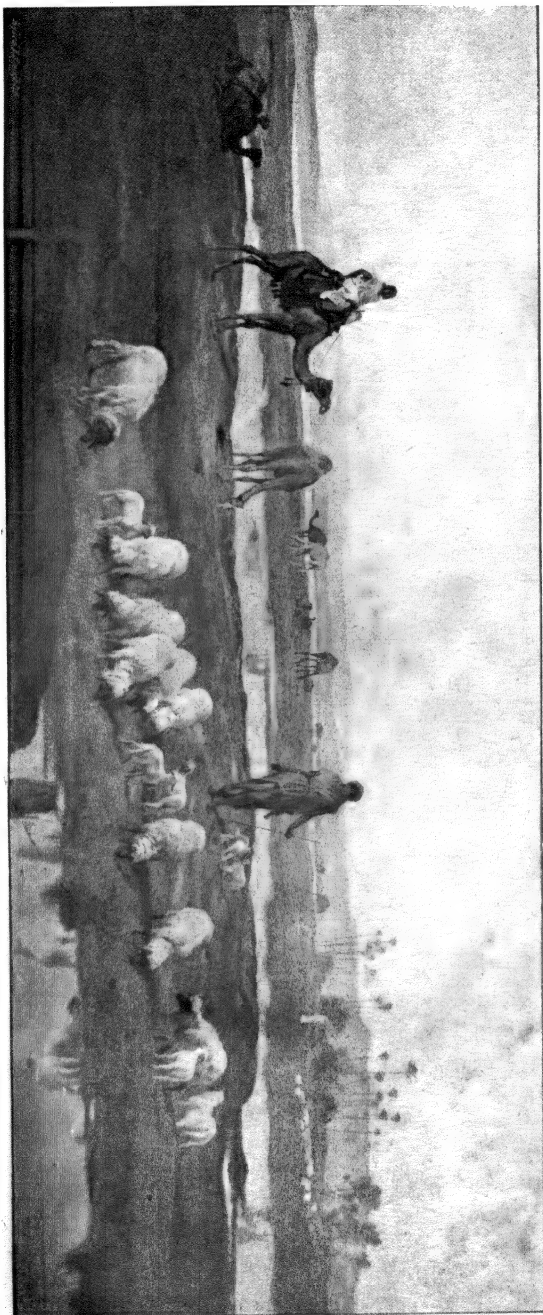
رنگین وادی

افق کے اُس طرف کہتے ہیں اک رنگین وادی ہے

وہاں رنگینیاں کہ سار کے دامن میں سوئی ہیں
 گھوٹوں کی ٹہنتیں ہر چار سو آوارہ ہوئی ہیں
 وہاں نغے صبا کی نرم رومبجوں میں رہتے ہیں
 وہاں آبِ رواں میں ستیوں کے رقص بہتے ہیں
 وہاں ہے ایک دنیا ئے توئمہ آبشاروں میں
 وہاں تقسیم ہوتا ہے بسمِ لالہ زاروں میں
 سہرے چاند کی کرنیں وہاں راتوں کو آتی ہیں
 وہاں پر بیاںِ محبت کے خدا کے گیت گاتی ہیں
 کنارِ آبِ جن و عشقِ باہم سیر کرتے ہیں
 گئی گذری غلط فہمی کا ذکر خیر کرتے ہیں
 وہاں کے رہنے والوں کو گنہ کرنا نہیں آتا
 ذیلِ بیخند ل جذبات سے ڈرنا نہیں آتا
 وہاں اہلِ بیت کو نہ کوئی بغض کرتا ہے
 وہاں اہلِ محبت کو نہ کوئی نام دھرتا ہے
 محبت کرنے والوں کو وہاں رسوا نہیں کرتے
 محبت کرنے والوں کا وہاں چرچا نہیں کرتے
 ہم اکثر سوچتے ہیں تنگ آکر کہیں پسل دیں
 مری جاں لے لے مے خواہوں کی لانی میں چا دیں

افق کے اُس طرف کہتے ہیں اک رنگین وادی ہے

نذیر منزاہر لاس مہدی



مغربی ایشیا کی ایک وادی



توتا هوا برتن

فلسفہ جمالیات

جمالیات یا فلسفہ جمالیات پر ہمارے ہاں جسے لٹریچر کہتے ہیں نام کو نہیں۔ شاعر حسن چٹیا کرتے ہیں لیکن اس کی ماہیت سے ان میں سے اکثر دشمنیت لائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا شاعری ہمارا تنگ حسن و عشق کا تعلق ہے۔ دوسرے جنسی دائرے میں محدود ہو گئی اور شاعر کا زاویہ نگاہ چہرے اور انگلیٹ سے آگے نہیں بڑھا۔ تاکہ سارا ملاحظہ منظر وسیع ہو، ورنہ ہماری ذہنیت کو حسن کی عالمگیری اور اس کے نیزنگ کا احساس ہوجس کا نتیجہ ترکیب نفس اور تنزہ ذات ہے آج کی صحبت کے لئے یہ موضوع اختیار کیا گیا۔ اس موضوع پر آنے سے پہلے یہ بنا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو میں کیا ہے اس لئے اس تحریر میں آپ کو کئی نئے لفظ اور ترکیبیں ملیں گی۔ یہ امر ناگزیر تھا۔ کوشش یہ ہوگی کہ مشکل پسندی سے احتراز رہے اور ضرورت پر اصطلاحیں ایسی وضع کی جائیں جو عام فہم ہوں۔

یورپ کے ایک فلسفی کا قول ہے کہ عالم حواس یا اندر بنا دنیا میں جسے ہم حسن یا پسندین کہتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح جنسی تعلق سے وابستگی رکھتا ہے لیکن پھولوں کی رنگ دلوے متعلق یہ بات نہیں۔ مگر پرندوں کے بال و پو کی رنگینی جیک دمک اور ان کی غنیمت سرائی دونوں قبول ڈاروں کے جنسی انتخاب کی نتیجہ ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض حسرات الارض کا رنگ و روغن بھی اسی قبیل سے تعلق پاتا ہے ایک عجیب بات ذکر کے قابل یہ ہے کہ یہ خاصہ (جنسی تعلق کا جو بہترین جنسی پیداوار کی ترقی کے نشاۃ عمل پیرا ہوا متعلقہ ہستیوں کو باہم دلکش بنانے کے علاوہ کبھی سہانا معلوم ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو گل اور کوہسار ہماری نظر میں سونے نئے پر شاہد بہت دچکے ہیں کہ حسن انسانی کا تصور زیادہ تر اسی عنوان سے کیونکر پیدا ہوا

جمالیات انھیں پابند ہے کہ انھیں حسن کا عنصر جنسی تعلق سے پیدا ہوتا ہے جمالیات کے متبعوں پر اس قدر حاوی ہے یعنی۔ موسیقی، ناٹک، افسانہ اور شاعری پر کہ وہ ایک نیا جامہ پہنتا ہے جب ہم یہ تحقیق کرتے ہیں کہ وہ اندریوں کی ہمبستی میں کہاں تک آ رہی ہے۔ جو کچھ ابھی کہہ گیا وہ باحسن کے نیچرل سائنس یعنی طبعی کیمیت و کیفیت پر جنسی تھا۔ اب تک حالت یہ رہی ہے کہ علم نفسیات ارتقا کے اصولوں کی بحث سے معصوم رہا ہے۔ اب تک اس کی نظر میں ذہنی زندگی کے مظاہر ویسے ہی منعکس رہے جیسے کہ وہ ظاہر میں ہیں۔ اس کی کوشش صرف ان کے مشاہدہ اور ادراک تک محدود رہی۔ ان کی علت غائی اور یہ کہ کون کون سے عناصر حطے کر کے وہ مروجہ صورت تک پہنچے کس طرح اجمال سے تفصیل کی صورت یہ بکڑی۔ ان کا کوئی باطل محفل ہو گیا اور کون انہج و فوغل کا عامل ہوا۔ ان امور کی جانب توجہ نہیں کی گئی۔

یہی حالت جمالیات کی رہی اور دینی ہی تھی کیونکہ ظاہر ہے جو تعلق اس کا غیبات سے ہے۔ اندھا دھند اصول قائم ہوئے جو عموماً انسان کے ذہن پر چھائے گئے۔ چونکہ جس کے احساس کی جیسا کہ وہ عہد حاضر میں اثر کرتے کسی عملی تجربے یا حواس کے قابل اور اک طرف اپنی سے تعبیر نہیں ہو سکتی اس وجہ سے سینکڑوں فلسفیوں نے افلاطون سے لے کر آج تک ایسے حکماء و دعوے پیش کئے ہیں کہ یہ احساس صرف ان منتر مظاہر سے ہے جو انسان میں مافوق الانسان عنصر کا پنہ دیتے ہیں۔

اس فلسفیانہ بحث کو ہمیں چھوڑیے اور جمالیات کے تسلی پر دوسرے پہلو سے نظر ڈالیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نظام افلاطون اور زمانہ فضا اور حادث کے تصور کی طرح ہمارا منظر جن بھی آجکل کی حالت کو نظر میں رکھتے ہوئے کال بنیں تسلیم کیے جا سکتے ہیں اگر انہماق و تقسیم سے واسطہ رکھا جائے لیکن تحقیق کرنے کے بعد یہ نظریہ جمالیات کے متعلق یہ صورت کیونکر پیدا ہوئی۔ یہ نہایت عجیبہ سلسلہ ہے لیکن نہایت سادہ تھا۔ آج ہم حتمی کا حرف ایسے بہت سے مظاہر کے لئے کرتے ہیں جن کی نوعیت مختلف ہے اور جن سے ہمارے مختلف حواس متاثر ہوتے ہیں مثلاً موسیقی۔ تصویر کشی۔ کوئی گلریں یعنی سین۔ ایک اثنا یا سمندر کا طرفان ایک نظم اور مرصع زیور وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ہم بہت سے احساسات کو جو آپس میں متضاد ہوں جمالیات کی ذیل میں قرار دیتے ہیں جیسے سمندر کے نتیجہ اور موج کی ہیبت ناک کیفیت کا تعجبی احساس یا ایک رشتہ بنہ راد کی کھینچی ہوئی تصویر جس کے دیکھنے سے سکون اور اطمینان ہوتا ہے یا ایک عائشانہ عمارت کی پسندیدگی۔

جمالیات پر ابعد الطبیعیات کی رو سے بہت استدلال کیا گیا ہے تاکہ اس انفرادی کو اتحاد کا رنگ دیا جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی ہم بھی ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کی سببیں اور سببیں دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے اس کے کہ متعدد مختلف اور متضاد مظاہر کو زیر و زنی گڈمڈ کر کے فلسفہ کی رچیں ہمارے ہم ان کا جدا گانہ تجزیہ اور تازہ کر کے ان کی ہمیت کڈانی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

ایک خصوصیت تمام جمالیاتی احساسات میں مشترک ہے یعنی وہ ناگوار نہیں ہوتے۔ گو اگر احساسات جو مختلف قسم کے احساسات ہم میں پیدا کرتے ہیں مختلف انداز و ذرائع سے پیدا ہوتے ہیں۔ پیچیدہ خوشگوار اور ناگوار احساسات کی تشریح کرنی لازم ہے خوشگوار احساسات وہ ہیں جو اس اقسام یا اس کے تصور سے پیدا ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح فرد یا جماعت کی نفع کے حق میں مفید ہوں۔ ناگوار احساسات اس کے برعکس ہیں۔

اب دیکھئے خوشگوار احساسات جس کی ایک خوبصورت دہان یا لفظ عام اور معروف معنی میں استعمال ہوا ہے اسے ہماری ذات میں محرک ہوتی ہے وہ اپنی اصلیت میں ہمارے دوسرے احساسات سے مختلف نہیں ہوتے۔ وہ اس امر واقعہ کا نتیجہ ہوتے ہیں کہ انکھل جو کچھ ہمیں خوبصورت معلوم ہوتا ہے وہ دراصل فرد اور جماعت کے لئے مفید یا خطرناک تھا یا یہ ہوا ہوگا کہ ان لوگوں کو پہلے پہل بغیر اور نفعت بکشن مظاہر سے سابقہ پڑا ہوگا اور وہ (امروا فدا) الترائان سے وابستہ کر دیا گیا۔

جو مظاہر خلوص و محبت محسوس ہوتے ہیں ان کو دوسروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ یا نافرذ واحد کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں یا بسلسلہ و جماعت سے اور انہم میں دشال بہن اور تناسب آتے ہیں اور دوسری قسم بالذاتہ جو بصورت یا کلمے محبین اور نذر پر منحصر ہے۔ جمالیات کی ٹیکھیں استعمال میں عموماً گڑبگڑی جاتی ہیں۔ اور ان کی تاویل اور استعمال اکثر غلط ہو کر نہا ہے اور اس وجہ سے کہ ان کے مفہم جدا گانہ ہیں ان کے باہم اعتبار قائم رکھنا چاہیے۔ ہم اگلے بیان میں ان میں سے ہر ایک سے بحث کریں گے اور اس تعلق کے ادراک کی کوشش کریں گے جو ان کو فرد اور سلسلہ کی جبلت محفوظ کے ساتھ ہے۔

وشال - وشال فردمدک او منظر با حاد و طبیعی کے درمیان از عدم تناسب اور فرد مذکور اس منظر کی قطعاً فوقیت عنایت کا احساس ہے ہر چیز جو بوی بہت ہی بڑی اور عظیم الشان اور بارعب ہو وشال میں کا ان پر پیدا کرتی ہے جیسے قلب کی لاکھ سیندر اور پکار وغیرہ وشال کے احساس کی نہ میں جو احساس ہے وہ یہ ہے کہ اس منظر کے مقابل میں میری کیا ہستی ہے اس کا احاطہ کرنا یا اس پر غلبہ پانا میرے بس کی بات نہیں بہرہ احساس میریت سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اس لئے کہ گایا کہ وہ اصل میریت نہیں یا کئے میں نہ انہیں بلکہ صرف بارعب ہے میریت میں آپ کو دوسری طرف سے چٹھوں کا خوف ہوتا ہے عرب میں نہیں ہوتا۔ وشال کا احساس انسان کے ذہن میں اس کی بے یضاحتی اور اس کے ناچیز ہونے کا تصور اور ضرور پیدا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یقین بھی پیدا کرتا ہے کہ اس گرائڈل منظر سے جنگ کی ضرورت مغنوب ہے اور یہ کہ اس کی مرعوب کرنے والی فوقیت مشاہدہ کرنے والے کو عدم آبا و انبیاں پہنچا دے گی ہم ماحصل پر پکڑے ہوئے سمند کا سخت طوفان اور اس میں ایک ڈوبنا ہوا جازو کیچھے میں اس وقت جس قسم کا احساس ہمارے ذہن کو ہوتا ہے انہی قسم کا احساس وشال کے مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے یعنی سخت عرب کا اندازہ بخیر درستی کہ وشال ایک فرد کی جبلت محفوظ دانی سے نہایت قریبی تعلق رکھتا ہے۔

موتوں - موتی وہ احساس ہے جو ان مظاہر سے پیدا ہوتا ہے جو ایک معین رفتست میں حواس کے اندر بہت سے خیالات مترم

موتوں۔ موتی وہ احساس ہے جو ان مظاہر سے پیدا ہوتا ہے جو ایک مضمین و فتنس عواس کے اندر بہت سے خیالات قسّم کرتا ہے اور ادراک عقل اور رائے کے مرکزوں میں فرحت ناک و کاوت کو سمیٹ کر رکھتا ہے ایک نصف ادھی دیوار بینی وہ دیوار جس میں کھڑکی دروازہ جھوک لنگھو راہ اوچھا وغیرہ کچھ بھی نہ ہو۔ باصرہ کو دھڑھوتی ہے کیونکہ صرف ایک واحد انعام وقوع پذیر ہوتا ہے جس سے دماغ انسان سناڑ نہیں ہوتا جس فدا میں کی فحوت دریافت کرنے کے لئے ضروری ہے جب کہ دوسری دیوار جو جھوکوں کھڑکیوں اور کارلسوں وغیرہ سے مزین ہو ایک موجب والا ترمید کرتی ہے کیونکہ وہ ایک نظر میں بہت سے باصرہ فوئاد انعام پیدا کرتی ہے اور دماغ کو اس کی فحوت دریافت کرنے میں مصروف کر دیتی ہے جو شے ایک دھال ہیومی جس میں کسی طرح بھی متورع نہ ہو وہ سبط ہونے کی حالت میں و شالی

سلسلہ واضح ہو کہ میں ان الفاظ کو اصطلاح حقیقت دینے کی ہر ذرت محسوس کرتا ہوں اور سب الفاظ قابل اورد کے لئے معجون میں ایک لفظ و تسلسل خوف کے لئے کفر کو پورا معلوم ہوتا ہے لفظ سکوت کا ہے جو تہذیب میں بہت رائج ہے جسے نہایت جاہل یا کسی حد تک غلط انسان کو دیکھ کر کہ وہ کب نہ کہے کی وجہ سے خوف سے انکاری ہو سکے دشمن دشمن سے دشمن نہ کر سکتے ہیں۔ اسی میں عضو کو چھو کر اندر زیادہ زیادہ ہے کیونکہ بعضی اہل نفسیاتی اصطلاح اندی کے میں تصور اس کا ماحول میں جب دیوانہ سے دیوانہ بن گیا تو اندی سے اذیتا نہ بھی نہ کر سکتے ہیں۔

تاشکی موجب ہوتی ہے لیکن ہون میں ایسا نہیں ہونا مختصر یہ کہ جس چیز کے ادراک میں دقت ہو جس کا پھیلاوا بہت ہو جس میں تفصیلی ہوتا ہو وہ چیز مومن سے محروم ہوتی ہے۔

متناسب - متناسب یا سڈول ایذا ایسا احساس نوید انہیں کہ قیض جیبا حین شے کرتی ہے لیکن وہ اطمینان بخش ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ احساس بھی خوشگوار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی متناسب کو اکثر جسمیں سے خلط ملط کر دیتے ہیں جو خلط ہے متناسب جلد دلتیں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مطالبہ نظرت کے ندیونی قوانین کے انسانی تصور کا ہم آہنگ ہوتا ہے۔ ایک محدود بینا جراحی چوٹی پر یعنی اٹھ کھڑا ہون کے منافی معلوم ہوگا کیونکہ وہ غیر متناسب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ساخت سہل مرکزی اور اس سے استخراج نوازن کے تصور سے قنابن ہے۔ ہمارے خیال میں یہ آنا ہے کہ وہ اس کیلئے سے بہت مدت قائم نہیں رہے گا بعض صورتوں میں عادت بھی ایک رکن محال کا منصب رکھتی ہے۔ پہلے لوگ کڑی رنگوں کی جمعیت دالے لکھانوں میں رہنے کے عادی تھے جب مضمونال کنکریٹ کی چھنیں پہلے پہل سنیں تو وہ بہت گھبرائے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ جھپٹیں ایک دم بچھ جالیں گی۔ اسی طرح جب انسان نے پہلے پہل گھنڈا درخت دیکھا ہوگا کہ وہ ایک نسبتاً کم مساحت کے تنے پر کھڑا ہے اور اوپر سے اس کا رقبہ اتنا بڑا اور پھیلا ہوا ہے تو ضرور اسے یہ لگان ہوا ہوگا کہ یہ اب گرا کر اب گرا کر کیونکہ وہ اتنے تن بدن کے لئے دو تنوں یا مانگوں کا ہونا ضروری سمجھتا تھا اور کوئی جاندار ایک تنے پر ایک ٹانگہ والا اس کے مشابہ میں نہیں آیا تھا اور وہ اسی چیز کو مضبوط سمجھتا تھا جس کا پایہ بڑا ہو لیکن جب اس کے علم میں یہ امر واقعہ آیا کہ درخت کی شاخیں خواہ وہ کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہوں تنے کے مقابل میں تنی اور ہلکی میں تو عدم تناسب کا ناگوار احساس جاتا رہا۔ انسان کو جو چیز عجیب الغم متناقض اور محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس کا مقابل نہیں سمجھتا وہ دھچپ نہیں ہوتی بخلاف اس کے جس تنے میں جھٹانہ ہوا وہ خراب الغم ہو ایسی شے یگانگت اور ہودت کے انداز سے اس کے لئے دھچپ ہوتی ہے۔

اب تک کی بحث سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں کہ دشتال ہون کا متناسب خارجی دنیا یعنی غیر ایفو سے اس کے مخالفہ و مخالفہ لفظاً کے تصورات اولیہ کی رو سے متعلق رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ فیض حفاظت ذات کی جبلت کی سیمائی حالت کے محرک ہیں۔ اب ہم اس سے بحث کریں گے کہ سین اپنے محدود نفس معنی میں اور ہندوئیہ دونوں ذہن انسانی کی تھنطشی کی جبلت سے وابستہ ہیں

حسین - جن کا مشاہدہ انسان کے ذہن میں وہ انسام یا ناگزیر پیدا کرتا ہے جس سے دماغ میں ایچ یا تولید کے خاص کمزور کو بوجھت ہوتی ہے خواہ براہ راست ہو یا لازم خیالات کے سلسلے میں۔ آدمی کی نظر میں جن کی اولیٰ تشکیل عورت ہے۔ شاعروں کے کلام میں آپ جن و شباب کہ پلو پہلو ہاتے ہیں۔ چونکہ آدمی اندر یا طور پر عورت اور جن کو لازم و لازم یقین کرنے کا عادی رہا اور وہ ایسی جوانی زندگی میں نشست اور خود غرضی کا بندہ رہا ہے اس لئے وہ عینہ حسین پر فتنہ کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ جسمی عنصر کو جو اس کے اندر غالب ہے اس کی شدید تحریک کرتا ہے بیضر یہ نوع انسان کی دونوں جسموں سے مستغرق ہے جو کچھ بھی ہے انسان کی نچرل اور اصلی حیوانی اور انسانی حالت سے تعلق رکھتا

ہے تہذیب اخلاق اور مدد انجمنیت کا نظام ان تحریکوں اور جذبات و احساسات کو اعتدال پر لے آتا ہے اور جو اوزعم جواز کے بقود عاید کرتا ہے جس میں مذہب کا بھی بڑا حصہ ہے۔

سندرہ سندرہ پرین کا منظر براہ راست باقلام خیال کے ذریعے بچپن سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بچپن بچوں سے بچا کے جذب کی تحریک کرتے ہیں جس پر تحفظ نسل کا اندھا ہے۔ سندرہ کا مفہوم ایسی ہر چیز جو جسمت میں جھوٹی و غفیس و اور بیماری و عداوت کی محتاج ہو اس قسم کی نفسی اسی نسبت سے جو اسے اصل سے ہم ہیں وہ تصور پیدا کرتی ہے جو کہ کو باطل اشخاص سے ہے یہ تصور بغیر ذی روح اشیا پر بھی حاوی ہے چنانچہ گیار زبان میں ملنے کے لئے جو لفظ اس کے منی ہیں بند و حق کا بیٹا۔

موسم بہار بہت سے مظاہر نظرات اپنی اہمیت اور تلازم خیالات کی مقدار کے بموجب ایک ہی وقت میں تحفظ ذاتی اور تحفظ نسل کی جبلت کو تحریک کرتے ہیں اور مختلف طور پر جو صورت معلوم ہوتے ہیں مثلاً مبدائی ملکوں میں موسم بہار ایک وقت جو بصورت موسوں اور فتناسے معلوم ہوتا ہے وہ مرگھنسی کو تھکان دیتا ہے اس کی اتحادی نوعیت اس وجہ سے کہ وہ حیوانوں یعنی جانداروں کے لئے غذا کا بڑا ذخیرہ مہیا کرتا ہے اور انہیں محنت و مشقت کے لئے قوت اور تازگی بخشتا ہے موسم بہار میں موسمی بھی ہے کیونکہ وہ ایسے ظاہر بھی پیش کرتا ہے جو ہنگو میں اور اس لئے محدود زمیں میں اپنی بقا کو قیاس پر موسم کرتا ہے۔ وہ فتناسے بھی ہے کیونکہ وہ انفرادی زندگی کے لئے معتدل ہے۔

نسل انسان کی دونوں جنسوں سے تعلق جمالیات کے جو نظریے فلسفیوں نے پیش کیے ہیں۔ ان میں اختلاف رائے ہے ان مختلف رایوں سے قطع نظر اس پر ان کے تعلقات باہمی کی طرف نظر ڈالی جاتی ہے جیسے کہ وہ اس وقت کے نظام اجتماعی میں یا سے جاتے ہیں نسل انسان کا جو فزینا اور فزیت اور جو جسمی کی نمائندگی کرتا ہے اس کی نظر صرف اپنے پر مبنی ہے یا اپنے طلب کے لئے دوسروں پر جن کے لئے وہ دھڑھرت سے برسرِ جنگ رہتا ہے اور ادھر اپنے ہم جنسوں سے مفاد و منافع پر تلا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تحفظ ذاتی کا خیال مجرمانہ کرائس کے سر پر سوار رہتا ہے۔ بقا و صنف نازک کے خلاف اس کے صنف نازک نسل کے تحفظ کے موثر ذی خواص کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے وہ جنگ و جدوجہد میں شریک نہیں ہوتی اس لئے اس کو جو کھوں کم ہے۔ لہذا تحفظ ذاتی کی جبلت کی ترقی کی ضرورت نہیں اور نسل و مادیت کے تصور اس میں مروجے زیادہ فتنہ و فتنہ پاتے ہیں۔ ان وجہ سے اسے جن کا احساس زیادہ ہے اور سندرہ کا احساس اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے بچوں کی محبت اور اور امثالہ عورت کا خاصہ ہے لیکن عہد حاضر کی عین جنس سائنٹیفک رنگ روپ دیا جا رہا ہے۔ غالباً ان خواص میں تغیر تعلیم کا باعث منہ مل گئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

آرٹ۔ آدل اول جن کا احساس صرف مظاہر نظرات سے پیدا ہوتا ہے۔ آرٹ بھی اپنے کمال اور محنت کے وجہ سے طمانی ایسا احساس پیدا کرتا ہے۔ آرٹ کا مکمل نیچر کی نقل کی خوش اسلوبی ہے۔ اور یہ نشانہ اور اس پر ان تمام اور تصورات پیدا کرتے ہیں جو فزوتف ہے۔ اسی طرح زبان اور ادب بھی مثال کا احساس پیدا کرنے کی اہمیت رکھتے ہیں جب وہ عظیم الشان یا فزوتف انسان کا تصور نام

کر سکیں مثال کے طور پر جب وہ فادر مطلق کی ذات پاک کامیاب کریں یا عظیم مشاہدہ فطرت یا جنگ یا شہد بد انسانی سوانح کا ذکر کریں۔
فن تعمیر و مثال کا احساس اس وقت پیدا کرتا ہے جب وہ ایسی وسیع اور رفیع الشان عمارتیں کھڑی کرے جن کے نقاب میں انسان اپنے تئیں بہت چھوٹا اور ضعیف و حقیر محسوس کرے جیسے کہ وہ اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ قطب کی لکھ کے پاس کھڑا ہوتا ہے یا ہمالیہ کے کسی گہے جنگل میں ہوتا ہے۔

آرٹ کے کارنامے تناسب کا عنصر اس وقت پیدا کرتے ہیں جب کہ اس کا اصل مضمون یا مضمون اس کی شکل سے نمایاں ہو۔

کیفی

ایک عظیم الشان ساعت

ایچی قیمت جو میرے قدموں کی رہنمائی اور لے گئی مجھے باہر آبادی سے دور۔ وہاں جہاں جگل کے پھول کھلتے
میں۔ ایک توڑی فرح اور ایک کوٹس، بار خدایا!
کس قدر بیش بہا اور عظیم الشان ہے یہ ساعت

جان لو اے بھڑو

اور گالیو

جو نکلتی ہو کر میں بوں پہر دل سے کھڑا ہوں۔

موسلا دھار بارش میں بھیگی ہوئی گھاس پر۔

ایک توڑی فرح اور کوٹس کا ایک گیت

کیا جانے اگلے دن ابیں گے پھر

کیا جانے دن ابیں گے پھر

قبر کے اس بار

”گ“

خونی بسند

روح بے چین ہے خاموش ہوائے فوج کے بند
تجھ میں آواز ہے فولاد شکن تیروں کی
کتنی ماؤں کے کلیجوں کی ہیں تاشیں تجھ میں
کتنی رندی ہوئی لاشوں کی ہڈی تھی میں
کتنی خوابیدہ ہیں مایوس نگاہیں تجھ میں
تیرا ہر راگ ہے ڈوبا ہوا چشمِ غم میں
سکیاں تجھ میں ہیں غلطیوں کی نگاروں کی
تیری ہر زبان میں پوشیدہ ہیں لاکھوں آنسو
گم ہیں ستو ہوئے زخموں کی بہاریں تجھ میں
نغمہ ہے لے میں تری خون کے فواروں کا
اس طرح صبح کی مخمور ہواؤں میں نہ اسبند
سنبھٹ ہے چکرتی ہوئی شمشیروں کی
کتنے مہ پارہ جوانوں کی ہیں لاشیں تجھ میں
کتنی بیواؤں کے چہرے کی ہے زردی تجھ میں
کتنے معصوم بچیوں کی ہیں آہیں تجھ میں
رقصِ خونی کی دھمکتے ترے زیر و بم میں
کر ٹپس موت کی ہیں گت میں ترے تاروں کی
تیری آواز میں غلطاں ہے جوانی کا ہو
خنجروں کی ہیں چلتی ہوئی دھاریں تجھ میں
زمرہ تجھ میں ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

تیری آواز جب احساس پہ چھا جاتی ہے

موت کے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

جوش

مسرور بچہ

آج میں نے دیکھے رنگ برنگ کے پھول کہ شاخیں اُن سے ٹیڑھی نہیں
لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جیسا وہ پھول جسے بچے نے ٹوڑ لیا۔
میں نے شکاری کتوں کا غل باغوں میں سنا۔

لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جیسا وہ کتہ جسے بچے نے بھونکے سنا۔
میں نے سینکڑوں چڑیوں کے چہچہے آج سنے

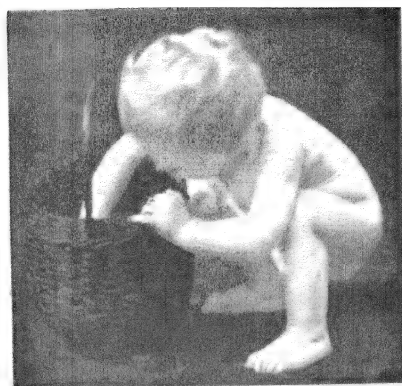
لیکن ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جیسی وہ جسے بچے نے پھپھاتے سنا
دیکھنے کو میں نے ہزاروں نیترباں دیکھیں

لیکن ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جیسی وہ جسے بچے نے اڑتے دیکھ پایا
میں نے بیسیوں گھوڑے دیکھے گھاس پر لیٹے ہوئے۔

لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جیسا وہ جسے بچے نے گزرتے دیکھا
میری دنیا آج کے دن بہت پر لطف رہی

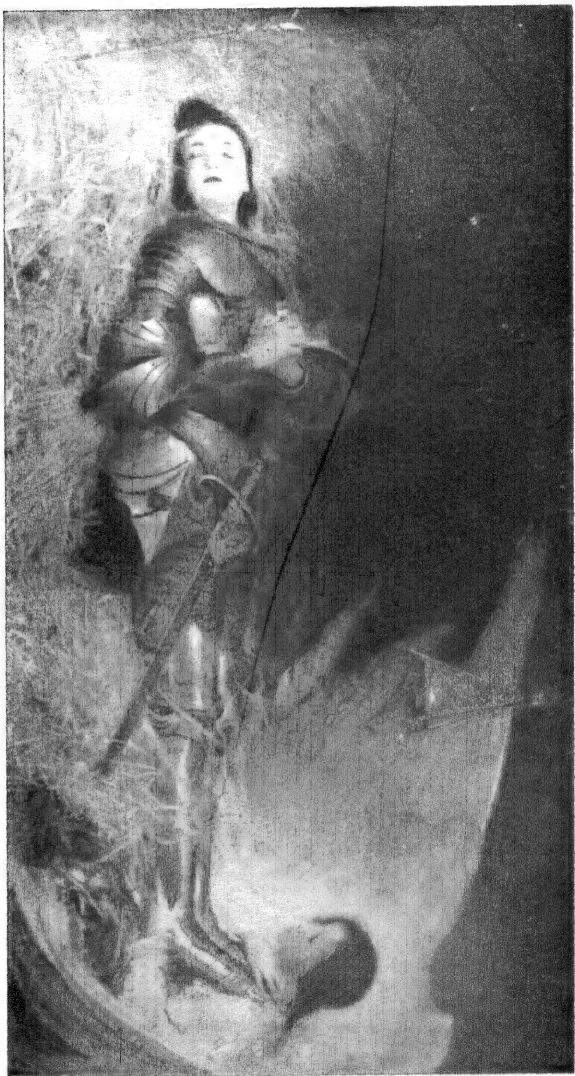
لیکن اس میں وہ بکشتی کہاں جو بچے کی دنیا میں تھی۔

گلچیں



بچہ





ژان دارک میدان جنگ مین سوروی ۵

نہی چڑیا

کوئی سرمدی گیت گا پیاری چڑیا
 ہمیں رقص اپنا دکھا پیاری چڑیا
 غدر اُن کا آ کر مٹا پیاری چڑیا
 ادھر گل کو جھولا جھلا پیاری چڑیا
 خیاباں میں ہو جلوہ زرا پیاری چڑیا
 بیاباں میں آچھسا پیاری چڑیا
 پری ہے پرستاب کی یا پیاری چڑیا
 نزاکت کی جاں خوشا پیاری چڑیا
 تولے دلربا خوشا پیاری چڑیا
 ادا کار ہے عشوہ زرا پیاری چڑیا
 تو پھولوں کی جاں خوشنا پیاری چڑیا
 تو خوبی کی اک نہسا پیاری چڑیا
 لہک چھپا، پھڑپھڑا پیاری چڑیا
 ہے گہوارہ ہر گل ترا پیاری چڑیا
 گل ویا سمن موتیا پیاری چڑیا
 ذرا اپنے پر پھٹھٹا پیاری چڑیا

چمن میں صبح آ پیاری چڑیا،
 تو قاصدِ بزمِ قدرت سے نہی
 گلوں کو بہت ناز ہے ناز کی پر
 ادھر جھول تو شاخِ گل سے لپٹ کر
 نہیں ہے خیاباں میں رونق تیرے بن
 بیاباں کو چپ سی لگی ہے ترے بن
 بہشتِ برین کی کوئی خور ہے تو
 تو صدفِ نفاست کی معصومیت کی
 کوئی شعبہ ہے کسی سحر فن کا
 جو نگیں نوا ہے تو رنگیں ادا بھی،
 تو پھولوں کی سیرِ تاج پھولوں کی لانی
 تو اعجاز کا اک حقیقی مرقع،
 گہنی سبز شاخوں کے تپوں میں چھپ کر
 شبستاں ہے تیرا گلاب و سمن میں
 ترے سامنے شرم سے جھک چلے ہیں
 بہت ناز سے ستلیاں اڑ رہی ہیں

کوئی چھپاتا ہوا پھول ہے تو
کسی غنیمتِ مری چمن میں پلا ہے
کوئی خیمِ شاقب ہے تو آسماں کا
کسی حُسنِ نہال کا عکسِ مصفا
جو صبحِ ازل کو کھلا پیاری چڑیا
ترا حُسنِ معجزِ نسا پیاری چڑیا
جو گلشن میں آکر گرا پیاری چڑیا
ہوا تجھ میں جلوہ نا پیاری چڑیا

مرے قلب کو اپنے نغموں سے گریا
تو اڑتی ہوئی چھپا اٹھ بیکار
اس آواز کو دل کے اُس پار کرنے
ترے گیتِ لوحِ حُزں کو جگا دیں
مری تنہیِ آتشِ نوا پیاری چڑیا
لطفِ کی کرتیسا پیاری چڑیا
مری روح کو جگمگا پیاری چڑیا
مسل یہی گیت گا پیاری چڑیا

ترے بال و پر دستوں سے شناسا
فضائیں تری حُسنِ آگینِ فضا میں
تری عادیں خوب اعمال بہتر
کسی سے عداوت نہ پر غاشِ تجھ کو
ہے نعت میں آگنِ نزا پیاری چڑیا
منور ہماں ہے ترا پیاری چڑیا
کہ فطرت ہے مذہبِ ترا پیاری چڑیا
جھبی خموش ہو صبحِ دسا پیاری چڑیا

مرنے کو بھی اپنی پاکیزگی سے
یہ عاداتِ خوش اپنی دے ڈال مجھ کو
محبت کی گرمی ہے نغموں میں تیرے
سنا مجھ کو رفعت کی کچھ داستانیں
کوئی حصہ کرے عطا پیاری چڑیا
غمِ دہر دل سے بھلا پیاری چڑیا
یہ گرمی مجھے کر عطا پیاری چڑیا
بلندی کی تانیں اُڑا پیاری چڑیا
ح. ب

سنگ تراش

جب اُس نے شہر کے اندر قدم رکھا تو کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے موجود نہ تھا۔ نور کے نزد کے دربان نے بھی شہر کا بلور وار کھولا ہی تھا کہ وہ داخل ہوا۔ کوچہ و بازار پر رات کی ظلمت ابھی پھیلی ہوئی تھی لیکن آسمان کا میلہ اب بچھڑنے لگا تھا۔ مشرق نے رات کی سیاہی پر سرمر کی ایک دھندلی سی لکیر کھینچ دی تھی۔ صبح کے رنگ ابھی افق پر روشن نہیں ہوئے تھے مگر مٹھنا ہوا اُجالا سفید بزم کے تار و پود کی طرح اپنے ہی نور سے جھلجھل کر رہا تھا۔

کسی کو یہ علوم نہ تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ شروع شروع میں کسی نے اس کے دہن کسی نے مذہب اور قومیت کے متعلق قیاس دوڑانے کی کوشش کی آخر جب کچھ پتا نہ چلا تو جیسے انسانوں کی عادت ہے تنگ کر دہی خاموش ہو گئے۔

لیکن جس چیز نے یہ سب لٹیں انکو بالکل بھلا دیں وہ اس کا کام تھا۔ اس شہر میں یہ صنعت بالکل اچھے کی چیز تھی۔ وہ پتھر کے بچن کوڑے لیتا اور اپنے تیشے کی ہر بل سے ان میں جان ڈال دیتا۔ سکواتی بنی یعنی ہونی بولتی ہونی، چوتی ہونی موتیں سنگ مرمر کا لباس پہنے گھر گھر پھیل گئیں اور صنّاع کے اعجاز کی گواہی دینے لگیں۔ لوگ خود بھی تیرن رہ گئے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان پتھر کی صورتوں کے آنے کے بعد ان کے غلوں میں تلخی کی وہ پہلی کیفیت نہیں رہی اور سرتوں میں پاکیزگی کی ایک نئی جھلک نمودار ہوئی۔ ہر پورے جو امید سے کنارہ کش ہو کر دنیا پر آخری نگاہ سرت ڈال رہے تھے زندگی کی ان چمنی جاگتی اور ہستی ہونی تصویریل کو دیکھ کر دل میں سرت کی ایک لہر محسوس کئے بغیر نہ رہتے۔ بچے جن کے لئے ہر لحظہ ایک نئی خوشی کی تلاش زندگی کا سب سے اہم کام تھا۔ اچھلتے کودنے سنگ تراش کے گھر آتے اور اس کے بنائے ہوئے فرشتوں کے حسن اور مصویت کو ایک ایسی کیفیت لے جاتے جو انہیں صرف اپنے شہر کے خوابوں میں میسر ہوتی تھی۔ غمزدہ ماہیں جن کی گود تھانے خالی کر دی تھی یعنی آئیں اور اُس آسانی سوویں پناہ لیتیں جس کے اشارے پر گھڑا شاندہ ماس کو تسلیم و رضا سے گڑا تا نوا طاعت کی منزل تک پہنچا دیتا تھا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے ان کے غم کو محض ایک بے معنی چیز نہیں سمجھنے دیا بلکہ اپنے سرمر کی تراش و حراش میں اسے ایک نئے مفہوم سے آشنا کر دیا ہے۔ جب وہ کوئی نئی صورت بناتا تو گلابے اختیار ہو کر کہتے کہ اب اس کے ہاتھ بھی اس سے بہتر تصویر یقیناً کبھی نہ بنائیں گے مگر وہ پنا سر ہلاتا اور سکر کہتا: یہ تو بجا ابتدا ہے جو کام مجھے کرنا ہے اس کا وقت ابھی نہیں آیا۔

وہ شہر کے شور و غصہ کو بھٹ کر ایک پُر سکون محلی میں تنہا رہتا تھا۔ اس کے مکان کے درتھے مشرق کی طرف کھتے تھے اور بار بار صبح صادق

ہی اکتا جانے اور سب ایک ایک پھر برسی لے کر اٹھنے اور میدان میں دوڑیں لگانے کے لئے نکل جاتے۔

ایک دن صبح ہی صبح جب بچے سنگ تراش کے مکان پر پہنچے تو انہوں نے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ وہ سنگ مرمر کی ایک عظیم الشان تراش کے سامنے کھینچ دی گئی تھی۔ اس کا چہرہ بلکہ کسی قدر آگے کو جھکا ہوا تھا۔ اس کی ہڈیوں میں بھی نہیں اس کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے اور اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں سنگ مرمر پر اس طرح کڑی تھیں جیسے اس کے اندر وہ محسوس ہوتا تھا جیسا کہ بچے اس لئے دبے پاؤں لگے بڑھے کہ کہاں لگی اسے چونکہ وہیں جوں ہی ان کی نظروں کے چہرے پر پڑی وہ خود چومک لٹھے اور ایک ہی آہ بولی "اؤ! اے سنگ تراش! طبع پیچھے ہے جس طرح مرعابوں کی ڈھاریں کسی خطرے کا مبلغ پا کر اپنے خطرہ پر دوازے سے خوف ہو جاتی ہیں۔ سنگ تراش ان کی آفانوں کو سن کر مسکراتا ہوا مڑا۔ وہ آج ان کے ساتھ نہیں کھیل سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ خود میدان میں جا کر کھیل آئیں کیونکہ آج وہ ایک اتنے بڑے کام کو شروع کر رہا تھا کہ اب اپنے سب پہلے کا نام اُس کو اس عظیم الشان کام کا دھندلا سا خاکا معلوم ہوتے تھے جو بچے عمر میں کچھ بڑے تھے انہوں نے بیتاب ہو کر پوچھا کہ کیا کام ہے؟ وہ کسی چیز کی صورت ہوگی؟

سنگ تراش تھوڑی دیر کے لئے رکا جیسے اس سوال کا جواب دینے کے لئے اسے صحیح الفاظ نہیں ملتے آخر اس نے سر اٹاتے ہوئے کہا "بس تم یہ سمجھ لو کہ یہ صورت ایک بہت خوبصورت عورت کی ہوگی۔"

"جیسے عروں کی شکل ہوتی ہے؟"

"بہشت کی عروں اور آسمان کی دیویوں سے بھی زیادہ خوبصورت"

ہم اس کو دیکھنے آئیں گے۔"

"ہاں ضرور!"

اور جب بچے چلے گئے تو وہ پھر سنگ مرمر کے ستون کے سامنے آکھڑا ہوا۔ متون کے پائے کے پاس اس کے اوزاروں کا ڈھیر لگا تھا۔ اب اس نے ایک بولی اٹھائی لیکن اسے ہاتھ میں لے کر پھر بہت دیر تک اسی طرح دم بخود کھڑا رہا۔ ایک نسل جو سا لہا سال سے اس کے تخیل کی دنیا میں مغموم رہی تھی جس کی گریز پاؤں دنیا میں ہڈیاں کو فرو بہنے کی شکل جانی تھی سب اپنی پوری تجلیوں کے ساتھ اس کے دماغ کو متور کر رہی تھی۔ آج وہ اپنے کام کی عظمت کو دم غروب معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک فزع کی سی چمک ضرور تھی لیکن اس کے چہرے کے نازک انسانی غم و حال پر ایک بیجان روش کے آثار موجود تھے اور اس کا اپنی آنکھوں کو خطرہ کی طور پر جھٹکنا اس کے اندر فی المناط کا پتا دے رہا تھا۔ اس کی بولی ایک چمکی کی ملاطفت کے ساتھ سنگ مرمر کو جگہ جگہ ٹھکراتی تھی وہ پتھر کی اس سل کو بھی جس سے نور کی اس شکل کا ظہور ہونے والا تھا احترام کے احساس کے بغیر نہ دیکھ سکتا تھا

ادب اسچ رہا تھا کہ نگ مہر کو بسولی کی پہلی ضرب کس طرف سے لگائی جائے۔

دن و نل چکا تھا جب آخر اس نے اپنا کام شروع کیا، لیکن جب پتھر پر تیشے کا پہلا دار ہو چکا تو مہر صبح سے شام تک اس کا وقت اپنے مہل میں گزرنے لگا۔ اب نگ مہر کو چھوڑ کر اُسے برے اور بولے۔ تیشے اور دیتی کے کو اکئی چیز نظر آتی تھی۔

اس نے عام دستور کے خلاف اپنے مجسمے کو پیرول کی طرف سے شروع کیا۔ ایک نازک برہنہ پاؤں نگ مہر کی ایک چمکی پر جما ہوا تھا اور دوسرا اس پر سے اٹھ رہا تھا جیسے مجسمہ نیچے اترنے ہی کو ہے۔ اند پیرول کی پہلی ہی تراش میں اس نے ایسی ڈال دی تھی کہ مہر کی رگوں میں ایک تھر تھری سی نظر آتی تھی اور زندگی کی شعاعیں پیٹھ میں سے چھن چھن کر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ان کی تمام رعنائی کو آشکار کرنے سے پہلے وہ پورے مجسمے کو ایک ابتدائی صورت سے لینا چاہتا تھا۔ چند روز کی لگا تا سخت کے بعد وہ پاؤں سے بڑھتا ہوا سر تک جا پہنچا تھا۔ اب بڑے اندازوں کو چھوڑ کر اس نے صرف نازک انداز اپنے استعمال کے لئے رکھے۔ مجسمے کے اعضا کا باہمی تناسب قائم ہو چکا تھا۔ اب ان کا اپنا اپنا حسن و نحیل کا منظر تھا۔

اس منزل پر اُسے نہ صرف اپنا پورا مال فن بلکہ اپنا پورا صبر بھی کام میں لانا پڑا۔ مجسمے کے ان اجزاء کی ایک ایک تفصیل کے انکشاف میں اسے بعض دفعہ کئی کئی دن لگ جاتے۔ بار بار اسے یہ احساس ہوتا کہ پتھر نے اس کے اپنے تصور کی لطافت کا پورا حق ادا نہیں کیا۔ ایسے فوٹوں پر اس کی ننگی سی چھینی ایک نہایت محدود سے رہتے کو پیچہ کاوش کے ساتھ دیر تک چھینتی اور کھینچتی رہتی۔ لیکن تخلیق کا یہ عمل کبھی کبھی غیر متوقع اور حیرت انگیز بھی اپنے ساتھ لانا۔ مجسمے کے خدوخال میں کسی پنہاں جذبہ کی لطیف سی جھلک اس طرح اُبھرتی کہ وہ خود عشق عشق کراٹھتا کسی لبیک ہی تراش سے کوئی اشارہ اس طرح بولنے لگتا کہ اس پر وہ کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اُس وقت اس کی شان دانی اس کے اندر ساہمکتی۔ وہ اٹھتا اور اپنی مسرت کی بنے نابی سے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتا اور پھر جب تک یہ بیجاں فونہ ہو جاتا کام کو ہاتھ لگانا اس کے لئے محال ہوتا۔

اب گویا اس کی زندگی نے نگ مہر کے اس مجسمے سے پیمان وفا باندھ لیا۔ اس کے بیداری کے خیال اور اس کی نیند کے خواب سب مہر کی تصویروں سے آباد رہتے تھے۔ رنک پر سے لیکر کبھی باتیں کرنے کبھی گاتے ہوئے گزرتے تھے۔

خونچے والے حلوے یا داکٹمنش کی پکار لگنے ہوئے ایک دم کے لئے اس کے دروازے پر بھی رکتے۔ قریاں اور طوطیاں اب بھی اس کے دروازے کے پاس شور مچاتیں مگر اب اس کے کان ان آوازوں کو نہ سنتے تھے۔ نیچے اب بھی آتے تھے اور وہ غصہ مٹی دیلان کے ساتھ ضرور کھینچتا لیکن پھر وہ ان کو دو ایک لپیٹے دو ایک کہانیاں سناتا اور وہ ہنستے اور کھٹکھٹا ہوتے جاتے

چھ سات سال کا ایک خاموش بچہ جس کی پیشانی روشن اور آنکھیں تین تین تھیں کبھی کبھی ان کے جانے کے بعد بھی وہیں بیٹھا رہتا اور جب نگ تراش اُسے بتاتا کہ اب وہ اپنے کام میں لگنا چاہتا ہے تو وہ جواب دیتا میں چپ بیٹھا رہوں گا۔ کوئی بات

نہیں کروں گا۔ اور پھر سنگ تراش اپنے کام میں لگ جاتا تو وہ روشن چشمانی والا بچہ اپنی تین آنکھوں سے سنگ تراش کی آنکھوں کا تعاقب اس طرح کرتا گویا سنگ مرمر کے ہر نازک خم اور دل فریب الجھار کو پیدا ہوتے ہوئے دیکھتا اس کی زندگی کا سب سے عجیب مشغلہ ہے۔ اس کی خاموشی اس قدر گہری ہوتی کہ سنگ تراش اس کی موجودگی سے غافل ہو کر اپنے کام میں کھو جاتا لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب وہ پھر بیدار ہوتا تو نیچے کے معصومانہ مسکوت کو دیکھ کر ایک دم اپنے اوزار چھینک دیتا اور اٹھ کھڑا ہوتا۔ پھر وہ اسی جگہ فرش پر خود گھوڑا بننا اور نیچے کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے کمرے کے چاروں کونوں میں لے لے پھرتا

لیکن اپنے کام کی تکمیل کے لئے جسے جس امن و سکون کی آرزو تھی اس کا فائدہ رکھنا اس کے لئے روز بروز مشکل ہونے لگا شہر میں مصوم تھی کہ سنگ تراش نے جن کامل کی تعبیر کے لئے ایک عجیب غریب مجسمہ تیار کرنا شروع کیا ہے۔ لوگ مضطرب کہ اس مجسمے کو اگر تک نظر دیکھ سکیں۔ شہر کے بڑے قاضی نے بھی یہ چرچے سنے۔ ایک دن اسے اپنے کمرے کے خانگاہ میں بزرگ عالمہ رکھا اپنے بھاری تن و نوش پر جریح کی عیاوٹی اور اپنے چند مصاحبوں کو لے کر سنگ تراش کے محل میں پہنچا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گین جیب اور دوسرے میں عقیق کے دانوں کی تسبیح تھی جو سونے کے تاروں میں پردہ لٹی تھی۔ قاضی نے محل میں داخل ہوتے ہی کہا۔ ات اس تبصر کی صورت کی خاطر اتنا شور مچا، ایسا کفرانِ نعمت ہو، ایسی پتھر خلقِ خدا کے کسی کام آسکتا تھا۔ بھلا یہ نورت بنا کر تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ درستی سے باہر دوسرے کی درخت پر ایک فاختہ دھیسے ٹرہوں میں کو کو کر رہی تھی۔ سنگ تراش نے ایک نگاہ قاضی کی پوشاک کے طلاء و حریر پر ڈالی اور پھر فاختہ کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا۔ وہی فائدہ جو اس پرندے کو گانے سے ہو رہا ہے۔

کیسی محل بات ہے! ان خیالی تصویروں کے بجائے کسی نیک عمل پر توجہ دینا ہر گنا بہتر ہے۔

”یہ خیالی تصویر نہیں ہے میں نے اسے نہیں بنایا۔ یہ نورت ہمیشہ سے موجود تھی اور صرف اپنے ٹھہروں کی خطر تھی۔ یہ مجھے پتھر کی ہرل میں سے پکار پکار کر بلاتی تھی۔ اس کی پکار مجھے ہر پہاڑ پر کبھی ہوتی نظر آتی تھی لیکن ابھی مجھے یہ قدرت ملی تھی کہ اسے رہائی دوں۔ اب میں نے صرف ایک ایسی کشش میں اس کی مدد کی ہے جو یہ خود ازل سے کر رہی تھی۔

”اے! بد نصیب۔ کاش تو یہ وقت تہیافت کی تلاش میں نہ لٹتا تھا!“

”حقیقت! حقیقت کے کہتے ہیں، حقیقت اور میں کیا فرق ہے؟ اپنے نزدیک میں بھی حقیقت کے چہرے کو پرے ہٹا رہا ہوں۔“

”تو پھر تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟“

یہ سوال قاضی نے نہایت تلخی کے عالم میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر غصے کی ٹکینیں پڑی ہوئی تھیں اور اب معلوم ہوتا تھا کہ سنگ تراش کو اپنی نگاہ و عتاب جھلس ڈالے گا۔ سنگ تراش نے اسی اطمینان کو جواب دیا۔ آخری منزل تک سانی انسان کو نہیں ہی گئی۔

کیا خدا کی تقدیر کا حق انسان سے ادا ہو سکتا ہے؟ پھر بھی انسان ایک ایسی چیز کو شمار کرنے سے باز نہیں رہتا جس کا شمار ناممکن ہے۔
ادریہ ہلکمرنگ تراش نے ایک نگاہ قاضی کی تسبیح پر ڈالی۔

اب قاضی کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے اپنی مرتع جریب کو ہوا میں بلند کیا اور کہا ”بھول“ لیکن پھر کسی اور خیال سے اس نے جریب دفعتاً بچھی کر کے سنگ تراش کو ختم کی ایک خوفناک دھمکی دی اور بڑبڑاتا ہوا اپنے مصاحبوں سمیت باہر نکل گیا۔
فن سنگ تراشی کے کچھ نقاد باطن اپنے تجسس جو مجبور کو کرکریاں ہر سنگ تراش کو ممنون کرنے کے لئے اس کے مکان پر اسے وہ فٹو ڈی دیر تک جھٹکے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک واقف کارانہ انداز سے آنکھیں پھیرتے اور سر ہلاتے تھے۔ اس دن سنگ تراش اپنے جھٹکے کے چہرے پر سعادت و پاکیزگی کی وہ جھلک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو صحت بے لوث رد عمل کے جھٹکے میں آتی ہے۔ ایک نقاد نے کہا: ”یہ کوشش خلافت قاعدہ سے کیونکہ فنون کو اخلاق سے کوئی تعلق نہیں“ دوسرے نے کہا: ”غیر تو ایک اصولی بحث جس سے قطع نظر کرنا چاہیے لیکن برا عیب اس میں یہ ہے کہ جھٹکے کا اٹھتا ہوا قدم ہماری حسِ واقفیت کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ جینیش ہیں ایک ایسی امید و تلق ہے جس کی یہ نہیں اسکتی۔ ایک اور نے کہا: ”یہ تو اس کی سبک بڑی خوبی ہے۔ البتہ دایس ہاتھ کی انگلیاں اگر دوا گے کو پھیلا دی جائیں تو ذہن روانی کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی بلکہ بائیں پاؤں اور واپسی بیٹلی کے ساتھ ان کا خاص تناسب قائم ہو جاتا۔“ سنگ تراش نے سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنیں مگر تین میں دو ایک نقادوں نے نیٹھے اور برسم ہاتھ میں پکڑ لئے اور جھٹکے کا رخ کیا۔ سنگ تراش نے اٹکے بڑھکر بغیر دھڑتی کے مگر مضبوطی کے ساتھ یہ چیزیں اس کے ہاتھ سے لے لیں اور کہا: ”جو قصور پیش کرنا چاہتا تھا وہ اب یہی ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یہ کمزورہ مگر تار ہا مگر نقاد اس کی خود پسندی اور ناہمی پر بالوں سے سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔

اس کے چند روز بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سنگ تراش جھٹکے کے بیشتر حصے کی ٹھیک کر چکا تھا ادا ب مرصہ چہرے کے نقوش متا کر رہا تھا۔ جو لوگ تقریباً ہر روز اس کے محل میں جھانک لگا جاتے تھے انہوں نے ایک دن ناگہاں محسوس کیا کہ جھٹکے کے چہرے کو خود سنگ تراش کے حال و قدر سے خاص مشابہت ہے اور یہ مشابہت روز بروز بڑھتی جاتی ہے شہر کے لوگوں میں اس کے تعلق پہلے ایک چھٹانٹ ہی ہوئی اور پھر ایک غلغلہ برپا ہو گیا۔ طرح طرح کے قیاس و دوا گے گئے۔ آخر سب اس پر متفق ہوئے کہ وہ اپنی مہن کی ثمرت بنا رہا ہے۔ لوگوں کی حیرت و اڑنی نہیں ختم نہ ہوئی۔ ان کے زور و خجل نہا کی کہیں کی حیرت نہ موت۔ سنگ تراش کے سرخ و خرم اور پھر اس حد سے کی تاب نہ لا کر وہ نے نکل کھڑے ہوئے تو ایک دل گداز داستان کی شکل میں دی۔ اور خود سنگ تراش کو اپنی ضرورت کی اس مشابہت کا دم دگان بھی نہ تھا جب بعض لوگوں نے اس کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی تو وہ پہلے تو چونکا مگر پھر موت کے چہرے پر نگاہ ڈال کر ہنس پڑا اور کہنے لگا: لیکن حیران نہ ہو کا موخر ہی کیا ہے؟ اگر اس کو کچھ سے کوئی ربط نہ ہوتا تو صحیح آفرینش میرے انتظام میں کیوں رہتی؟“

فہم والوں کے اشتیاق میں ہر روز اضافہ ہوتا گیا۔ اب بعض دفعہ ایک جوم سنگ تراش کے مکان کے سامنے جمع ہو جاتا۔ ایک شہزادہ جے

فنون لطیفہ کا مرتبی بننے کا بے حد شوق تھا ان ہنگاموں کا اس قدر متاثر ہوا کہ جسے کی تکمیل پر اس نے صنّاع کو زرد جواہر کے ساتھ ڈونے کا وعدہ کیا اس عظیم الشان قدردانی کی وجہ سے شہر میں ایک طوفان مچ گیا کہ سب زیادہ مبتلا بنی کا اٹھا شہر کی حسین عورتوں کے حلقوں میں ہونے لگا۔ وہ سرگوشیوں میں ایک دوسری چوہتیں تم نے بہ موت دیکھی ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسی دلکشی ہو چکی کہ انسانی پیکر میں نہیں ہو سکتی شہر کی ملک حسن جس کے سامنے بڑے بڑے کچ کلاہ رئیسوں کے سر جھکتے تھے سوچنے لگی۔ کیا واقعی وہ پتھر کی مورت مجھ سے زیادہ حسین ہو؟ دیکھوں اس نوجوان صنّاع پر میرے جن کا جادو نہیں چلتا اور وہ اپنی اس مورت کو چھوڑ نہیں دیتا۔ وہ اٹنی اور اپنی پیش دستوں کو جو خود نادر دل کی طرح حسین تھیں ساتھ لے کر سنگ تراش کے مکان پر پہنچی۔

نخعرے ہوئے آسمان پر جس طرح قوس تیز جھوہ پاش ہوتی ہے اسی طرح حسن عورتوں کا یہ جبرمٹ اپنی رنگین پوشاکیوں میں سنگ تراش کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے شہر کی ملک حسن کو پہلی دفعہ دیکھا تھا اگر اب اس کی نظریں ایک شخص میں آمیزہ دانگی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک ایک عورت کو نہیں دیکھتا تھا اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ جوں کے کس نظریں کو ایک بے تعلقی تماشائی کی طرح لطف ہو رہا ہے۔ مگر غور ہی دیر بعد اسے خود بخود یہ احساس ہوا کہ یہ حسن عورت اس کی روح کو اپنے دام میں اسیر کر لینا چاہتی ہے اور اسے ہمیشہ کے لئے اس کے کام اس کے جسٹے سے چھین لینے کے لئے آئی ہے مگر اس نے دیکھا کہ اس عورت کی شریخ و شگ انکھوں پر بھی اس کی کشش کا لازماً کھل گیا ہے؟ تو اس کے سینے میں برپا بھی۔ اس وقت اس کے بدن کے بائیں رویں پر ایک پیکر کی چھا گئی اور وہ ستر بائیں تک ایک نامعلوم خوت سے کاہ گیا۔ اس موقع پر وہ عورت ایک جسم سوال تھی۔ کیا وہ اس کے حسن کے سامنے جھک جائے گا؟ اس کے ایک طرف وہ حسن عورت تھوڑی سی اور دوسری طرف وہ مجتہد جو اس کی اپنی صنعت پیدا ہوا تھا۔ ناہاں سنگ تراش نے مڑ کر جسٹے کی طرف دیکھا اور جسٹے کی پاک نگاہ اور بڑجال مہیشانی کے سامنے اس کا سر فرطاً دب سے خود بخود جھک گیا۔ وہ عورت ایک تلخ ہنسی ہنس کر ملی گئی کیونکہ صنّاع کی اس ایکشن سے اس کی نظریں شکست باطل داغ ہو چکی تھی۔ لیکن وہ خود دیر تک جسٹے کے سامنے رنگوں کھڑا رہا اور جب اس نے دوبارہ اپنے اڈار ہاتھ میں لئے تو اس نے جسٹے کے ہاتھوں میں ایک داسے، مستقلال ابروؤں میں ایک ٹھنکت اور آنکھوں میں علم گراؤ اور جبریت پیدا کر دی۔

شہر کی ملک حسن اس شہزادے کی محبوبہ تھی جس نے صنّاع کو گراں بہا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا اب وہ شہزادے کے پاس گئی۔ کہنے لگی۔ جس سنگ تراش پر زور گو ہر ثناء کو تیار بیٹھے ہو۔ وہ محض کو دن ہے اور اس کے مجتہد میں طرح کی غامیاں ہیں۔

دوسرے دن شہزادے نے اپنے درباریوں سے کہا۔ میری رائے اس صنّاع کو انعام دینے کے متعلق بدل گئی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ کہ وہ محض کو دن ہے اور اس کے مجتہد میں طرح کی غامیاں ہیں۔

نقادوں نے جب یہ سنا تو ان میں سے ہر ایک اپنی آنکھیں چمکا کر بولا۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس عورت میں ایک نقص ہے

اب ہمارے شہزادے نے دی خامی دیکھ کر انعام کا وعدہ واپس لے لیا۔
شہر کے بڑے قاضی نے اپنی نگین جریب زور سے زمین پر ماری اور اپنے مصاحبوں سے کہا: تمام سرکشوں کی تادیب نقد پر اسی طرح کرتی ہے۔ خدا ہمارے شہزادے کو سلامت رکھے جس کے ایمان نے آخر اس صحیح فیصلہ کر دیا۔
عالموں نے اپنی کتابوں کے درنہ لٹے لٹے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں اور مسکرا کر کہا: ہم نے کہا نہیں تھا کہ اس شخص کا پول ایک دن کھل کر رہے گا؟

علم دین کی کتابوں پر مبنی ہو تو ایسے کاموں پر ہاتھ ڈالنے سے معنی ہے ہمارا روشن ضمیر شہزادہ لاکھ شہزادہ سہی پھر بھی کسی صحیحینوں میں فنون لطیفہ کی ماہریت پر چارہ خیا لات من چکے۔ بعد ازیں شخص کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا اس مجسمہ ساز کی خیر خواہی نہیں تھی تو اور کیا اور عام لوگوں نے خیال کیا: ہم تو اپنے دل میں اس صورت کو بہت کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ خدا جانے عالموں نے اب اس میں کیا خرابی دیکھی ہے جبریم سید سے لوگ ان بانوں کو کیا جانیں۔ جو کچھ بڑے آدمی کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے اور اس کے بعد رنگ نراش کے منتقل ان کا جوش بالکل سرد ہو گیا۔

صلحہ کو خود اس غصہ کی کچھ خبر نہ تھی البتہ شروع میں اس بات پر ایک الطیمان امیر حیرت اُس کو ضرور ہونی کہ لوگوں نے اب کیوں اسے امن میں کام کرنے کے لئے تہا جھوڑا ہے۔ مگر چند ہی روز میں اسے معلوم ہو گیا کہ تمام شہر اس سے پھر گیا ہے اُسے اب مجھے پر کام کرنے ہوئے کسی ہفتے بلکہ مہینے گزر چکے تھے۔ اب عرصے سے اُس نے اپنی بنائی ہوئی کوئی صورت یا کھلونا فروخت نہیں کیا تھا۔ اور اُس کے پاس جو سر باہر خاندان ختم ہو چکا تھا۔ اب کبھی کبھی اُس کے دن ایک روٹی کے ٹکڑے اور پانی کے پیالے پر اور کبھی نانے میں گرنے لگے جو لوگ اُس کی مدد کرنا چاہتے وہ بھی یہ سمجھ کر رک جاتے کہ کہیں شہزادہ ناراض نہ ہو یا فاضی کا فخر و غضب حرکت میں نہ آجائے مگر اتفاقاً وہ اور شہزادوں کی رسلے کے اثر سے کوئی آزاد رہا تو دھجھوٹے پیچھے تھے جو اب بھی اُسی جوش و خروش کے عالم میں اُس سے کھیلنے آئے تھے انہیں جب موقع ملتا ہی نہ تھی مہینوں میں بادام اور منقہ اور صیب اُس کے لئے بھر بھر کر لاتے۔ اور اُس کی نگہیں بند کر کے یہ چیزیں خود اُس کے منہ میں ڈالتے۔

لیکن دراصل سنگتراش کو اب خود بھی اپنی جھوک پیاس کا کچھ حوش نہ تھا۔ اُس پر ان دنوں ایک بجا کی سی کیفیت طاری تھی جنوں جو نچھپے کی نگین کا وقت نزدیک آنا لگایا وہ ایک عالم سرخوشی میں صبح سے شام تک اپنے کام میں مصروف رہتا۔ بچوں کی لالی ہوئی ناگیاں بارہا اُس کے درمیان سے بیکار پڑی نہیں اور اسے خبر بھی نہ ہوتی۔ بچے بھی اب سمجھ گئے تھے کہ وقت قریب آپہنچا ہے وہ اُس کے کمرے میں آتے تو سرگرمیوں میں باتیں کرتے اور جب اُس نے سمجھا کہ آخر تم کرنے میں صرف دو ایک دن باقی ہیں اس نے بچوں سے کہہ دیا کہ اب وہ اسی دن ان کے ساتھ کھیلا جائے دن بھر تیار ہو جائیگا۔ بچے اب صبح اس کے دروازے پر دستک دیتے۔ اس کا ہنسا ہوا چہرہ کھڑکی

میں سے باہر کو کھانگتا۔ اور وہ گستاخانہ اور جب دہن دن تک یہی جواب دیکھ کر فٹا رہتا تو وہ ہر روز اور زیادہ زور سے ہنسنے اور چلے جلتے۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب وہ فہن کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ عہد آج ضرور تبدیل کر ہیچ جائے گا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک ذوق الفطرت چمکتی تھی۔ اُس کے ایک ایک عضو میں شعلہ برقی کی تڑپ تھی اور اُس کی سبک انگلیوں میں نسیم صبح کی روئی اور چہرے پر آج اُس کے ہاتھ کے چھوٹے ٹپے چھوٹے اشارے میں اس کی ساری روح سمٹ آئی تھی۔ وہ دن بھر اپنے کام میں لگا رہا اور جب رات ہوئی تو شہر والوں نے دیکھا کہ اس کا کمرہ نمروں کی روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ وہ اب بھی کام کر رہا تھا۔

ایک روشن پیشانی آدھنیں آنکھوں والے بچے کو فینڈ نہیں آتی تھی وہ دسے پاؤں اپنے بستر سے نکلا اور سنگ نراش کے مکان کے پاس پہنچ کر اُس نے آواز دی کیا مورت تیار ہو گئی؟ اور اندر سے صناع کی خوش بخوش آواز آئی، "اب صبح سویرے" تمام شہر خاموشی کی فینڈ سر گیا۔ سنگ نراش اٹھا اور اپنا دریا چھوٹ کر اُس نے اعلیٰ عظیم الشان سکوت پر ایک گاہ ڈالی۔ خواب آلود گنبد اور مینار اندھیرے میں کھوئے کھوئے معلوم ہوتے تھے اور تمام ہا زارنا ریک سا بل میں لپٹے پڑے تھے۔ اُس دنت اُس کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اور عالم میں کھڑا ہے۔ کیا اس کی آنکھیں اس وسیع خاموش منظر کو آنے والی صبح کے عکس سے روشن ہوتے ہوئے دیکھیں گی؟ کل کا عجیب و غریب دن اس کے لئے کسی نئی زندگی کا پیغام لائے گا؟ اور یہ سوتا ہوا شہر جب بیدار ہوگا تو اُس کے تجھیل پائے ہوئے جسمے کو کس نظر سے دیکھے گا؟ لیکن ابھی نورات کی شمعیں جل رہی تھیں اور وہ صبح سے پہلے پہلے اپنا کا ختم کرنے کے لئے بیقرار تھا۔ جسمے پر ایک ہی نظر اسے واقعات کی دنیا میں لے آئی۔ اور وہ پھر اپنے کام لگ گیا۔ گذشتہ دن کا بڑا خیال خود ہو چکا تھا۔ اب پھر وہ خود نہیں رہا تھا صرف سنگ مرمر کی ایک تصویر تھی۔

اور پھر وہ ساعت بھی آ پہنچی جب اُس نے اپنے انداز آہستہ سے فرش پر رکھ رکھ کر کمرہ بازار پر رات کی خلوت ابھی بھیل ہوئی تھی لیکن آسمان کا میلہ اب بچھڑنے لگا تھا۔ شرقی نے رات کی سیاہی پر مرمر کی ایک دھندلی سی لکیر کھینچ دی تھی صبح کے رنگ ابھی افق پر روشن نہیں ہوئے تھے۔ مگر رخصتا ہوا اجالا سفید شہم کے نار و پردہ کی طرح اپنے ہی نور سے چھلن چھل کر رہا تھا۔

وہ مجھے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اُس نے سر سے پاؤں تک پسکوں سے مسک بھری ہوئی ایک طویل نگاہ اُس کے حسن پر ڈالی۔ جو نظارہ اُس وقت اسے دکھائی دیا اُس سے سمجھو کہ وہ ہم بخودہ گیا۔ "اُس نے محسوس کیا کہ اس نے مرمر کا مجسمہ بنایا بلکہ ایک زندہ مجسمہ کی تخلیق کی ہے جس چہرے پر اس نے لطیف سے ختم کا نصف ایک اشارہ چھوڑا تھا۔ اُس پر ایک شگفتہ ہنسی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے اور خود بخود دیر بعد اُنہوں کے وہ ابداری موتی بھی وہاں دیکھے گئے جن کی ساخت کسی انسانی پیشے سے نہیں ہوئی تھی مورت نے اپنا قدم اٹھایا اور مرمر کی چوکی سے نیچے اتر آئی۔ اُس نے اپنی بائیں اپنے صناع کی طرف پھیلا دیں۔ اس کے مسکرانے ہوئے ہڈیٹ اب صاف

طور پر ملنے نظر آتے تھے

”میں نے تمہارے انتقال میں غریں گزاری ہیں۔“

سنگ نوازش لپک کر آگے بڑھا اور اُس سے ہمکنار ہو گیا۔ اُس کے گرم گرم باروا سے اپنے بدن کے گرد محسوس ہوئے اُس کے سانس کی ہلک سے سنگ نوازش کے زرد خضارے سرخ ہو گئے اُس کے سانس میں بارخِ جنت کے پھولوں کی خوشبو تھی۔

ادرجب آفتاب کی پہلی شعاعوں نے اُس منظر کو بے نقاب کیا تو وہ روشن بینانی والا بچہ اور اُس کے پیچھے دوسرے بچے سب پہلے سنگ نوازش کے کمرے میں داخل ہوئے۔

سفید چوکی پر مہر کی مورت اپنے بیٹنال حسن میں لبوس کھڑی تھی۔ اُس کے چمکتے ہوئے چہرے پر ایک آسمانی روشنی کی جھلک تھی جس سے تمام کمرہ نور ہو رہا تھا۔ اُس کے قدموں میں سنگ نوازش کا بے جان جسم پڑا تھا۔

حمید احمد خاں

درخت

میں سمجھتا ہوں میں کبھی نہ دیکھوں گا

کوئی نظم اتنی دلکش جیسے ایک درخت

ایک درخت جس کا بھوکا پیاسا منہ لگا رہتا ہے۔

شیریں زمین کی دودھ بھری چھاتی کے ساتھ

ایک درخت جو دن بھر خدا کو تنکا نہ مٹاتا ہے اور اپنی پنوں بھری باہیں اٹھائے دعا مانگتا ہے

ایک درخت جو بہار کے دنوں میں پہنے رہتا ہے

چڑیوں کا ایک گھونسلہ اپنے بالوں کے اندر

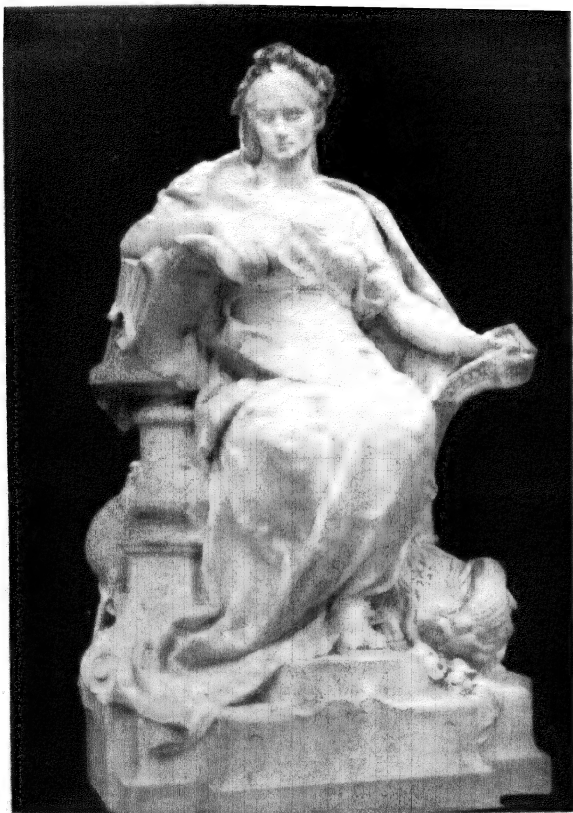
جس کے سینے پر کمر پڑا ہے

اور جو مہینے کے ساتھ قمر کے مڑے سے دن گزارتا ہے

نخلیں تو لکھ لپٹے ہیں مجھ سے احقر بھی

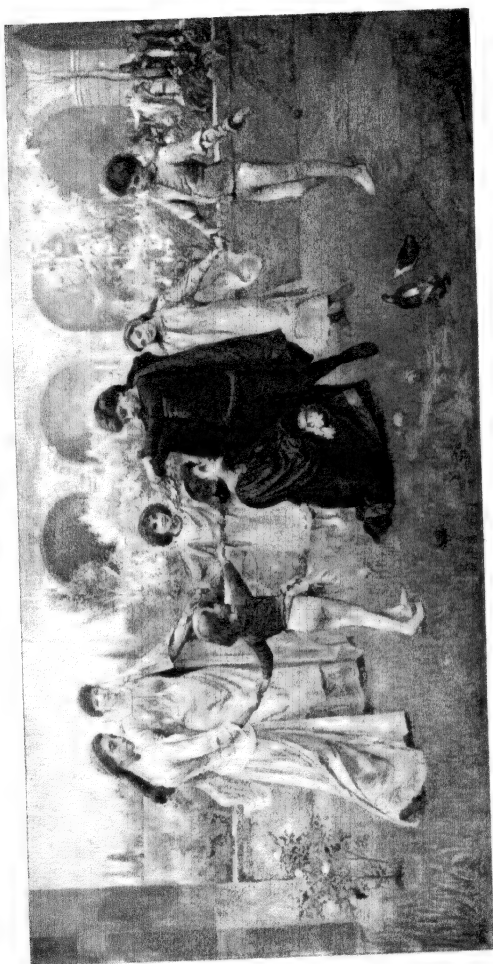
لیکن ایک درخت کو صرف خدا کے پاک پسیدار کہتا ہے

گلچین



خیال

دینے کا پھل



دیارِ محبوب

(ایک ریوے اسٹیشن پر)

میری اُمیدوں کا مرکز ہے نظر کے سامنے کوئی ایسے میں خدا را آئے مجھ کو تھا منے
یہ دیارِ حُسن ہے محبوب کی منزل ہے یہ جو سدا دامنِ کشِ دل ہے وہی منزل ہے یہ
خاکِ پاک اس شہر کی آئینہ دارِ حُسن ہے اس کی نگینیں سُنے بستہ بہارِ حُسن ہے
یہ نہیں وہ ہے کہ جس پر سماں کرتا ہے ناز بھروسہ ہے جس کے سجدوں سے سرِ عجز و نیاز
اس کے دامن میں نہاں ہے گوہرِ نایابِ حُسن آسماں اس کو اگر کیئے تو وہ متنابِ حُسن

جس کے جلوں سے نورِ میرے دل کی کائنات حاصل ہستی مجھے جس کی نگاہِ التفات
خوشہ چیں جس کے تبسم کی بہارِ گلستاں جس کی منت کشِ مرجذبات کی رنگینیاں
یاد بھی جس کی تصور کو پر پڑا ہے آہ! وہ جس کو مرنے وقِ وفا پر ناز ہے

ہو کا عالم چاندنی پچھلا پیر ٹھنڈی ہوا
کون جا کر اک مسافر کا اُسے پیغام دے
آج اس غربت میں میرا ہمنوا کوئی نہیں
میں وطن سے دُور ہوں مارا ہوا آلام کا
کس کو اُس محفل میں اذنِ باریابی مل سکے؟
بے کسی ہے اور میں دردِ آشنا کوئی نہیں

چاند نے نیتِ فرائے آسمان تجھ پر نثار
تو کہ ہے دانائے رازِ گردشِ ایام جا
میر دل تیرے حوالے میری جاں تجھ پہ نثار!
اُس حُریمِ ناز میں لے کر مرا سچینام جا

جلوہِ گاہِ حسن میں جا کر نہ گھبرانا کہیں
احسینِ قاصدِ اہمیتِ محسن ہو وہ جانِ شبابا
اُس کجلوں سوتری کنیں نہ ہونے پائیں مس
خواب کی صحت میں آہستہ سے اس کے پاس جا
اپنے داغِ آلودہ چہرے سے نہ شرمانا کہیں
میری تمت کی طرح اُس وقت ہو صرفِ خواب
ورنہ تجھ کو میری نظر دل سے گرا دے گی ہوس
خواب ہی میں جا کے اُس کو میرا حالِ دل سنا
میرا ذوقِ بیدِ محرومِ سعادتِ نہ جائے
یعنی جوئے لکشاں سے لے کے جانا اُسے
ہو سکے تو اپنی کشتی میں بٹھالانا اُسے

حفیظ ہوشیار پوری

از کجاست تباہ کجا

یہ ذکر لندن کا ہے۔

شام کے پونے آٹھ بجے کے قریب لندن کے شہر چوک کیٹیڈلی کے ایک طرف الگ کھڑے چند ہندوستانی نوجوان خود اپنی مجلس ٹوٹل ٹوٹل کرتے ہوئے پریشنگ اور مہنس جمع کر کے حساب گزار رہے تھے کہ شام خوش دلی کے لئے کل شٹر کد سرا یہ کیا ہے؟ آخر بے اختیار مہنس دیئے کہ تھیں تو کجا کل جمع پونجی سوسا ترین اکل دشر کے لئے بھی کافی نہ نکلی۔ مگر وعدہ کر چکے تھے کہ کچھ کریں گے اکٹھا کریں گے۔ اس لیے پریش منہ تجویز کی دو ٹوٹل سے چھان بین کر رہے تھے کیٹیڈلی کی دو چار چھو کریاں ان کی طرف معنی خیر مسکراہٹ اور شوخی افزا گاہیں پھینکتی ہوئی گڑ گڑکیں مگر یہاں تو یادیں فراخ مہنس کردند شتق "والا معاملہ تھا۔ کسی کی آنکھ نہ ہلی کسی کا دم نہ اٹھا جب ایک سچلے نے یہ تجویز کی کہ نہ کھانا نہ تماشہ شام محض BEER اور SANDWICH کی نذر کی جائے تو بحث پھر پوری پالیمنٹری آب و تاب سے چک نکلی۔ ایک نے کہا کہ

SANDWICH کو محذوف کر دو۔ دوسرے نے کہا کہ یہ آنریبل مہنس ہندوستان کی لازوال گزشتہ شان کو منظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے کہ انسان پے تو خوب پٹے ورنہ بت رکھ لے اور اس لیے سیرا دوٹ ہے کہ BEER کو ویکم السلام کہا جائے تیسرے نے کہا کہیں پوچھا ہوا BEER سے ہونٹ نہ کر لیں گے۔ زشتہ اندر سے نکالیں گے اور شام گزر جائے گی۔ اس لئے BEER ضرور ہو مگر تھوڑی ہو۔ یہ سب بی اسی بحث میں تھے کہ ایک خوش رو ہندوستانی نوجوان تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ان کی طرف عاجز ہوا اور بچھے ہی کہنے لگا۔

نوارو۔ کیا شیطان تمھاری کچھ مدد کر رہا ہے؟

ایک۔ کیوں۔

نوارو۔ اس لئے کہ اگر کر رہا ہے تو ضرور تم میں سے کسی کے پاس ایک دو پونڈ فالٹو ہوں گے وہ مجھے دے دو۔

دوسرا شیطان صاحب نے تو دوا لہ کی درخواست دے رکھی ہے۔

نوارو۔ مجھے پہلے یہی توقع تھی۔ خدا ہم غریبوں کی سنتا نہیں (AND THE DEVIL FAILS YOU)

تیسرا۔ چراب کریں تو کیا کہیں؟

نوارو۔ کچھ نہ کر دیر سے ساتھ چلو مگر اس شرط پر کہ گیارہ بجے سب مفرد ہو جاؤ۔ سیری بھٹیاری ذرا تلخ خزان ہے۔

سب منظور مگر دھڑکیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ سماٹار یا اکیٹرس کا تذکرہ نہ ہو اور سیاسیات خارج از بحث رہیں۔ اور دم

یہ کہ خرچ سب مشترک ہو۔

نو وارد۔ O. K.

۲

ہندوستانی ٹھوں میں ان فوجانوں کی بہنیں، بھابھیاں، خالائیں، بھوپھیاں، مائیں، نانیاں سب خیال کرتی ہوں گی کہ ہمارا بچا رانٹھاڑو کسی مس کا شکار ہو گیا ہوگا۔ دھڑکنے دل کے ساتھ ہزاروں ذہنی تصویریں ان کے پیش نظر ہوں گی کہ بس کسی چڑیل بس نے شراب پلا ملا کر اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے تبھی تو خط دیر میں آتا ہے اور وہ بھی چار سطروں کا تیس سالگی میں گی کہ بچہ کچلا آئے تو اجیر شریف چٹھاوا چڑھائیں چچا کو رہ کرین خیال آتا ہوگا کہ اب اپنی بیٹی کا کسی اور جگہ ارادہ کروں ہندوستانی والدین، بیٹیوں کے لئے جگہ تلاش کرتے ہیں تو ہر جگہ ہے کیسا ہی ہو، باوا اگر تھر کے گھر میں ہوئے تو صاف کہتے ہوں گے ”عجب پاجی ہے کہ خرچ اٹھائے جا رہا ہے ادا امتحان پاس کر نیکا نام نہیں لیتا“ اور اگر مزاج کا پارہ ذرا کم تیز ہو تو دبی زبان سے یوں بھی فرمادیتے ہوں گے ”بھئی آخر کیا کرے۔ لندن نئی جگہ نہیں جگہ اپنا کھڑا خرچ نہ کرے نیل نہ ہو تو اور کیا کرے“

۳

یہ فوجان ایک سستی جگہ سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر نو وارد کے گھر پہنچے لینڈ لیدی (LAND LADY) کی مٹی نے ان کو کمرے میں داخل ہونے دیکھ کر اپنا فرض سمجھا کہ کرایہ دار یعنی مسٹر نو وارد سے دریافت کرے کہ کیا یہ لوگ کچھ supper کے متلاشی ہوں گے؟

نو وارد۔ وی بی ٹھنیک و بگ سر ہمارے ساتھ ہے اور ہم تو شخص باتوں سے پیٹ بھریں گے۔ ان سب شانہ زادوں کے پاس کل ٹین (یعنی نقدہ و حرمتہ) کی عارضی کمی ہے۔

لوسی (دلفری سے مسکرا کر) یوں تو نہ کہنے کہ یہ ان PRINCES کا تصور ہے یوں فرمائیے کہ وہ کھیت جس کا نام باپ ہو آج کل زرخیز نہیں۔

نو وارد۔ تصحیح کا شکر یہ اسی لئے تو میں کہتا رہتا ہوں کہ مجھے تم سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔

لوسی۔ گڈ نائٹ۔

اس مس کے پیٹھ ٹوڑنے پر گفتگو یوں شروع ہوئی۔

ایک۔ غنیمت ہے۔ اس سے تو جان بچی۔

دوسرا۔ کس کی؟

تیسرا سلسلہ گفتگو قطعی منوع ہے۔ آج شام زبان کے لیے عورت اور شراب دونوں حرام ہیں۔

نو وارو۔ یہ بتاؤ کھاؤ گے کس وقت؟

سب۔ جب آنتیں باطل قل ہوا اللہ پڑھیں گی۔ اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

نو وارو۔ میرا قرآن تو زربا ختم ہے۔

ایک۔ میرا بھی دوسرا۔ سچ پوچھو تو میرا بھی تیسرا علیٰ ہذا القیاس۔

اس پر بکے سب خوب ہنسنے اور خوشی خوشی حاضر کو گھنٹوں پر مچی ہوئی طشتریوں میں رکھتے گئے اور کھاتے گئے تھابھی کیا؟ دس

سنٹ میں چاروں میں وہ دو BEER کی بوتلیں اور کافی مزہ دار SANDWICH گویا ادنت کے منہ میں زیرہ ہو کر رہ گئیں۔ مگر ان لوگوں کی بکاشت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سب کے سب صحت کی دولت سے مالا مال تھے اور اس سے بڑھ کر یہ تھا کہ خدا داد ذہانت کی برقی روشنی سے چہرے تمہارے تھے۔ باتیں کرتے کرتے ایک نے فارسی شاعری کا ذکر چھیڑ دیا۔

نو وارو۔ واہ حضرت! کس بیابان میں جا گئے؟

ایک۔ بیابان تو ضرور ہے۔ مگر اس میں بلا کے ساحر آباد ہیں۔ سچ پوچھو تو خدا کی بنائی ہوئی دنیا کو ردی کر کے جو خیالی دنیا فارسی شاعروں

نے کھڑی کر دی ہے وہ قطعی بے شل ہے۔

دوسرا۔ یہ کیسے؟ کیا یونانیوں کے اور ہنٹوں کے دیوی۔ دیوتاؤں کے تھکے کچم کچم حیرت خیز ہیں۔ حالات موجودہ کو کس خوبی سے منسوخ

کر کے ان لوگوں نے محض زبان آوری کی لیاقت کے جادو سے ایک مفروضہ دنیا کو انسانی دلوں پر حکمران کر دیا۔ اور فارسی دالوں میں مہلی

تخیل کتنا کثیف و نزار ہے۔ ”ہمہ اوست“ اور ”ہمہ اوست“ کے دو عاسیانہ جملوں کو فصاحت کی شراب پلا پلا کر ان لوگوں نے سوائے پن کی شام

میں اضافہ ضرور کیا ہے۔ مگر غائر نظر سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ پل میں فنا ہوئے ہیں۔ پل میں بقاء کے دوام کے دعوے دار بنے ہیں اور پھر انہی فنا

بقا کی بے معنی ترشی کو مینائے فراس کے انڈیلتے ہیں اور پھر اسی میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک آدھ نہ غم شکنی بھی کی ہے مگر فارسی بخلوی میں مصروف

کا سونا تھجوں کا توں موجود ہے۔ ہل بات یہ ہے کہ فارسی دالوں کے پاس۔ خدا معشوق۔ اور سے کے علاوہ صرف آئینہ حیرت جبر و اختیار

اور فنا بقا کا دامنی فرمایا۔ تھا اور باقی خیر ملتا جہاں تک ان سے ممکن ہو سکا۔ ان چند تانوں کو وہ لمبا کرتے رہے مگر

تیسرا۔ اب بس بھی کہو کہ لکچر دیتے چلے جاؤ گے؟ اس بحث میں میں بھی حصہ لینا چاہتا ہوں؟

ایک (گاتے ہوئے) میں پڑوں تو رسے پیاں۔

معاف کر دے

تیسرا۔ معاف کیا۔ اچھا اب میری نو کیا شاعر کو اس کے معنی کے لئے پڑھنا اور پکھنا خلاصہ گد جا رہی ہیں؟ ایشیائی سہمی انتہائی تر

یہ ہے کہ سن کو آفرین فن انسانی کو نیک و بد کی ترازویں ٹولا جاتا ہے۔ اور مزید براں یہ کہ شاعر خود اس ہمہ دانی ہمہ فہمی کے دھوکے میں مبتلا ہو کر گویا دماغ میں اپنے اقباض دفعہ و اعطاسے بڑھ کر عین معرفت کے ترجمان ہونے کے دعوے دار شاعر و غیر تہمایوں فن تراویں کے لئے مگر لوگوں کی عقل کا کیا کہیے! کن البذر بیہوش کو حقیقت کا کامیاب شکاری سمجھتے ہیں میری رائے میں شکر پرکھنے اور اس سے لطف اٹھانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا شاعر نے الفاظ کے سنگینہ دل کو یوں بڑا ہے کہ وہ الماس دوزخ و کمات کر دیں؟ شاعر لفظوں کا صنم ہے۔ جیسے جوہری ہیرے اور یا قوت کا۔ دونوں اپنے اپنے فن کے کاریگر ہیں۔ کاریگر کی لیاقت کا معیار اس خیال سے کرنا کہ تیر تیرتی ہے گویا اس کی کاریگری کا خون کرنا ہے۔ آپ لوگ جو مضمون پر مرتبہ ہیں۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ قطب صاحب کی لاٹ اگر سونے چاندی کی تھی تو بہت زیادہ پسندیدہ ہوتی قطب صاحب کی لاٹ کی قدر و منزلت اس لیے کم نہیں ہو جاتی کہ دھل و گھٹن اینٹ پتھر چرنے اور نگارے کا مجموعہ ہے۔ اس کی اہلی شان یہ ہے کہ کاریگر نے اینٹ پتھر کو اپنی حسن آفرین طبیعت کے وہ مرتبہ دے دیا ہے جو کر ڈر من ہونے کو حاصل ہونا نامکن ہے یہی حال شاعر کا ہے۔ اپنی کیا گری سے مٹی کو سونا کرتا ہے۔

درسا یہ بھو دل عزائی

کال زہ بآفتاب پیوست

نو وارد بھی سنو بحث نہ کرو تم سب جانتے ہو کہ امضون میں مجھے بھی کچھ متحدہ ہے اور وہ مبالغہ جو ابھی (ایک کی طرف مخاطب ہو کر) تم نے کیا ہے۔ دانستہ کیا ہے۔ مجھے خوب علم ہے کہ تم جانتے تو شاعری کی TECHNIQUE کی جو کر دیتے امضون کی خوبی کے درج میں قصیدے کے قصیدے لکھ ڈالتے۔ مگر ایک شعر مجھ سے بھی سن و عربی کا ہے۔

مرا ز چشم تو ہر شیوہ کہ بایہ بہت

ہمیں ہفتہ نگہ ہائے آشناست کر نیست

یہ ہے شاعری کا کمال کہ کتنے مختصر لفظوں میں کتنی خوبصورت داستان لکھ دی ہے کیا بہت ذہنیت کا تامل از سر ہے سب کچھ ہے اور پھر کچھ نہیں اور محض اس لیے کہ اثر انھیں شرات سے باز رہیں تو بھی تم کر جاتی ہیں۔

سب۔ واللہ لاجواب شعر ہے۔ پھر کہو۔

نو وارد۔ پھر وہی غور دہراتا ہے سب کے سب لہر لہر کے گنگنا تے میں۔ گویا مہو سے ہو جاتے ہیں اور یہ عالم کچھ دیر تک طاری رہتا ہے پھر سب کے سب اختیار ہنس دیتے ہیں۔

نو وارد۔ دانستہ ہمارے سب کے دماغ کیا ایک سانچے میں ڈھلے ہیں؟ یا تو اس شعر کا لطف لے رہے تھے اور یا یہ خیال کیا کرتی تھی کس دنیا میں رہتا ہو گا؟۔ تنافلے تمکین آزمائے دنیا کے رہنے والے بچاروں کے لیے بنگاہ بے حجاب بڑی دولت تھی لندن میں کئی

ایسا مفلس نہیں جسے یہ امیری میسر نہ ہو۔ واقعی ہندوستان سخت نادار ہے۔

سب۔ تو گویا یورپ کا یہ سبق ہمارے دلوں میں سب سے زیادہ پاندا رہا ہے؟
نوادار یہود ہمت کو ہم جاننے کو کہ میرا نظریہ یہ ہے کہ ہم زندگی کو کیسے گزاریں گے بلکہ زندگی کو کچھ سکھانے آئے ہیں یہ پہلے ہم پارسلانی کی
مقلدین کریں گے جب تک ہمارے بچوں کو زندگی کا درس دیں گے۔

سب۔ اپنا فضول فلسفہ پہنے دو۔ اب چلتے ہیں بھی تمہاری بدولت خوب شام گزری۔

ایک۔ ہاں بھئی شکریہ پیسے بچ گئے۔ وقت کٹ گیا۔

دو۔ تمہارا۔ یوں کہو کہ وقت زندہ ہو گیا۔

تیسرا۔ واللہ اس تفریح سے کل کے کام کے لئے جان میں بالائی گئی۔

ایک بھڑور تم تو کل کے ستم بن کر اپنی کسی سفید یار کو زیر کر لو گے مگر ہمارا اقتصادی پہلو ان ہم سے نہیں بچھڑتا خدا ستیا ناس
کرے۔ اس گول جہانی کی کہانیہ کا جس کا نام روپیہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ روپیہ آدمی کے لئے ہے یا آدمی روپیہ کے لئے ہے۔
سب۔ بھئی ایک شعر اور سادو تب جا میں گئے۔

نوادار۔ سنو۔

ادب زلزلہ شد شوخ آشناروئے
کہ از تہتم اوئے شود حیاء گستاخ

سب۔ دانستہ کیا موتی پر دئے ہیں۔

دوسرے مصرع کو سب بار بار پڑھتے ہیں اور جھوٹے ہوئے خدا حافظ خدا حافظ کہہ کر ہشاش بشاش خست ہونے کو کتے کر

نوادار۔ بولا۔

نوادار۔ ایک شعر اور سنئے جاؤ۔

در خواب غلط بساند خسرو

کایں حلال مرا نہ بود یا بود

سب چلے جاتے ہیں۔

۴

لوسی۔ میں آسکتی ہوں؟

نوادار۔ آئیے۔ کیوں خیر ہے؟

لوسی۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ معاف کیجئے۔

نوادار۔ کیا؟

لوسی مجھے نیند نہ آرہی تھی۔ اس لیے میں پڑھنے لگ گئی۔ اتفاقاً اس پردہ کے پیچھے سے گزری تو آپ لوگوں کو دیکھا عجب حالت تھی۔ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔ آپ کے دوست اس بات کو هجوم هجوم کر دہرا رہے تھے میں اس SCENE کو دیکھ کر ہل نہ سکی۔ گریا پاؤں زمین میں گرو گئے۔ آپ اپنی زبان بول رہے تھے اس لیے یہ تو آپ کو شبہ نہ کرنا چاہیے کہ مجھ میں پرانی بات سننے کی ذیلین تھی مگر پھر بھی میں معافی مانگتی ہوں۔ امید ہے کہ آپ جڑنا نہیں گے۔

نووارد۔ لوسی، تم کیسی باتیں کرتی ہو، معافی کا اور برائے کا کیا سوال ہم تو ایسے نہک تھے کہ ہم میں سے تپکی کسی نے محسوس نہیں کیا کہ برس پر وہ بھی کوئی ہے۔

لوسی یہی تو میں تعبیر کرتی ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جس نے آپ کو اس قدر بے خود کر رکھا تھا۔ آپ لوگوں کے چہروں پر اس وقت ایسی SPIRITUAL - LIGHT تھی جو اپنے وطن میں مجھے کبھی شگفتہ سے شگفتہ رخ دل کش میں نظر نہیں آئی۔ دوسروں کو خوش دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔

نووارد۔ لوسی ہم فارسی زبان کے اشعار کو پڑھ کر ان کا لطف لے رہے تھے۔

لوسی۔ کیا عمر خیام کے اشعار تھے؟

نووارد۔ عمر خیام، بچا را کیا پیشہ لکھتا۔ ایک شعر عرواتی کا تھا۔ دد عرواتی کے۔ اور ایک امیر خسرو کا۔

لوسی۔ آپ کو نیند نہ آرہی ہو تو مجھے ترجمہ سنا دیجیے۔ مجھے سخت بے تابی ہے۔

نووارد۔ نیند تو نہیں آرہی مگر ان اشعار کا ترجمہ نہیں سکتا۔ البتہ تم کہو تو دو ایک اور کا ترجمہ سنا دیتا ہوں۔

لوسی۔ ضرور سنا دیجیے۔ کوئی شراب کا یا گلاب کا شعر ہو۔

نووارد۔ کیا تمھیں نیند نہیں آرہی؟

لوسی۔ ہرگز نہیں۔ لائیے آپ کا کوٹ اتار دوں۔ آپ ڈرسنگ گون پہن لیجئے۔

نووارد۔ یقیناً یو۔

لوسی۔ نہایت بے تکلفی سے کوٹ و اسٹ اتار لیتی ہے گرم ڈرسنگ گون اٹھا لاتی ہے۔ اور نوجوان اپنے گلے کو لارنگٹائی کی

قد سے آزاد کرتا ہے۔

نووارد۔ سنو ایک شعر یہ ہے۔

ترسا بچہ، خو خے۔ شنگے شکر لڑنے

در ہر خیم زلف او گمراہ سسلانے

(شہر سنا کر ترجمہ بھی کرتا جاتا ہے۔ اور اس کے باؤں سے بھی کھلتا جاتا ہے)

ازدیہ برون آمد، بروخی خود سرست

ہر کس کہ بدیدہ اور اولہ شد و حیرانے

(پھر ترجمہ کرتا ہے) ایک اور غزل میں ایک شعر یہ ہے۔

شکر ز لبش می چیں، تا چند ز کف و دیں۔ در زلف و رخ او میں، گبرے کوسا نے

(پھر ترجمہ کرتا ہے)

لوسی۔ یہ شعر تو ایک سنگ کے قابل ہے۔

چنانچہ ایک سنگ ہوتا ہے مگر وہ نہیں جس کا ہندوستان میں بھی بھاری ماڈل کو بہنوں کو ڈر لگا رہتا ہے۔ کیونکہ زمانہ ترقی پذیر ہے۔ نہ دل آتلے نہ دل جاتا ہے جو ہوتا ہے وہ فظی سادہ دلی سے اور اسی بھولی طرح کو ملال کا۔ گناہ کا گمان تک نہ ہو۔

لوسی۔ کاش کرمیں آپ کا کافی مشکریہ اور کرسکوں (جائی لے کر ہینڈ بھی کیا فضول چیز ہے۔ کاش جاتے چلے جائیں، تم شعر پچھتے ہو تو بچیں جسے جڑھ کر بھولے معلوم ہوتے ہو۔ گڈ نائٹ۔

نو وارد۔ گڈ نائٹ۔

۵

بحیر شریف چڑھا دیا چڑھے کوئی سال گزر گئے بچا کی بیٹی کے لئے جگہ کی تلاش کا سال پیدا ہی نہ ہوا گھر کا کام گھر ہی میں ختم ہوا بادا کی نگین میں فارغ البالی کے آثار ہیں۔ کیونکہ گھر کا بیٹے نے الگ کوٹھی میں رہنا پسند کیا مگر صا جمیٹے سعادت مندی کو کچا نہ ٹھکا باپ کی یاں بہنوں کی اور بھگت میں توقع سے زیادہ خلوص تھا چھوٹی بہن البتہ کبھی کبھی گھٹتی کہ خدا جانے شادی کے بعد اس کا سواں کے مزاج میں وہ چل پلٹا کیوں کہ پورا ہے جو لایک واپس آنے پر ہنوں اور آنکھوں سے نور سے کی طرح اچھلتا دکھائی دیتا تھا مگر ادب کو کامل اعلیٰ نیا تھا کہ سلیم طابع پر لندن کا جادو گر نہیں ہوتا۔ سمجھنے والے خوب سمجھ رہے تھے کہ ہندوستانی سوشل گر و غبار اپنا کام کر رہے ہیں مگر اس معاملہ میں کوئی کر کیا کتنا ہے جس طرح گل کمرے کی رلائی چاندی کی چیزیں دراز عمارت پونچھ کے باوجود ماند پڑ جاتی ہیں اسی طرح وہ زمین خوش روچہ سے بن پڑھا پانچ سال لندن نے محنت سے جلائی ہوئے ہندوستانی گھروں میں ہندوستانی حالات کے باؤ کے فلوکوں اثر سے بچ نہیں سکے۔ بے پہلے بوٹ بیٹم ہونے شروع ہوتے ہیں اور پھر انگ تک ذہن پہنچتی ہے کہ کبھی سے اوکھی نہاد بوٹ بوٹ۔ دل۔ داغ سب کو ہند کی ساشرتی پھینک دی کھا کر چھوڑتی ہے۔

ہاں مگر کبھی کبھی اگر دوست مل بیٹھیں تو۔

یہ ذکر ہندوستان کے ایک شہر کا ہے۔

نام نہ شہر کا لکھا جائے گا نہ کسی شخص کا۔ نام ان کے ہوتے ہیں جو کچھ ہوں اور جو کہیں۔ جو وطن سے باہر کبھی زندہ رہے ہوں مگر وطن میں محض جلتی بھرتی لائیں ہوں کیا ان کا نام کیا ان کے شہر کا پتہ؟ مگر یہ داستان سیکڑوں گھروں کی زندہ تاریخ ہے، تار آنے پر پٹروں دار و معمول سے قدرے زیادہ نستعلیق طرز میں شام سے ذرا پہلے ٹور میں شیش پر جانے کے لئے طیارہ میں کچھوٹی بہن آہ نکلتی ہے۔

چھوٹی بہن۔ آ کامیاں! آج تو آپ بہت بے شاش معلوم ہوتے ہیں۔ کیا بات ہے؟
نوار دہننی بیس تین دوست آ رہے ہیں۔ صرف ایک رات کے لئے لندن میں ہم چاروں بہت دیر تک جبار رہے۔ سب کے سب لائق تھے اور اب کامیاب ہیں۔ مجھے بے انتہا شوق ہے کہ ان سے مل کر گپ بازی ہوگی۔
بیوی۔ کھانے کے لئے میں نے کھدیا ہے۔ پلاؤ ہوگا اور دو ایک سالن پھلی اور کباب تو خیر ہوں گے ہی۔ اور کچھ چائیں تو بواؤں؟
نوار۔ سنئے میں پہلے کچھ چکا ہوں کہ کھانا وہ لوگ شاید ہی کھائیں اور کھانا اگر آپ میری نہیں تو ہرگز طیارہ نہ کر ایسے۔
سینڈویچ کافی کھو اوتھئے۔

بیوی۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے دوست آئیں اور کھانا نہ بنواؤں؟ سینڈویچ بھی بھلا کوئی کھانے کی چیز ہے مگر آپ اصرار کرتے ہیں تو ضرور تیار ہو جائیں گے۔
چھوٹی بہن۔ بھائی! کیا آپ آ کامیاں کے دوستوں سے بھی پردہ کریں گی؟
بیوی۔ بُنی! پردہ ہے تو سب ہے۔

نوار کے چہرے پر ایک غیر معلوم شائے کے لئے بے شاشت مغفود ہو جاتی ہے مگر چھوٹی بہن اور بیوی کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا موٹر میں سوار ہو جاتا ہے۔

سٹیشن پر چار دہننی دوستوں کا ملنا عرصے کے بعد ملنا اور پھوڑے عرصے کے لئے ملنا! "ہیلو" "ہیلو" "ہیلو" "آجے زندہ نہیں؟" "ابے شیطان کے گرو اور اسی قسم کی میسجوں نے سبھی صلواتوں کے گویا طوفان کو سپا ہونا تھا کہاں پرانی تہذیب کہ دیر کے بعد ملو تو آب ویدہ ہو کر ملو کہاں یہ نیاط لفظ کہ دلی مسرت کو بدتمیزی کا برقع پہنا دو۔ ہاتھ بھی چیلے۔ زبان بھی چلی بگڑاں تڑاں طپاؤں اور گالی گھڑج میں طبعیتوں سے ہندوستان کا رنگ مٹ گیا انسان ملازموں کے حوالہ کر کے موٹر کے پاس پہنچے بھلا نوار کو کو دہننی ٹور کون چلانے دے! ایک کراہیک نے WHEEL کو تھاما۔ دوسرے نے نوار کو پھیل سیٹ میں دھکیلا جو موٹر چلانے میں تیار ہو خوشی سے بولا PETROL بہت سے پہلے پمپ میں مل

کا چکر لگائیں گے۔ یہ جاوہر جابھڑا فاسک باغ دیکھے۔ رات ہوئی تو شہر کی سڑکوں پر گھومے۔ ایک RESTAURANT سے BEER کی دو بوتلیں اٹھالائے اور پھر رات کے نوبے گھر پہنچے۔ خدنگار نے عرض کیا کہ حضور کھانا لاؤں کہ ایک کپے لگا نہیں کھانا نہیں صرف سینڈویچ لاؤ۔ دوسرا کہنے لگا ہاں دوست آج لندن کی رات سناؤ۔ کھانے کو GOOD BYE تیرا چیکا کہ یہ ہو جائے تو کیا کہتے مگر بارود ہی شرط کہ محبت کا لفظ زبان پر نہ آئے۔ بخوش طبعی کے اس بلڈ میں میزبان بھی بھول گیا کہ زندگی میں سوائے دوستوں سے مل کر خوش ہونے کے کوئی اور فرض بھی ہوتے ہیں اور یہ چاروں گویا پھر طالب علم ہو گئے۔ نہ کوئی قائم مقام کلکٹر رہا۔ نہ کوئی کامیاب بریڈر۔ نہ انجینئر۔ نہ ڈاکٹر۔ نہ منڈیج BEER کا گلاس اور باتیں کرکٹ میچ کی باتیں۔ جہاز کے سفر کی باتیں۔ استادوں کی باتیں۔ بچھڑے ہوئے ہم سبق کسی مدد راسی۔ کسی بنگالی کی باتیں۔ باتیں اور بات بات پر ہنستے۔

ایک۔ ارے وہ مرثیہ کدیاں ہے جو انگریزی میں نظم لکھا کرتا تھا۔

دوسرا سنتا ہوں کہ اس کی دو چار نظمیں انگریزی رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر یہ بھی سنا کہ بی بی سے وہ بھاگ نکلا۔

تیسرا یہ تو ہونا ہی تھا۔ شاعری اور بی بی تنہا چیزیں ہیں۔

نوارو۔ سچ کہتے ہو۔ اسی لئے میں TENNYSON کو بڑے شاعروں میں شمار نہیں کرتا۔

دوسرا۔ یہ تمہارا نظم ہے۔ ٹی سن لا جواب چیزیں لکھ گیا ہے۔

نوارو۔ (جلدی سے) لعنت بھیج اس کی لا جواب بکواس پر جو شخص یہ لکھ سکتا ہے۔

LET MORE + MORE OF REVERENCE IN US DWELL دیکھی شاعر ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک۔ کج تو تم بہت مبالغے پرستے ہوئے ہو۔

نوارو۔ اچھا بحث کو جانے دو کیا وہ تمہیں یاد ہے جس میں خُن کا دعویٰ ہے کہ خدا اپنے ستارے سے اترے۔

AND BOW BEFORE THE WONDER OF MY EYES اس کے بعد کی انگریزی گفتگو کا لطف اردو میں بیان ہونا نامکن

ہے انگریزی شاعری کا طوفان امنڈ پڑا۔ طالب علمی اور شباب! کسی نے کچھ چڑھا کسی نے کچھ۔ پورے دو گھنٹے گزر گئے اور خیال تک نہ ہو کہ بات آدھی جا چلی ہے۔ آخر ایک نے فرانسیسی شاعر BAUDLAIRE کا ذکر پھیرا تو نوارو بولا۔

نوارو۔ عربی نے "خندہ گلہائے بدنامی" کی ترکیب باندھی ہے مگر BAUDLAIRE کے FLOWERS OF EVIL

کی گرتک کو نہ پہنچ سکا۔

دوسرا۔ اچھا تو اب یہ گل بدکرداری کا شست کو دکھ پاؤں پھیلاد کر سو جاؤ۔

سب مل کر نوارو کو تو گھوکے اندر دھکیلے ہیں اب کہتے جلتے ہیں کہ تم سوتے دبنا، صبح چل دیں گے۔ ٹائٹ ٹائٹ اولڈ ہائے۔

اور "DAMN GOOD TIME WE HAVE HAD" کا شوریٰ مچ گیا۔

۷

نوادرد دوستوں کی خوشی کی شراب کے مخمور پلنگ کمرے میں داخل ہوتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ سلیم بیدار ہیں۔
نوادرد۔ ارے۔ تم جاگتی ہو؟

بیوی۔ کون ہو سکتا ہے۔ چکا چکیا کھانا آپ لوگوں نے غارت کیا۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ کھانا بار بار کیا نیند گنائی اور چوری دو تلوں
تم لوگ چٹ کر گئے۔ لندن میں ہی یکسا ہو گا ان سب نے مجھ سے تو ہڈا دیا۔ پردے کے پیچھے سے جھانکا تو کیا دیکھتی ہوں کہ اچک اچک کر انگریزی میں
سرکے سب کچھ بکے جا رہے ہیں۔ مجھے تو دوانے معلوم ہوتے تھے کسی اور کا بھی خیال کیا ہوتا۔ تم لوگ تو بچوں سے بدتر ہو گئے۔

انسانی دماغ کا گامزنوں بعض وقت عجب طرح بجتا ہے۔ سلیم کی یہ عقل کی باتیں دہندوستانی عقل ہندوستانی غصے کہیں زیادہ زہر زدہ ہوتی
ہے ہنسنا جاتا تھا۔ گلاس کے دماغ میں وہ باطل بھولے ہوئے نعرے گونجنے لگے دوسروں کو خوش دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ "نیند بھی کیا
فضول چیز ہے۔" آپ کے چہرے پر SPIRITUAL LIGHT مچی۔
نوادرد کچھ دبو لا۔ بیوی کچھ نہ سمجھی متعجب ہو کر رہ گئی کہ شوہر یہ گنگنارہا ہے۔

ترسا بچہ شونے، شنگے شکر افشانے

اے کیا یہ کہ مصنف نازک کی ایک دو مٹھی مغربی کلی اپنی شرتی بہن کے آٹے آرہی ہے۔

"فلک پیا"

اگر میں تم سے کہہ دوں کہ تم مجھے پیاری لگتی ہو تو آے مجھورے بالوں والی آے نیلی آنکھوں والی!
خدا جانے تم اس پر کیا کہو؟

(الطیر دیمو سے)

"سگ"

غزل

دم لے ملک الموت ذرا بہر خدا لے واپس مرا قاصد در جاناں سے تو آ لے
 حسرت ہو کہ منہ بھی سنوں ناز کی باتیں اونچی نگاہوں سے مجھے دیکھنے والے
 ہو جس کی خلش روح کو سرمایہ لذت کیونکر کوئی وہ تیر کلیجے سے نکالے
 اے نالہ دل اُس پہ اثر ہو تو میں جانوں بے فائدہ یوں عرش ہلانے کو ہلا لے
 مٹتے ہیں مٹانے سے کہیں نقش و فاکے اے حُسن مجھے صفحہ ہستی سے مٹا لے
 نامے پہ لٹائیں گہرا شک کی لڑیاں قاصد کو کیا خوبی قسمت کے حوالے
 میں غصہ کا طالب ہوں یہ تجھ پہ ہو توقف ٹھکرا مرا اسیر یا مجھے سینے سے لگا لے
 مشتاق غبارِ سُم تو سن کی ہیں آنکھیں اے اسپیس خاک نشینوں کی دعا لے

جو کچھ دکھیں گے تجھے معلوم ہے اے صدق

حالِ دل بے تاب سنانے کو سنانے صدق جانسی

خرابات کی رات

ساقیا ابراٹھا جھوم کے بھر دے ساغر
ابر بدست ہے گل وجد میں کلیاں سرشار
خیم ابرو کی طرح خم کو جھکا دے ساقی
بادۂ ناب کے دو گھونٹ پلا دے ساقی
مغفل اہل خرابات پہ دم بھر کے لئے
نرگسی چشم سے کر بارش صہبا ساقی
دورے دورے سے اُلتی ہے جوانی کی اُمتنگ
کروے اعلان نہ میخانہ کوئی نہ دکرے
ہم بخیر کرم آج رہیں تو کیونکر
کوئی کھدومہ و غور شب کی پرواہی نہیں
گو گنجی آتی ہے کانوں میں پیسے کی صدا
ایسے لمحوں میں کہ خود دہر ہے اک میخانہ
نورِ مہتاب میں بکلیوں کی ہے خوشبو کا سرد
جسم کا خون بڑھاتی ہے چمن کی خوشبو

مست کر دے کہ ہے ستانہ ادایہ منظر
جلد پھولوں کا بچھا کُنج چمن میں بستر
مست آنکھوں کی قسم جھوم کے بھر دے ساغر
کھول دے ہر وجہ ت کے دریچے دل پر
تیرے قربان ذرا مہر و غنائیت کی نظر
جھومتا ابر چلا آتا ہے نئے خانے پر
مئے گلنگ میں ہے عکس جمالِ دُسر
آج میں صبح سے وایکدہ غلد کے در
بادۂ نوشی کا ہے ہر ذرہ عالم پہ اثر
آج رندوں کو میں بس جام و ہوشمش و قمر
سرخِ بادۂ گلوں پہ سبک پھولوں پر
اُس کی قیمت ہو جسے آج بھی ہوا پنی خبر
ہوگی اب شب نہ تیر کوئی اس سے بھوک
روح خوابیدہ جگاتی ہے مئے جاں پرور

جام اک اور دے بیتاب سے مخمور حلال

تیری آنکھوں کی قسم ساقی تم کیلین پرور

جلال

گندم کے پودے کی موت

اکٹوہی بجھا ہوا ہے کہ رعد برق کے ایک تیز و تندرطن فان کے بعد مٹے گندم کا کھیت جھلس کر سیاہ پڑ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی پلٹ اس پر سے گزر گئی ہے۔ دیہاتی تو کہتے ہیں کہ کھیت کی شکل کبھی بگاڑ گئی ہے لیکن میں نہیں بتاتا ہوں کہ چڑیوں کا اس کے متعلق کیا خیال ہے چڑیوں نے یہ بات ایک بوڑھے بید کے درخت سے سنی تھی جو مٹے گندم کے ایک کھیت کے قریب لگا تھا اور اب تک وہیں ہے۔ یہ بہت بڑا درخت ہے اور اس کی تعلیم کرنا ہر ایک کا فرض ہے۔ اگرچہ عمر کے تقاضے سے اس کے اعضاء بیکار ہو چکے ہیں۔ اس کا تنا پھٹ چکا ہے اور اس کے اندر گھاس اور خاردار بوٹیاں اُگ آئی ہیں۔ یہ تو مڑا سا آگے کو جھکا ہوا ہے اور شاخیں لٹک کر زمین تک پہنچی ہیں جو بالکل اس کے سبز سبز بال علم ہوتی ہیں۔ اس پاس کے تمام کھیتوں میں غلہ اُگل رہا ہے نہرت مٹی مٹی دیو گندم اور جو نہیں بلکہ جٹی بھی — خوبصورت جٹی جو یک کیوں معلوم ہوتی ہے جیسے چھوٹی چھوٹی نہری چڑیوں کا کوئی جھنڈ شاخوں پر بیٹھا ہے۔ غلے کے کھیت غوما گسارتے مہتے ہیں۔ بیماری بھاری اور عمدہ بے پودوں کے سر پہ جھکا دیتے ہیں اور پودے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بہت ہی عاجز اور نیک ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہاں مٹے گندم کا بھی ایک کھیت تھا۔ یہ کھیت بید کے درخت کے عین بالمقابل اُکا تھا۔ اس کا ایک پودا دوسرے پودوں کی طرح کسی طرح اپنا سر بچا کر تا تھا اور اگر کھیت غور سے کھڑا غلہ وہ کہنے لگائیں بھی اتنا ہی معزز ہوں جتنے دوسرے قیمتی پودے اُدیں اور اس سے زیادہ خوش رُو ہوں۔ میرے پھول کے پھولوں کی طرح خوشامیں کون ہر جو مجھ سے زیادہ میں ہو؟ بتاؤ کوئی ہے؟ بتا اے بوڑھے کھوسٹ بید!

بوڑھے بید نے جواب میں سر کو یوں جھنپیں دیں جیسے وہ کہہ رہا ہے ”ہے! ہے! ہے! ہے!“
لیکن مٹے گندم کا یہ نامعقول پودا غور سے تن کر کھڑا ہو گیا اور پھر آپ ہی آپ بڑبڑا کر کہنے لگا۔ ”نامعقول درخت! اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اس پر گھاس بھی اُگ آئی ہے۔“

اس کے بعد یوں ہوا کہ ایک سخت خوفناک طوفان آیا۔ کھیتوں کے تمام پھولوں نے ہم کر یا تو اپنی تیاں سٹالیں یا اپنے چھوٹے چھوٹے سر پہ جھکا دیئے طوفان چپکے سے ان پر سے گزر گیا۔ لیکن مٹے گندم کا پودا سخت سے اکڑا کھڑا رہا پھول بہتر سمجھتا ہے کہ ہماری طرح سر جھکا لو گھاس نے سنی ان ہی ایک کر دی۔

اس کے بعد غلے کی بالوں نے بھی پٹا بٹا کر اس سے کہا "ہماری طرح سر جھکا لو! جھکا بھی لو! اطوفان کا فرشتہ آ رہا ہے اس کے پر آسمان سے زمین تک پھیلے ہیں ساس سے پہلے کونم رحم کے لیے چوہ تھیں بیج کر زمین پر دے مارے گا۔" لیکن موٹے گندم کا پودا ایسے اطمینان سے بولا بھی مجھے تو جھکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اب بولمھا یہ بھی بولا کہنے لگا۔ "اپنے پھول بند کر لو اور سر جھکا لو! درجیب بادل چھٹیں تو آسمان میں منت جھانکنا یہ تو آہی بھی نہیں کر سکتے بجلی کے ایک بار کوندنے سے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں سو کھینے کو تو ہم اندر دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ نظارہ ان لوگوں کو بھی اندھا کر دیتا ہے پھر ہماری کیا بساط چاہی جرأت کریں۔ ہم جو زمین کی پیداوار ہیں اور ہر بات میں اُن سے کم ہیں۔" پودا ایسے مخر سے کہنے لگا کم! کم! کم! سچ مجھ! اچھا اب تو میں آسمان میں سرور جھانکوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے نہایت بے باکی سے اوپر دیکھا اور اپنی پُرخور نگاہیں آسمان پر جادیں بجلی آسمان کے آ رہا نہایت غضب سے بھڑکی اور تمام دنیا کو آگ لگتی ہوئی محسوس ہوئی۔

جب یہ دہشتناک طوفان خاموش ہو چکا تو پھولوں اور پودوں نے اپنے جھکے ہوئے سر بارش سے ڈھکی ہوئی یا کیرہ اور ساکن ہوا میں اوپر اٹھ لے لیکن افسوس بیچارہ موٹے گندم کا پودا ایک بیکار شے کی طرح کھیت میں گر پڑا تھا اس کا جسم بلی نے جلا کر سیاہ کر ڈالا تھا۔ بوڑھے بید کی شاخیں تیز ہوا میں سرسرا رہی تھیں اس کے سرسبز پتوں سے پانی کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ یوں علوم ہوا جیسے وہ رو رہا ہے۔ چڑیاں اس سے کہنے لگیں آس پاس کی ہر چیز اتنی سرور ہے تم کیوں روتے ہو؟ دیکھئے نہیں سچ کس طرح چمک رہا ہے اور بادل نیلے آسمان پر تیز رہتے ہیں کیا پھولوں اور جھاڑیوں کی خوشبو تمہیں نہیں آ رہی؟ تم کیوں رو رہے ہو؟

میدنے انہیں دیو گندم کے پودے کی خود پسندی اور غور کا غناک قصہ سنایا اور بتایا کہ اسے کس قدر درد انگیز سزا ملی ہو۔

بیکہانی ایک شام مجھے چڑیوں نے سنائی تھی جب میں نے ان سے کہا تھا کہ اچھی چڑی کو کوئی کہانی تو سنناؤ۔

(ایبند سن)

اتنی سی تیلی

میری بٹی برابر دونوں طرف سے چل رہی ہے۔

بھلا یہ رات بھر کب روشن رہے گی!

لیکن آہ میرے حریفو اور او میرے دوستو!

کس قدر برطفت اور دلکش ہے اس کی روشنی!

غزل

رہ طلب میں جو دل خانناں خراب نہیں
حجاب آپ ہواںساں۔ کوئی حجاب نہیں
خزاں ہے کیا۔ جو تراشیوہ عتاب نہیں
پیالہ بھیک کا ہے۔ قہر میں آفتاب نہیں
کتاب دل سے مقدس کوئی کتاب نہیں
نگاہ پاک تو لا۔ پھر کوئی حجاب نہیں
مری بلا طلبی کا کہیں جواب نہیں
کتابِ حُسن میں اسے دل ہوا کا باب نہیں
جو ملجی غم دوراں سے بہرہ یاب نہیں
جو اہل دل میں۔ نہیں حاجت باب نہیں
ملائے آنکھوں کو آنکھیں اگر شراب نہیں
کہ زندگی سے دل آویز کوئی خواب نہیں
چراغ شب کو نہیں۔ دن کو آفتاب نہیں
غم آشناؤں کی دنیا میں انقلاب نہیں
کسی دُکھی کی بسے دنیا۔ مراثیاں نہیں
یہ سر گذشت ہوا اپنی خیال خواب نہیں

حزیم شاید معنی میں باریاب نہیں
تیری تلاش میں گم ہو کے پایا تجھ کو
بہار کیا ہے جو تیرا کہیں تبسم ناز
ترا لہیز زمانہ ہے اسے شہِ خواباں!
وہ خود ہی پردہ اوراق میں ہے زمزمہ ساز
سکوت خود ہے تکلم۔ سخن شناس تو ہو
اگر تو شہرہ آفاق ہے تغافل میں
دلیقہ عشق بتاں کا نہ کرے رائے خدا
وہ دل ہے کیفیت مئے زندگی سے ناچم
نفس کی فعلہ نوائی پہ رقص کرنے ہیں
مجھے تو بد نظریہ خودی ہے اسے ساتی!
فنا ہو میں جو امیں۔ تو کھل گئیں آنکھیں
ہمارا غم لا۔ نہ کرے کہ ہے
وہی ہے بس حوادث۔ وہی ہے برقِ بلا
کہیں جنازہ حسرت۔ کہیں مزارِ امید
امید۔ مرکزِ امید۔ مرقدِ امید

ترا فناء بلا کا ہے خوشگاہِ نشتر
بس اب خدا کے لئے بس کہ دل کو تاب نہیں

سی آرد اس کی شاعری

خواب

اُس تاریک و خاموش شب کو مجھے حیرت انگیز طور پر سو کر کن گہری نیند آئی اور میری دونوں آنکھیں بند ہو گئیں۔
 اُس وقت اندر باہر ہر چہ اُردافِ تاریکی ہی تاریکی پہلی ہوتی تھی۔
 یکایک ایک روح پروردِ خواب میں مجھے ایک انسانی جسم نظر پڑا۔
 اُس کا چہرہ ماہِ منتال تھا اور اُس کی آنکھیں مشعل کی طرح روشن تھیں۔
 اُس نے کوئی بھی بات مجھ سے نہ کی۔ بہرحم و سنگ دل دہونکی طرح خاموش کھڑا رہا۔
 بیخوف، خاموش اور دائمِ سنس مکھ

میری تمام خوابیدہ خواہشیں یک تختِ بیدار ہو گئیں
 لیکن آہ و چلا گیا اور آسمان پر اپنے کالے کاکلوں کی سیاہی چھوڑ گیا۔

اپنے دل رُبا سے

اے میرے محبوب! طہر جا بیس رہ اور راحت پذیر ہو میں تجھے شرابِ محبت پلاؤں کہ زخمِ بیداد دل کا اور تیری بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں پر پوسے دوں گا۔

اے میرے محبوب! سو جا باہر آسمان رکھا۔ کابلے باؤل پھلے ہوئے ہیں، برقِ نہایتِ تیزی سے چمک رہی ہے۔ رعدِ زور سے گرج رہا ہے اور چاروں طرف تاریکی کی سلطنت چھائی ہے۔ اے مجھ دیوانے کے عمل ایسے وقت میں تو کماں جانا چاہتا ہے۔
 اے میرے محبوب! سو جا۔ راحت پذیر ہو۔ میں تجھے شرابِ محبت پلاؤں کہ زخمِ بیداد دل کا اور تیری بھینچا و زخمِ صورت آنکھوں پر پوسے دوں گا۔
 تیری آنکھوں میں جس ہے تو کس چیز کا عالم ہے؟ زرجامِ کراہی کسی کی ناز برداری کا یا کسی اور کی محبت کا۔ اے محبوب پر سب فانی ہیں۔ ان کی آب و تاب ان کی آرائش و زیبائش، ان کی ہستی صرف چند روزہ ہے۔

اے میرے محبوب! سو جا۔ سو جا۔ اے میرے دلِ دھان کے مالک میں تجھے شرابِ محبت پلاؤں کہ زخمِ بیداد دل کا اور تیری خوبصورت آنکھوں پر پوسے دوں گا۔

اے میرے میراے تجھ سے میری طرح کون محبت کر سکے گا۔ کون تیری ناز برداری کر سکے گا۔ آہ اے میرے خوبصورت پندنگ! انو

اٹنے کے لئے اپنے پروں کو بھیلایا۔ کہاں جائے گا تو؟ باہر رعد جھپٹانک آواز سے گرج رہا ہے اور آہنی کاسمندر ٹھٹھکیں مار رہا ہے ہاں۔ اسے میرے محبوب انوکھیں بھی مت جاہلیں رہ اور راحت پذیر ہو میں تجھے شرابِ محبت بلا کر مخمور بنا دوں گا دتیری بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں پر بوسے دوں گا۔

آرزو

گو کہتماری ہی باتیں میرے کاشادِ حیات میں بسنت کے راگ کی طرح گونج رہی ہیں۔
گو کہتمارے ہی عشق کی تپش سے میرے دل کا خون پھول بن کر کھلا ہوا ہے
گو یہ جو زلفتماری ہی محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر نرم کو گھیرے ہوئے مجھ بھنسا رہا ہے۔
اور گو تصور میں بسنت کے پھولوں کی طرح میرے پرمردہ دل کا شگودہ کھلا ہوا ہے
گرچہ بھی میری آرزو بہت بے پایاں ہے میں تمہارے تصور کو چھوڑ کر نرم کو پاناچا ہنسا ہوں اور تمہارے لبِ لعلیں پر ایک پرجوش بوسہ دینا چاہتا ہوں۔

نہ کہاں ہو؟ آؤ میرے نزدیک آؤ اور میرے سینہ کی خشک زمین پر ایک ہرا بھر ابلج لگا دو

تارے

ان دو منور آنکھوں کے ساتھ اے میرے تارے اے میرے محبوب!
تو دیکھ رہا ہے اوپر کے اُن تار کی طرف
اے کاش میں آسمان بن جاؤں
کہ پھر تجھ کو اپنی صدمہ زار آنکھوں سے دیکھ کر دوں

”گلکیں“

افشائے راز

میری باں نہیں آلودہ شکایتِ غم مرے لبوں پہ نہیں شورِ نالہ ماتم
 میں غم نصیب ہوں لیکن خموش رہتا ہوں میں ہوں تو بجرِ مگر بے خروش رہتا ہوں
 مری جبین ہو آئینہ نوجوانی کا ہے اس میں عکس ابھی رنگِ شادمانی کا
 شریکِ حلقہ یارانِ میگسار ہوں میں چمنِ نغمہ رنگینی بہار ہوں میں
 مگر ان آنکھوں کی مشکل کو کیا کروں ہمدم کہ اُس کا ذکر چھڑا اور یہ ہوئیں پُر غم
 یہ سسِ سس سے آنسو ٹپک ہی پڑتے ہیں یُدل کی آگ سے گویا شرار جھڑتے ہیں
 یہ آنکھیں روتی ہیں بے اختیار روتی ہیں کہاں سنھلکتی ہیں دیوانہ دار روتی ہیں

یہ موتی اشکِ محبت کے دل لیتی ہیں

مگر یہ رازِ مرعسہ کا کھول دیتی ہیں

آثرِ صہبائی

دو خط

انوار

”تم نہ تو خط لکھتے تھے نہ یہاں آتے ہو تم نے مجھے بھلا دیا لیکن کیوں؟ میں نے کیا کیا؟ ہر کیا بے پیکر کے ہلاک تیار ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اُف کس قدر تمہیں چاہتی ہوں۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا تو میرے پاس رہتے مجھے اپنی آغوش میں لے لوے میرا دل اپنے دل سے لگائے ہوئے تھا۔ رہے ہو نہ میرے ہونٹ میرے ہونٹوں سے چپٹے ہوئے! — مجھے تم سے محبت ہے، میرے حسین دیوتا! — شباب کی تمام امیگوں کے ساتھ اروج کی تمام آرزوؤں کے ساتھ اہاں مجھے تم سے محبت ہے میں تمہیں چاہتی ہوں۔“

تمہاری بچاؤن
صرفیہ

میری سخی صرفیہ

میں جو کچھ کہنے کو ہوں۔ تم ذرا بھی نہ سمجھ سکو گی۔ لیکن کوئی ہرج نہیں اگر یہ کسی ادب و عزت کے ہاتھ میں بھی پڑ جائے تو اس کیلئے بھی مفید ہوگا۔ اگر تم کوئی گئی ہو تو میں تو اس غنیمت سے زیادہ مدد تک محبت کر سکتا لیکن جو کچھ تم اس کی وجہ سے بے کم بول سکتی ہو۔ بس۔ تم جانتی ہو محبت میں خواب بھی نغمہ ہوتا ہے لیکن اس لئے کہ خواب گیت ہو کیسے ضرور ہے کہ اُن میں مداخلت نہ کی جائے۔ جب بوسوں کے درمیان ہم بولنے لگتے ہیں تو یہ خواب آسمانی خواب جن میں ہماری روحیں پڑاں مٹی میں، ٹوٹ جاتے ہیں! ہاں اگر اس وقت کی گفتگو بھی آسمانی ہو تو ادب بات ہے مگر حسین لڑکیوں کے ننھے ننھے لبوں پر آسمانی الفاظ نہیں آتے۔

تم کچھ نہیں سمجھ رہی ہو؟ بے نا؟ اچھا ہے۔ میں کہے جاؤں گا تم غور توں میں سب سے زیادہ حسین ہو سب سے زیادہ دلکش پیار کرنے کے لائق کیا دنیا میں اور انھیں بھی میں جن میں تمہاری آنکھوں سے زیادہ خواب ہوں؟ سحر ہو؟ زیادہ نامعلوم خاموش وعدہ محبت کی گہرائی؟ کم از کم میرے خیال میں نہیں۔

اوجہ تمہارے پیارے خمیدہ ہونٹوں دلے دہانہ پر تو تم زلفاں ہو کر ننھے ننھے دانتوں کو عریان کر دیتا۔ تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان شیریں ہونٹوں سے سو فیصد چھوٹ پڑی ہے۔ ایسا نرم، نازک، نغمہ ایسا رسلا کہ جسے سن کر آدمی بے اختیار بے اختیار لگے اور اس وقت، آہ اس وقت تم لہنے لگتیں تمہاری اس وقت کی گفتگو مجھے ناقابلِ بیان اذیت پہنچاتی۔ اس وقت تو میرا جی چاہنے لگتا کہ کاش میں نے تمہیں کبھی نہ دیکھا ہوتا۔ تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ رہی ہو نا؟ میرا بھی یہی خیال تھا ہاں میں یاد ہے جب تم پہلی بار میرے کمرے میں مجھ سے ملنے آئی تھیں؟ کیسی خوشی سے

چکنتی ہوئی تم اندر داخل ہوئی نہیں!..... بنفشہ کی خوشبوئیں جو تمہارے کپڑوں سے چھٹی ہوئی تھیں تم سے پہلے میرے نزدیک اگر مجھے محسوس کر چکی تھیں کیسے ہم لوگ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ایک لفظ کے بغیر اور پھر لپٹ گئے دو بچوں کی طرح، ننھے معصوم بچوں کی طرح۔ پھر اس وقت سے آخر تک ہم ایک لفظ بھی نہ بولے۔

”جدا ہونے وقت ہمارے کانپتے ہاتھوں نے، ہماری آنکھوں نے نہایت کچھ کہا تھا اتنا کہ کوئی زبان وہ الفاظ ادا نہیں کر سکتی تم از کم میں نے تو یہی سمجھا اور جانے جاتے تم سرگوشیوں میں کہنی گئیں ”تم پھر میں گے بہت جلد“

”تم نے اتنا ہی کہا تھا لیکن تم نہیں سمجھ سکتیں کہ کتنے خوشگوار دل خوش کن خواب تم نے بیدار کر دئے میں نے اپنی تمام آرزوؤں کا اپنی تمام تمنائوں کا کس تمہاری آنکھوں میں دیکھ لیا تھا“

”تم نے دیکھا، میری ننھی صوفی مردوں کے لئے جو دروں سے زیادہ بھدا ہونے میں، محبت کیا ہوتی ہے کتنی جلدی وہ اس سے مغلوب ہو جاتے تم میں تم خوش محبت میں کسی بات کے صفا خیر پہلو کا بھی خیال نہیں کرتی کبھی یہ نہیں دیکھتیں کہ کوئی بات کس جگہ بے معنی ہے۔

”وہی بات جو ایک نثر پر چھپ سخی و دشمن ہو کی زبان سے بیاری معلوم ہوتی ہے کیوں ایک موٹی لاشی سنجیدہ عورت کے منہ سے جانتی چیز محسوس ہوتی ہے، وہی محبت کے الفاظ جن کی تمام کسی ایک سے کرتے ہیں کیوں دوسرے کی زبان سے نکلیں وہ کلمہ ہر نزدیکی اس لئے کہ ہر چیز میں اور خاص کر محبت میں ہم آہنگی ہونی چاہئے۔ اس مستی کے حرکات، آقا نا الفاظ اور اظہار محبت میں جو حرکت کرتی ہے ہوتی ہے اور پیار کرتی ہے موافقت ہونی ضروری ہے، ہم آہنگی ہمیں بخدیں۔ بانوں کے رنگ میں جن میں۔

جب سے تم نے اپنی لارزائیں مجھ پر صرف کرنی شروع کیں سب کچھ تم ہو گیا بعض اوقات ہم ایک طویل بوسے میں خود کو گم کر دیتے، ایسے بوسے میں جب زبانیں بند ہو جاتیں اور دل کی حرکت قریب قریب رک جاتی! — اور پھر جب ہمارے لب الگ ہونے تم زور سے ہنس کر کہہ اٹھتیں ”کتنا اچھا بوسہ میری جان!“ مجھے ایسا صدمہ پہنچتا کہ جی چاہتا اور دل اتنا کہ تم رہے لگتا چھینے لگو! وہ میرے فردوسی خواب کو بر باد کر دینے والی ظالم!

لیکن محبت تو ایک جیوانی جذبہ ہے، سوچنے پر کتنا معجزہ! آہ میری ننھی صوفیہ کس طاقت نے، کس ننھی عجیب طاقت نے تم سے چھوٹا سا محبت کا خط لکھوایا ہے؟

تم نے ہمیشہ اپنی محبت کا اظہار عجیب عجیب خطوں سے کیا ہے میں نے سب کو ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ لیکن دکھاؤں گا نہیں، تمہاری محبت کے خیال سے۔

”اور بعض اوقات تو تم بالکل بے موقع بول اٹھتیں مثلاً کبھی تو ایسے ایسے رنحوں پر گر کر غشی میں کہیں کہ مجھے تم سے محبت ہے کہ مجھے بھی مشکل سے سستی ضبط کرنی پڑتی!

سنو بعض بعض حالات میں یہی الفاظ مجھے نم سے جڑتے ہیں۔ نہایت بے محل اور مضحکہ خیز ہو جاتے ہیں۔
 ”لیکن تم سمجھ نہیں رہی ہو، ہاں بہت سی دوسری عورتیں بھی نہیں سمجھیں گی اور مجھے احسن خیال کریں گی لیکن مجھے تو اس کی پروا بھی نہیں!

بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن مہذب لوگ اسے بدعینہ خیال کرتے ہیں محبت میں بھی یہی حال ہے۔
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ عورتیں جو رنگین ساریوں، ریشمی موزوں، غارے سے رنگے ہوسے خسار دل رنگین ہونٹوں، کھلے بازو اور جیم کو حویاں کر دینے والے لباس کے اثرات سے غلبہ و افسوس کیوں نہیں اُس نفرت کو سمجھ سکتیں جو ان کے بے محل احمقانہ جملوں سے ہمارے ہم مردوں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے؟

بعض اوقات بے معنی بے محل جیسے عجیب کلام کہتے ہیں۔ لیکن شاذ و نادر!
 کوئی بات جو اپنے موقع پر ہوتی ہے کبھی تکلیف نہیں دیتی۔ انسان کو یہ جاننا چاہئے کہ کس وقت خاموش رہنا مناسب ہے۔
 ہاں تو میں تمہیں اپنی آغوش محبت میں لیتا ہوں اور تمہارا رے ہونٹوں کو چومنا ہوں اس شرط پر کہ تم کچھ بولو نہیں!

رہتی
 تمنائی

(مالِ پیاں)

اگر دنیا کی ساری نعمتیں میرے سامنے پھیلا دی جائیں کہ ان میں سے وہ نئے چُنے لے
 جو تیری زندگی کو سب سے زیادہ خوش خرم بنادے تو میں ایک بچے کو اٹھا کر اپنے گلے
 سے لگا لوں گا۔

جس کے پاس ایک بچہ ہو وہ اس دنیا میں کبھی تنہا نہیں رہتا

گ

بچہ اور سلس

جنگل میں سے گزرتے ہوئے راستے پر چھوٹے چھوٹے دروازوں والی دو دیہاتی جھونپڑیاں کھڑی تھیں ان کی چند کھڑکیاں تو اونچی تھیں اور چند زمین کے ساتھ لگی ہوئی تھیں ان کے ارد گرد شہتوت کے درخت اور غاردار جھاڑیاں دکھائی دینیں اور دونوں کی چھت پر گاٹی لڑد رنگ کے پھول اور گھاس اگی تھی کھیتوں میں صرف گوبھی اور آلو نظر آتے۔ بازار کے قریب بیہنجوں کا بڑا درخت کھڑا تھا، اس کے نیچے ایک لڑکی بیٹھی ایک پرانے شاہ بلوط کے درخت کی طرف جوان جھونپڑیوں کے عین وسط میں تھا فورسے دیکھ رہی تھی۔ درخت کا سال خوردہ تنا خشک ہو چکا تھا اور چوٹی پر سے کاٹ ڈالا گیا تھا اس میں ایک سارس کے گھونسل بنالیا تھا وہ اس میں کھڑا چھٹ مار رہا تھا کہ ایک ننھا سا لڑکا آیا اور لڑکی کے ساتھ کھل ہو گیا یہ دونوں بھائی بہن تھے لڑکے نے کہا تم کس طرف دیکھ رہی ہو؟ لڑکی نے جواب دیا میں سارس کو دیکھ رہی ہوں ہمارے پڑوس کی بھتیجی آج یہ ہیں ایک ننھا سا لڑکا یا لڑکی لاوے گا۔ آؤ بچے کو آتے دیکھیں۔

لڑکا کہنے لگا سارس کوئی ایسی چیز نہیں لا سکتا۔ پڑوس نے بھی بھی ہی کہانی سنائی تھی اور نہ تلتے وقت ہنس پڑی تھی پھر میں نے اس سے کہا سچ کچھ کہہ رہی ہے۔ اس سے میں نے معلوم کر لیا کہ سارس کے متعلق زنام کہانی جھوٹی ہے اور وہ میں کچھ سمجھ کر ہم سے مذاق کر رہی ہے۔

لڑکی نے پوچھا، مگر کیجئے آتے کس جگہ سے ہیں؟

ہاں ہاں فرشتہ انہیں اپنے چوڑے میں چھپا کر آسمان سے لے آئے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور یہی وجہ ہے کہ ہم معلوم نہیں کر سکے کہ وہ کب لائے؟

اُمی وقت بید کے درخت کی ٹہنیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی بچوں نے اپنے ہاتھ باندھے اور ایک دوسرے کی طرف جراتی سے دیکھنے لگے دیکھو یہ کوئی فرشتہ بچے کو لا رہا ہے مگر ایک جھونپڑی کا دروازہ کھلا پڑوس باہر نکل کر کہنے لگی اندر آ جاؤ دونوں اور دیکھو سارس کیبالیہا ہے۔

ایک ننھا سا لڑکا

پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بڑی بخیدگی سے اپنے سر ہلائے

انہیں پہلے ہی سے معلوم ہو چکا تھا کہ بچہ لایا ہے۔

(ایئرڈرس)

طاہر قریشی

بیوی کا روٹھنا

شریٹ لوگوں کی طرح میں بھی اپنی سوبہ کو فرشتہ کہا کرتا تھا۔ اب شادی کے بعد جب مجھے اس پر غصہ آتا تو اسے گمراہ فرشتہ کہتا ہوں اور جب انداجی افی ابرا کو دیکھتا ہوں تو اسے پر شکستہ فرشتہ کہتے ہیں۔ کتنا کتنا ہوں پہلی مرتبہ جب میں نے اس شاعرانہ اصطلاح کا استعمال کیا تو فرشتہ نے پوچھا تم مجھے پر شکستہ کہوں کہتے ہو؟ میں گھبرا گیا جواب کیا دینا شادی کو ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا۔ اس لئے صوفی کی عادت نہ پڑی تھی مجھے معلوم نہ تھا کہ ازدواجی زندگی میں غلط بیانی کتنی مفید ہوتی ہے۔ اور اگر حقیقت پر پردہ ڈالا جائے تو عورت کی آنکھیں اس کی آبائی سیریز اور پیکم نہیں بنیں میں نے فرشتہ کو ایک مثالی کا ٹکڑا پیش کرتے ہوئے طمانہ سادگی اور خوش گوئی کا فرشتہ کہا کرتا تھا۔ اگر تمہارے پر شکستہ ہوئے تو مجھے کس طرح نہیں ہوتا کہ تم میرے پاس رو کر مجھے ہینہ خوش رکھو گی، مجھے ہر دم یہ فکر نہ تھا کہ فرشتہ کی یاد کی... میں اپنے شاعرانہ رنگ میں کہنے لگا کہ تمہارا دلانی فضاؤں میں پہنچ جاؤ گی جہاں تمہارا آشیانہ ہو۔ مگر فرشتہ نے مجھے نفرتہ تم کرنے دیا اور بول اٹھی تمہارا خیال ہو کہ میں تم سے بے وفائی کرتی "میں نے منہ پیش کرنا چاہا مگر اس نے میرے جواب کی پروانگی نہ بنو دیا اور دو ٹوکی میں نے احتجاج میں کہیں دو ٹوکیاں دیں سنت سماجت کی اور پھر ہمارا روناوش ہو گیا میری کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ وہ دو ٹوکی ہی اسی میرے چہرے پر محبت و نفرت۔ غم غصے اور اس کے آثار علی الترتیب ظاہر ہوئے مگر وہ چپ سارے جیسے میری ہی ساوقت مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ روٹھنا کسے کہتے ہیں اور میں آج تک عورت ذات کی اس طاقت کو جسے تاریخ کہتے ہیں کانوں پر ہاتھ دھرتا ہوں ابھی میری شادی ہوئے ایک مہینہ ہی گذرا تھا کہ میری سرت کا آفتاب بیچ سلطان میں غل ہو گیا۔ پہلے تو فرشتہ نے روٹھنے کیلئے ایک کرسی چھوٹی لی پھر ایک گڈ شد موٹر پھر روٹھنے کیلئے ایک کمرے کا انتخاب کیا حتیٰ کہ اب اسے روٹھنے کی اتنی مشین ہو گئی ہو کہ گھر میں جہاں بھی چاہتی ہے روٹھ جاتی ہے۔

میں نے یہی اصولی فلسفہ دھڑوں کا مطالعہ کیا ہے اور غلطی ابابیل طبیعت، حکمت اور نفسیات کے بھی بے پیرہ نہیں لیکن غور سے روٹھنے کا مسئلہ ایسا عقیدہ ہے جسے میں نے جن عقل پر سلجھا نہیں سکا البتہ میں نے اپنے خیالات کی بنا پر بعض سوال وضع کیے ہیں جن کو ممکن ہو کہ دنیا کی موجودہ حالت میں لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اس لئے میں ان کی شاعت میں نکل رہا نہیں چاہتا۔

محبت کا روٹھنا بھی ایک عینقا عہد جنگ کی طرح جو جس میں مرد کی حیثیت ایک نامادہ اور مجمع قوت کی ہوتی ہو اور عورت کی حیثیت ایک ایسے چمڑے دشمن کی جو نہ بدلائیں اور نہ جنگ کا فیصلہ کر سکیں۔ طاقت قبول کر سکیں۔ تمام طاقتیں اکٹھی ہو کر بھی عورت کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تو جہانم کے پاس ہو کر گس کا کم کا جبہ دارو کو مشق کرنا چاہتا ہو تو ایک چمڑا کس کا ہاتھ کو کاٹ لیتا ہو اور توپ کمر کرنے کی دستاویز لے لیتی ہو پھر مرد لاکھ دھال و تیرباری کرے لیکن عورت کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کی زرہ کو کوئی تیر نہیں چید سکتا۔ مگر میں نے روٹھنے کا مسئلہ دنیا کی مرد و عورت کے

جواب نہیں دے عورت کی زبان ایک ایسی تلوار ہو جس کی دودھالیں میں۔ ایک عاقلہ زنی اور دوسری خاموشی سا گھورت طعنے زنی پراتے تو ممکن ہو کر دوسرے اپنی حاضر جوابی اور دلائل و فرائض کے اگرچہ بھی کچھ کم مبر آنا نہیں لیکن اگر عورت چپ سا دھلے اسے ہماری اصطلاح میں دھٹنا کہتے ہیں، تو کسی تہذیب پر بھی اس کی ہر خاموشی نہیں ٹوٹ سکتی ہر مدد کی تمام کوششیں کام ثبات ہوتی ہیں اس سے بری طرح بیباک ہونا پڑتا ہو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ عورت کی تمام ضرورت کے لئے تسلیم کر کے صلیع کرے۔

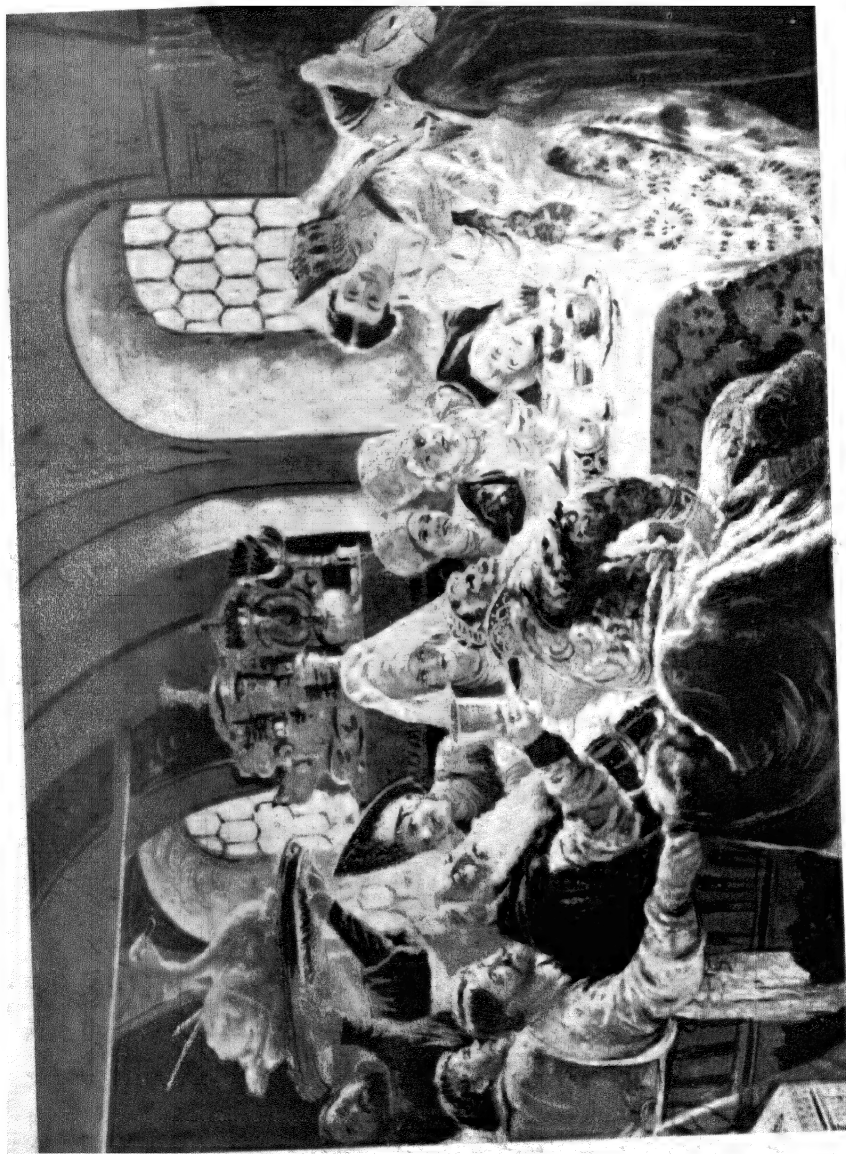
جب ہر کو غصہ آتا ہے تو کم از کم اس کے ہوش و فز قائم رہنے میں غلط غضب کی ہوجاں اس کے پاؤں کو چھو کر داپس ہوجاتی ہیں لیکن جب عورت کو غصہ آتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جینے میں سر پاؤں تک بھیگ گئی ہو۔ کون کی ایک کون بھی اس کے غضب کو دھیرے کر دینا نہیں کہتی جب فیروزہ میری لڑائی ہوتی تو میں میرے چھتا ہوں کہ نصف گھنٹے میں صفائی ہوجائیگی اور ہم پھر پھر ملیں گے لیکن وہ دل میں کہتی ہو کہ اب ہم ہمیشہ کے لئے جدا ہیں اس کے ایسے وقت میں فطرت بھی جلتی رہتی کہ کام کئی یوں نہیں آئے فیروزہ کہا کرتا ہوں لیکن جب وہ غما ہوجائے تو پیار سے مرنے لگتا اہی کہتا ہوں۔ وہ اس کے کچھ کہتی ہو "تھما را خیال ہو کہ جس طرح روئے ہو تھما را خون خشک ہوجاتا ہے اسی طرح مجھے دیکھ کر بھی ہوجاتا ہے مجھے دامن بگھنے پونا ۱۹ اسی کو آپ کا اندازہ ہوجاگا کہ عورت کو بے قاعدہ جگ میں کتنی جہارت ہوتی ہے۔

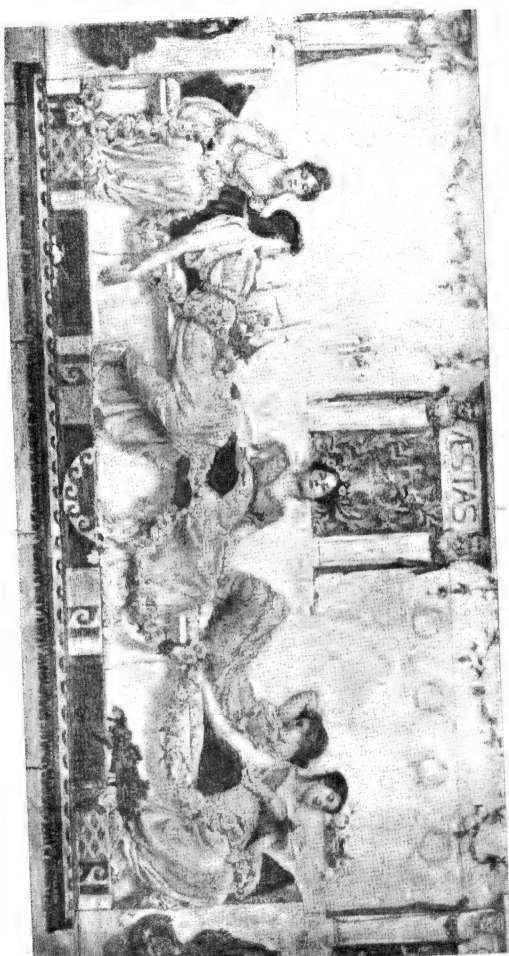
میں نے کئی مرتبہ غور و تہیش کی کہ وہ اپنے روٹنے کا ناؤ اور الجھ پڑنے کی اہ باماء و مول کر لیا کرے لیکن میں ایک جہنم پہلے ہی تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ وہ حق پر ہو۔ لیکن وہ ایسا معاہدہ کرنے پر راضی نہیں ہوتی اس لئے مجھے اندوہی جنرلی میں کئی روٹنے کے دنوں کی غائبی کی کئی بڑی جہاد اور سال کے ختم ہونے پر ان کی فدا دیر سے غما دہ ہو چکا نہ ہوتی جو میری جنرلی میں جو عجیب لیکن یاں لگتا ہوتا ہے کہ وہ یہ کہ فیروزہ کے روٹنے کے متعلق جس دن اور صامت کا میں اندازہ کرتا ہوں وہ عموماً درست ہوتی ہو۔ لیکن میں اس کے دوبارہ غرض ہوجا جیسے دن اور صامت کی نہیں نہیں کر سکتا وہ کبھی کبھی روٹھ کر خود کو دس بھی جاتی ہے لیکن اس کے سننے میں بھی ایک شان ہو۔ مجھے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس بات کوئی ہوتی ہو جس سے ایک فوج مجھے یہ لازماً بتایا کہ سوانی فطرت ہی ایسی ہو کہ جب عورت روٹھ جائے اسے سوقت تک میں نہیں آتا جب تک کہ اسے نہ لایا جائے اس کا دل ایک گھڑی کی طرح ہو جب وہ غما ہوتی ہو تو گھر کی گھڑی بند ہوجاتی ہو۔ وہ اسے دوبارہ چاہتی دیتی ہو اور سوقت لے بیٹھ دیتی ہو جب اس کی سوئی جھٹ کی صامت پر پڑ جاتی ہے۔ اگر وہ یہ نہ کرے تو دل کی گھڑی بیکار ہوجائے۔

اگر فیروزہ مجھے ستر کی جھٹ کے اسی نے پہلے نے بنائی ہے کبھی کبھی نکال دیا کرتی ہو اس کی کئی گھنٹے بلکہ کئی دنوں اور چائیکس میں داخل ہونے نہیں دیتی اس میں حق بجانب ہو کہ میرے گھر کی حکومت میں بھی دی نفس ہو جو میرا یہ کہ حکومت میں ہو میری سبقت اور نہ ایک دن اور اس کے اقتدار میں ہو اور یہ ادارہ میری میری اور مجھے پرستل ہو جب کوئی جھٹ بھڑتی ہو تو فیروزہ سو سینہ چھو کر منع ہوتی ہو عورت کا دل اس متعجب کے باوجود کہ طرح ہو جہاں پہلے سنان کی جھٹ کے تلے شعلاب بھول اور پل نظر آتے ہیں جن خلاف انعامت اور ناکت کی صفت اس بازار میں کھینچی ہو لیکن سائبر میں تلخ اسان غلاموشی کیلئے اور پھر اس بلاندر میں کہ اس کا غاڑی کے لئے میں ایک کہ جو وہ قانون اور اداروں میں جس شہر بالائی مادہ کے کیفیت رکھتا ہو وہ میری کی کیفیت کا مطالعہ کی ہو تو اس سلطنت میں ان تمام ہوسکتا جو آؤد جمہور کو قطعاً اسوا پر غالب سے موقوف نہیں ہوتا۔

عطا اللہ کلیم

قدیم روس کی ایک دعوت عروسی





ایک تھا بادشاہ!

”ایک تھا بادشاہ“

بچپن میں میں یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی کہ کمائی کا بادشاہ تھا کون؟ خواہ اس کا نام سلاجیت ہو خطہ سیلوہ میں وہ کاشی میں رہتا ہوا
تتوچ میں رہا بات ایک ہی تھی۔ ایک سات سال کے بچے کا دل جس بات پر خوشی سے دھڑکنے لگتا وہ تو یہ عظیم الشان صلالت یعنی تخت
کبریٰ تھی کہ ایک تھا بادشاہ۔

لیکن اس نئے زمانے کے پڑھنے والے کہیں زیادہ حقیقت رس اور مخفی واقع ہوئے ہیں۔ جب وہ کسی کمائی کا ایسا آغاز دیکھتے ہیں
تو فوراً ان کی تنقید اور تعقیب کی جس بیدار ہو جاتی ہے۔ وہ قہقہے کے دھندلے پر علمی جستجو کی روشنی ڈال کر پوچھتے ہیں کون سا
بادشاہ؟

آج کل کے داستان گو بھی دراز زیادہ محتاط ہو گئے ہیں۔ اب وہ خود کمائی کے اس پرلے غیر معینہ افسانے مطلق نہیں
ہوتے کہ ایک تھا بادشاہ۔ بلکہ اس کے بجائے نہایت عالمانہ بشروح بنا کر یوں کہتے ہیں کہ ”ایک تھا بادشاہ جس کا نام تھا
اجانترو“

لیکن آج کل کے پڑھنے والوں کے جذبہ تحقیق کی اس پر بھی کساں تسکین ہوتی ہے۔ وہ اپنی علمی عینک میں سے
مصنف پر ایک نظر ڈال کر دریافت کرتے ہیں کون سا اجانترو؟

پہلے میں ہم ہر اچھی چیز کا رس پالیتے تھے اد ایک اپنی ہی بے خط حکمت سے ہم پریوں کے فصول میں بھی مومنی کا
کھوج لگاتے تھے۔ اُن دنوں ہم علم جیسی ناکارہ چیز کی طرف مطلق توجہ نہ کرتے تھے۔ ہمیں صرف حقیقت سے غرض تھی اور ہم
نئے نئے مضامین کو دل جو ہنر و علمی گو رکھ دھندوں میں نہ اچھے نئے خوب جانتے تھے کہ حقیقت کا موتی کُل کساں ہے
اور ہم وہاں کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن آج کل ہم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ ہم مصنفوں کے صفحہ واقعات سے سپاہ کرتے
چلے جائیں۔ حالانکہ حقیقت محض وہی قدر ہوتی ہے کہ: ایک تھا بادشاہ“

مجھے کلکتہ کی وہ شام خوب یاد ہے جب یہ کمائی شروع ہوئی۔ دن بھر ہارکشاں ہوتی رہی تھی۔ شہر میں ہر طرف پانی
ای پانی نظر نہ آتا تھا۔ خود ہمارے کوچے میں گھٹنوں گھٹنوں پانی چسٹا رہا تھا اور میرے دل کی خیمہ سی امید ابتر
کی مددک پہنچ چکی تھی کہ میرا استاد آج شام نہ آ سکے گا۔ میں برآمدے کے آخری کنارے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کوچے کے

نظارے میں مصروف تھا اور میرا مضطرب دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میری آنکھیں بارش کے قطروں پر جمی ہوئی تھیں اور جب مینہ ذرا ٹھننے لگا تو میں نے پورے خنجر و خنجر سے دھک کی کہ "یا میرے اللہ مینہ کو ساڑھے سات بجے تک زور سے دھکیو!" اُس وقت مجھے پورا یقین تھا کہ بارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ کلکتے کے کسی گوشے میں ایک شام کسی بے یار و مددگار بچے کو اُس کے استاد کے ہینک پچے سے بچائے۔

اگر میری دعا کے جواب میں نہیں تو کم از کم نذرت کے کسی زیادہ سخت قانون کے مطابق بارش کا سلسلہ نہ چکا لیکن فسوس کہ اب بھی میرے استاد کو اُن سے باز نہ رکھ سکا۔

ٹھیک وقت پر مجھے کوچے کے کٹرو میں اُس کا چھانا اُگے بڑھتا ہوا نظر پڑا۔ امید کا نور فریج خفتہ ہمارے نیچے اُڑا اور میرے چاہہ دل اس کے نیچے کچل کر رہ گیا۔ اگر موت کے بعد پاداشِ عمل کا کوئی منصفانہ قانون ہے تو یقیناً میرا استاد ایک دوسرے جنم میں میری جگہ لے گا اور میں استاد بنوں گا۔

جونہی مجھے چھانا دکھائی دیا میں سسر پڑاؤں رکھ کر اپنی ماں کے کمرے کی طرف بھاگا۔ میری اماں اور دادی اماں ملایا جلانے آئے سائے بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں۔ میں ددڑ کر اپنی ماں کے قریب بستر پر جا پڑا اور بلا "اماں استاد آ گیا ہے اور میرے سر میں درد بہت ہے۔ آپ کہیں تو میں آج سہن نہ پڑھوں!"

مجھے امید ہے کہ کمانی کسی بچے کو نہ پڑھائی جائے گی اور مجھے سچے دل سے یقین ہے کہ یہ نصابِ تعلیم میں یا چھوٹی جماعتوں کے طلبہ کی درسی کتابوں میں شامل نہ کی جائے گی کیونکہ جو کچھ میں نے کیا وہ ایک خوفناک جرم تھا اور مجھے اس کے لئے کوئی منہ نہ ملے بلکہ اس کے بجائے میری بھرمانہ درخواست قبول کر لی گئی۔

اماں نے کہا بہت اچھا اور پھر ظہر سے یہ خطاب ہو کر کہا "جاؤ استاد سے کہہ دو کہ آپ واپس گھر جاسکتے ہیں۔"

یہ صاف ظاہر تھا کہ میری ماں نے میری بیماری کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ انہوں نے کھیل جاری رکھا اور پھر میری طرف تعلقاً شفقت نہ ہوئی اور میں نیچے میں سر دے کر دل کھول کر رہنا۔ میں اور میری اماں ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔

لیکن ہر شخص کو اس بات کا اندازہ ہوگا کہ سات سال کے ایک بچے کے لئے بیماری سے قریب کو دیر تک جاری رکھنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ایک منٹ بھی نہ گزرا ہوگا کہ میں نے دادی جان کا دامن پکڑ کر کہا "ابھی دادی اماں کوئی کمانی؟"

یہ انجانہ کتنی ہی مزید دہرائی پڑی۔ دادی جان اور اماں برابر تاش کھیتی چلی گئیں اور میری بات سنو رہا بھی نہ ہوئی۔

اتوار ماں نے کہا "جان نہ کھا پیو"۔ "میں کھیل ختم کر لینے دے تو میں بھی اپنی مہل کا پکا تھا دھڑی رٹ لگائے گیا" دادی اماں کوئی کمانی! جب اس طرح کام نہ نکلا تو میں نے مزید سوچا کہ اماں سے کما کھیل تو کل بھی ختم ہو سکتا ہے اس وقت مجھے دادی جان سے کوئی کمانی تو سن لینے

”دیجئے“

ناچار میری مل نے نانش کے پتے نیچے ٹک کر گناہ نہت کھٹ ابھجے مجھ سے بھائے۔ منجھے گا۔ اب اسی کی ضد پوری کیجئے۔“ شاید انہیں خیال آیا ہوگا کہ مجھے تو دوسرے دن کسی تکلیف وہ استاد سے سابقہ نہیں پڑے گا اور اسے پھر دی بے معنی سبق دہرائے ہوں گے۔

اپنی اماں کی اجازت پاتے ہی میں اچھل کر دادی جان سے لپٹ گیا اور اُن کا ہاتھ چڑا کر خوشی سے ناچنا ہوا انہیں اپنے بہتر لے گیا پھر میں نے جوشِ مسرت سے ٹیکہ کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر چھدکنا شروع کیا۔ آخر جب میرے جذبات میں کچھ سکون پیدا ہوا تو میں نے کہا ”اچھا دادی جان اب کمائی میں۔“

دادی جان نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا ”اور بادشاہ کی بھی ایک ملکہ“

کمائی کا یہ آغاز مبارک تھا کیونکہ ملکہ صرف ایک ہی تھی عموماً کمائی کے بادشاہ بیویوں کی تعداد کے معاملے میں بہت مسرف ہوا کرتے ہیں اور جب کبھی ہم یہ سنتے ہیں کہ بادشاہ کی دو رانیاں تھیں تو ہمارا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ کیونکہ اُن میں سے ایک نہ ایک پر ضرور کوئی بلا ٹوٹتی ہے۔ لیکن دادی اماں کی کمائی میں اُن قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ملکہ صرف ایک تھی۔ اِس کے بعد دادی جان نے بتایا کہ بادشاہ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔

سات سال کی عمر میں مجھے یہ بات بالکل معمولی معلوم ہوئی۔ کیا ہوا اگر اُس کا بیٹا نہ تھا۔ ممکن ہے بعد میں پیدا ہو جائے۔ یہ بات سن کر بھی میں قطعاً متاثر نہ ہوا کہ بادشاہ بیٹا حاصل کرنے کی آرزو میں تپسیا کرنے کے لئے جنگلوں میں چلا گیا۔ مجھے تو جنگل میں جانے پر صرف ایک ہی بات آدہ کر سکتی تھی اور وہ یہ کہ اِس طرح مجھے اپنے استاد کے گنگل سے نجات حاصل ہو جاتی۔ بادشاہ اپنے چچے ملکہ کے پاس ایک ننھی سی بڑی چھوڑ گیا۔ جو رفتہ رفتہ بڑی ہو کر ایک خوبصورت شہزادی بن گئی۔

بارہ سال گزر گئے لیکن بادشاہ کی تپسیا ختم نہ ہوئی اور اسے اپنی خوبصورت بیٹی کو کبھی خیال تک نہ آیا۔ اب شہزادی کا شباب اپنی پوری ہمارا گیا۔ شادی کا وقت بھی گزر گیا لیکن بادشاہ واپس نہ آیا۔ ملکہ ٹھٹھٹ کر مرنے لگی کہ ”ہائے میری چاندی بیٹی کی قسمت! یہ غمِ بڑا کنوارا بن کر کون کرے گا؟“

لیکن ملکہ بے ہوشا کے پاس اپنی بیٹی کے گھر زیادہ نہیں تو فقط ایک رات کے لئے واپس آئے اور ایک دفت کا کھانا محل میں کھائے۔ بادشاہ نے یہ بات منظور کر لی۔

ملکہ نے اپنے ہاتھ سے چھوٹھ فنیس کھائے پکے پھر اُس نے یہ کھانا مندل کے ایک تخت پر سونے کی تختریوں اور چاندی کے پیالوں میں بچنا۔ شہزادی کو پھل ہاتھوں میں تخت کے چچے کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ پورے بارہ سال کے بعد

محل میں داخل ہوا۔ شہزادی جو پھل ہلا رہی تھی اور غمگنہ اس کے حسن سے روٹن ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا دلخیز چہرہ دیکھا تو کھانا بھی بھول گیا۔

آخر کدہ کی طرف منہ پھیر کر بلائیں کہتا ہوں یہ لڑکی کون ہے جس کا حسن ایک دیوی کی طسلائی صورت کی طرح جگمگ جگمگ کر رہا ہے یہ کس کی بیٹی ہے؟

کدہ سر پیٹ کر گئی اور بولی ہائے میرے نصیب! آپ اپنی بیٹی کو بھی نہیں پہچانتے؟

بادشاہ کو کچھ دیر کے لئے سنا سنا سا گزر گیا۔ پھر بولا میری نفی سی بیٹی تو اب عورت بن گئی ہے۔

ملکہ نے آہ بھر کر کہا بھلا اور کیا ہوتا۔ آپ کو خیال نہیں بارہ سال گزر چکے ہیں؟

بادشاہ نے پوچھا لیکن تم نے اس کی شادی کیوں نہ کر دی؟

ملکہ نے جواب دیا میں آپ کی غیر موجودگی میں کس طرح کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکتی تھی؟

یہ سن کر بادشاہ کے دل میں ایک عجیب جوش بھر گیا اور اس نے قسم کھائی کہ مکمل صبح محل سے نکلتے ہی مجھے شخص ملے گا۔ اسی سے اپنی لڑکی بیاہ دوں گا۔

شہزادی خاموش کھڑی رہا اور پوچھ لاتی رہی اور بادشاہ نے کھانا ختم کیا۔

صبح صبح بادشاہ باہر نکلا تو اسے محل کے دروازوں کے سامنے محل میں ایک برہمن کا بیٹا ابیدین کے لئے لکڑی جمع کرتا ہوا ملا۔ اس کی عمر سات یا آٹھ سال کی ہوگی۔ بادشاہ نے کہا میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا۔

بھلا شامی حکم میں داخل دینے کی کس کو مجال تھی۔ برہمن لڑکا فوراً بلا لیا اور شہزادی نے اسے اور اس نے شہزادی کو شادی کی مالا پہنانے کی رسم ادا کی۔

یہ سنتے ہی میں گھسٹ کر اپنی ملازمتی جان کے اور قریب ہو گیا ادھ بیت بنگراری سے بولا پھر کیا ہوگا؟

اُس وقت میرے دل کی گہرائی میں یہ پڑھوس اُڑ چھپی ہوئی تھی کہ کاش یہ لکڑی جمع کرنے والا سات سال کا خوش قسمت لڑکا میں ہی ہوتا۔ رات کی خاموشی میں مینہ کی تڑاؤ مسلسل گونج رہی تھی میرے بستر کے قریب مٹی کے دیبے کی کوہیم ہو گئی تھی اور کمانی سناتے سناتے مینہ سے دادی اماں کی آواز بھی بڑنے لگی تھی۔ ان سب باتوں نے میرے بھوے بھالے دل کے ایک گوشے کے اندر یہ خیال پیدا کرنے میں مدد دی کہ میں ہی ایک نامعلوم بادشاہ کی سلطنت میں کسی نامعلوم زمانے کی ایک دھندلی صبح کو لکڑیاں چن رہا تھا اور پھر دفعۃً میرے ادراش شہزادی کے درمیان جو سرسوتی دیوی کی طرح حسین تھی شادی کی مالاؤں کی بدلی ہوئی۔ وہ ایک عرصے تک طرح انفرق تا بقدم طعانی زبور سے لادی ہوئی تھی اور اس کی زریں پالیوں کی

جیم جیم سے قسم قدم پر راگ پیدا ہونا تھا۔

اگر میری دادی اماں مصنفہ تہذیب تو انہیں اس چھوٹی سی کمائی کے لئے سبقتوں کی جواب دہی کرنی پڑتی۔ ہر شخص کا سبک پہلا سوال تو یہی ہوتا کہ بادشاہ ایک مذود اسکے بارہ سال تک جنگل میں کیوں رہا اور پھر اس کا مطلب کیا ہے کہ اس طویل عرصے میں اس کی بیٹی کی شادی ہی نہ ہوئی بلکہ سننم کی تاخیر سر اسرافیل قیاس ہے یہاں تک تو ممکن ہے دادی جان اپنے نقادوں سے نہ بے یقینیاں لیکن شادی کے معاملے پر یقیناً ایک الگ طوفان اٹھتا۔ پہلا اعتراض تو یہ ہوتا کہ شادی سر سے ہوئی ہی نہ تھی۔ دوسرا یہ کہ جس کو فرتے کے ایک چھتری راجہ اور مذہبی فرستے کے ایک برہمن لڑکے کی شادی ہو ہی کیسے سکتی ہے۔ پڑھنے والے فوراً یہ حکم لگا دیتے کہ مصنفہ نازیبا طو پر درپردہ ہمارے مساتر ہی مضابطہ قوانین کے خلاف ہمیں متاثر نہ کر رہی ہے اور وہ خود اخباروں کو اس کے متعلق مراسلے بھیجے شروع کر دیتے۔

اسی لئے یہ میرے دل کی سچی مصائب کہ دوسرے جنم میں میری دادی اماں ایک دادی اماں ہی وہیں اور تقدیر کا کوئی انخوس پھر انہیں اپنے برگشتہ بخت پلٹنے کی جون میں نہ لے آئے۔

میں نے جوشِ مسرت سے دھڑکنے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا 'دادی اماں! دادی اماں! پھر کیا ہوا؟' دادی جان نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا 'پھر شہزادی اپنے ننھے شوہر کو لے گئی اور اس کے لئے ایک بہت بڑا ہفت پسو محل بنا کر اس میں اس کی پرورش کرنے لگی۔

میں خوشی سے بستر پر چل پڑا اور تکبیر کو دونوں ہاتھوں کی پہلے سے بھی زیادہ مضبوط گرفت میں لے کر دینٹ کیا۔ اچھا، اچھا پھر کیا ہوا؟

دادی جان سمائی چلی گئیں۔ وہ نمکا لڑکا روز در روز اپنے استادوں سے نئے نئے سنی پڑھتا۔ جب وہ ذرا بڑا ہوا تو اس کے ہم جماعت لڑکے اس سے پوچھنے لگے 'ہفت محل میں تمہارے ساتھ وہ خوبصورت عورت کون رہتی ہے؟'

برہمن لڑکا خود یہ جاننے کے لئے متبصرہ راتھا کہ وہ کون ہے۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ ایک دن جب وہ جنگل میں ایندھن اکٹھا کر رہا تھا تو ایک بل چل سی بڑی گئی تھی۔ لیکن یہ تمام دفعہ اتنا پرانا ہو چکا تھا کہ اب اس کے دل میں اس کی شخص ایک دھندلی سی یاد ہی رہ گئی تھی۔

اس طرح چار یا پانچ سال گزر گئے۔ اس کے ساتھی ہمیشہ اس سے پوچھتے 'ہفت محل میں وہ خوبصورت عورت کون

ہے؟ اور برہمن کا بیٹا مدر سے اگر منوم صورت بنائے شہزادی سے کتنا میرے محو عمل ہمیشہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہفت
 محل میں یہ خوبصورت عورت کون ہے لیکن میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ تم کون ہو؟
 شہزادی کتنی تعجب کے دن نہ سہی، پھر کسی دن میں تمہیں ضرور بتا دوں گی۔ برہمن کا لڑکا روزی ہی سوال کرتا کہ تم کون
 ہو اور شہزادی روزی ہی جواب دیتی کہ کون کے دن نہ سہی، پھر کسی دن میں تمہیں ضرور بتا دوں گی، چنانچہ اسی طرح اور چار یا پانچ
 سال گزر گئے۔

آخر برہمن کا بیٹا مہر بھو میٹھا اور بولا خوبصورت خاتون اگر آج بھی تم میرے سوال کا جواب نہ دو گی تو میں ہفت
 محل چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اچھا میں کل ضرور تمہیں بتا دوں گی، دوسرے دن برہمن کے لڑکے نے
 مدر سے آتے ہی کہا "اب بتاؤ تم کون ہو؟" شہزادی نے جواب دیا۔ سنو۔ آج رات کھانے کے بعد جب تم سوئے لو
 گے تو میں تمہیں بتا دوں گی۔"

برہمن کا بیٹا رات ہونے تک بے صبری سے انتظار کی گھڑیاں گنتے لگا۔ شہزادی نے طلا کا ریشتر کو سنیچھیل کے
 پھولوں سے آراستہ کیا اور سونے کے دیے میں خوشبو و ازبیل ڈال کر اُسے جلایا۔ پھر سر کے بالوں کو گوندھ کر نیلے رنگ کی
 ایک خوبصورت پوشاک پہنی اور خود بھی رات کے انتظار میں گھڑیاں گنتے لگی۔

اُس شام شہزادی کا شوہر برہمن لڑکا بہت ہی قرار تھا۔ وہ بے شکل غمور اُسا کھا نا کھا کر سونے کے کمرے میں اپنے
 زریں ریشتر پر چھیل کے سفید سفید پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا جا لیٹا۔ لڑکے نے دل میں کہا "آج تو میں ضرور دریافت کر کے
 گا کہ ہفت محل میں یہ خوبصورت عورت کون ہے۔"

شہزادی نے اپنے شوہر کا بچا کچا کھا نا کھایا اور پھر چپکے سے سونے کے کمرے میں چلی گئی آج کی رات اُسے ہفت محل کی
 خوبصورت عورت کا بھید کھونا تھا۔ لیکن جب وہ اپنے شوہر کے بستر کے قریب گئی تو اسے معلوم ہوا کہ پھولوں میں سے ایک ناگ
 نکل کر برہمن کے سر پر گھس گیا ہے۔ اس کا شوہر پھولوں کی سچ پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور اُس کے چہرے پر موت کی زردی
 چھا رہی تھی۔

دختر مجھے یوں معلوم ہوا کہ میرے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ آنسوؤں سے میری آواز گونگ رہ گئی اور میں نے اپنی
 صورت بنا کر پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

دادی جان پولیس پھر

لیکن کسائی کی مویشیات میں جانے سے کیا فائدہ؟ اس طرح بعید از قیاس باتوں کا ایک اور سلسلہ شروع ہو جائے

گامیات سال کا بچو کیا جانے کہ اگرچہ موت کے بعد بھی پھر کیا ہوا کہنے کی گنجائش ہے لیکن اس کا جواب کسی دادی اماں کی دادی اماں ہی نہیں دے سکتی۔ لیکن بچے کا ایمان کبھی نزل نہیں ہوتا۔ وہ تو موت کے فرشتے کا دامن بھی بڑو کر کھڑا ہو جاتا ہے کنبہ دار بااگے رست بڑھنا۔ پھر یہ بات تو یقیناً بچے کے دل کو غصہ میں ڈال دیتی کہ ایک ایسی کہانی جو ایک ایسی شام کو شروع ہوئی جب وہ استاد کی مصیبت سے چھٹکارا پا چکا تھا اس طرح یکدم ختم ہو جائے۔ اس لئے ایک دادی کو ہمیشہ اپنی کہانی انجام کے بند دروازوں سے دُور ہی دور رکھنی پڑتی ہے اور اس کا طریقہ بھی بہت سادہ ہے۔ لاش دریا میں کیلے کے تنے پر نیرتی ہوئی بھی چلی جاتی ہے کہ اُس پر ایک رحم دل جادوگر کی نظر پڑتی ہے جو زندگی کا منتر پڑھنے لگتا ہے۔ لیکن برکھارت کی اُس رات کو دیئے کی ہلکی ہلکی روشنی میں صفحے لڑکے کے دل سے موت اپنا تمام ڈراؤناہن کھینچتی ہے اور اُس کی حقیقت ایک رات بھر کی گہری نیند سے زیادہ نہیں رہتی۔ کہانی ختم ہونے پر نکلے ہوئی آنکھوں کے پوٹے بند کے بوجھ سے بند ہونے لگتے ہیں اور یوں ہم ایک ننھے بچے کے جسم کو نیند کی پشت پر لا کر دقت کے خاموش دریا میں نیرنے کے لئے ڈال دیتے ہیں اور پھر صبح کو کچھ منتر پڑھ کر اسے دوبارہ زندگی اور روشنی کی اس دنیا میں لے آتے ہیں۔

ٹیگور
ترجمہ
حامد علی خاں

بچپن

اُس شخص سے ڈردو بچوں کی مہنسی پر ناک بھول چڑھائے،
میں ونسیا میں صرف دو چیزندوں سے محبت رکھتا ہوں، خدا اور بچے!

”میرے پیارے بیٹے! جو کام آج کر سکو اُسے کبھی کل پر نہ چھوڑو“
”تو اسی جان! اُدنا پھر کی ہوئی کیر آج رات ہی کھالیں!“

مک

مخلدب

قطع تعلق

آؤ میں اپنی زندگی بچے دے چکا تھا اور تو اپنی زندگی مجھے
دے چکی تھی
ایک دن ایک برس کے لئے نہیں عمر بھر کے لئے ہمیشہ
کے لئے۔

لیکن آج ہم اپنی اپنی زندگی واپس لے رہے ہیں
میں الگ ہو رہا ہوں تو الگ ہو رہی ہے۔
میری بھی جی زندگی شروع ہوگی اور میری بھی جی زندگی
شروع ہوگی۔

آج سے میری راہ الگ بنے گی اور تیری راہ الگ بنے گی
شاید اس جدائی کا مجھے بھی کچھ غم ہوگا اور تجھے بھی کچھ غم ہوگا
پھر اس کے بعد؟
اس کے بعد بھول جانا فراموش کر دینا۔
میں تجھے بھول جاؤں گا۔ تو مجھے بھول جائے گی
پھر اس کے بعد؟

تیری دنیا الگ ہوگی میری دنیا الگ ہوگی۔
آج تک لوگ تجھے اور تجھے ایک ہی سمجھتے تھے۔
کل الگ الگ سمجھیں گے۔

تو میری زندگی ایک بھولا بسرا واقعہ بن جائے گی۔
پھر اس کے بعد؟

اچھا۔۔۔ تیر۔۔۔ تو خدا حافظ
مگر کچھ بھولی تو نہیں جاتی
نہیں تو اچھا خدعت!
مجھے اب کچھ اور کتنا نہیں ہے۔ اچھا خدا حافظ۔

جاتی ہے؟ اچھا، چلی جا
لیکن ذرا ٹھہر
دیکھ بارش شروع ہوگئی ہے
پانی تھمتے ہی چل جانا۔ مجھے کچھ اور کتنا نہیں ہے

اچھی طرح بدن چھپا لے باہر بڑی تیز سردی ہے۔
اس وقت تو تجھے اور کوٹ پہنا تھا۔
کیا تیری سب چیزیں تجھے واپس مل چکی ہیں؟
اپنی تصویر اور خط بھی تجھے واپس مل گئے ہیں؟
بہت اچھا ہوا کرتی کوئی چیز اب میرے پاس باقی نہیں
اچھا، خدا حافظ

لیکن ذرا ٹھہر جہاں وہی ہے تو ایک ہی دفعہ اور مجھے دیکھ لے
ذرا لگا میں اٹھا دے۔

مگر ترنہ دار میں روؤں نہ تو دے یہ بیوقوفی ہے
آہ کس قدر تلخ کی بات ہے کہ ہم اس وقت اپنا پرانا
عشق یاد کرنے کی کوشش کریں۔

ہونا تھا جو کن دہشتیں ہے

میرے اللہ، آہ میرے اللہ! یہ انجام کس قدر شرمناک ہے
کیا میں بھی بے وفا ہوں اور کیا تو بھی بی وفا ہے؟
اف تو کیا میں بھی اور تو بھی دونوں سب لوگوں ہی کی
طرح ضیاداد میں۔

اُن اے موت تجھے اب کس بات کا انتظار ہے
لیکن نہیں یہ سب بیوقوفی کی باتیں ہیں۔
تو جا رہی ہے؟

بہت اچھا جا خدا حافظ!
گویا تیرے سوا دھاریہ تو کیسے جاے گی۔
اف ری ضدن! اس میں بھی تو نکل جائے گی
تو میں کئی جو جو ہوں

بہت اچھا چلی جا۔ خدا حافظ
ارے تو دل بڑی؟
لیکن زنجیر تجھ سے نہیں کھلے گی۔

زور کرتی ہے۔ کیا واقعی تو جا رہی ہے
اس پانی میں ہی جا رہی ہے۔

لیکن نہیں۔ میں سنگدل سی۔ اس پانی میں نہ جئے
نہیں دوں گا۔ میری جان آہ نہیں میں تجھے جلائے نہیں دوں گا۔

یہیں رہ۔ صرف آج کی رات
معلوم ہو جاؤں اگر تجھے ہاتھ بھی لگاؤں

رہ جا میری جان رہ جا۔
ے میرا تیرے قدموں پر ہے

راستہ میں تو اتنا نیک نہیں بل جاے گی میں تجھے دیکھ رہی ہوں
گاؤں سلام کلام کچھ نہیں کروں گا اور نہ تو کرے گی۔

تو ایسے پرلے پہنہ نکھے گی جو مجھے پسند نہیں اور میں ایسی
حالت میں ہوں گا کہ تو کراہت کرے گی۔

میں نے گد جا میں گے اور ہم ایک دوسرے کو نہیں کھیں گے
تیرے دوست میرا ذکر کریں گے اور تو غور سے سنا
کرے گی اور میں اپنے دوستوں سے تیرے حالات سنا کر دوں گا
حالانکہ تو میری جان بچی اور میری جان کا املی رس۔

میں پوچھوں گا اُس جھوٹے کی کا اب کیا حال ہے
دوست جواب دیں گے۔ خوش ہے
اور میرے دل کا خون ہو جلائے گا۔

لیکن خیر یہ بیوقوفی کی بات ہے۔
لیکن ذرا تجھے تو بتا کہ ہم دونوں کے عظیم الشان دل کیا
اتنے ہی غیر ادھوڑے تھے مٹنے اس وقت معلوم ہو رہے ہیں
کیا ہم شرع سے پاگل تھے؟

کیا تجھے بھی خوش نصیبی کے گدے ہوئے دن یاد ہیں؟
کیا تجھے یاد ہے جب ہم روز آسمان پر پہنچ جایا کرتے تھے
کیا واقعی ہم عاشق تھے۔

دیکھ ذرا دیکھ تو، کیا یہی ہماری محبت تھی۔
تو مجھ سے کتنی تھی۔ میں تجھے چاہتی ہوں۔

اور میں تجھ سے کتنی تھا۔ میری جان میں تجھ پر دم
دے دوں گا۔

لیکن کیا تیرے اور میرے اس دعاے محبت کا یہی انجام

جو کچھ تو کہے گی میں دہی کروں گا
بیں غصہ تھوڑک دے
آج کے بعد کبھی تجھ سے نہیں ملوں گا۔
”ہند“

مجھے پھر ڈھول گا؟
ناممکن — ناممکن — ناممکن
بیٹھ ہی اب ہم اچھی طرح رہیں گے۔
(پال گرائڈی)

مشرق و مغرب

پوچھایہ میں نے ایک کیم فرنگ سے
مغرب کی سینوں کو کہا جاے سر بلبلند
مغرب میں جس کو جسد بہشت قرار دیں!
مغرب میں ہو قتال تو وہ جسد البقاء!
مغرب میں فنسے گر کو بھی آزادی زیلا
مغرب میں دم و خط کی بھی قدر دانیلا
مغرب میں داستان بھی تاریخ کا مواد
مغرب میں تو ہوس بھی ہو فطرت کا افتخار
مغرب میں شغل رقص بھی تہذیب کا نشان
بے زنجیریں یہ مشرق و مغرب کا امتیاز
انصاف کا یہ کونسا معیار ہے کہ یوں
مشرق کی فتنوں کو کیا جانے نہ گزوں
مشرق میں ہو دہی تو کم میں بھی جنوں
مشرق میں ہو جہاد تو یہودہ کشت خون
مشرق میں راست گوئی بھی اک حرکت یوں
مشرق میں علم و فضل کی شمت بھی دنگوں
مشرق میں واقعات بھی افسانہ فتنوں
مشرق میں جوش و شوق بھی تھرے فنا و خوں
مشرق میں دشنام نہراک حرکت و سکوں
ہے یہ تو صرف سطوت ظاہر کا کفنوں

طافندوں کی عقل کے معیار میں اسد
اسد فتنانی
کمزور کو کہاں ہے مجال ہوا و چوں!!
”معارف“

کلہوڑا کی ایک رات

کلہوڑا چند سبیلوں کے ساتھ دریائے نیل کے کنارے اپنے تفرس چپ سادے مٹی ہے۔ یعنی مصر میں موجود نہیں اس لئے زندگی اس کیلئے
”وہ جو ہر روز اس وقت اسے یونان اپنا وطن یاد آ رہا ہے اور وہ مصر اور اس کی چھوٹے تفری ہو رہی ہے کچھ سوچ کر وہ اپنے دل کی بات اپنی سب سے بڑی سبیل
سے یوں کہتی ہے۔

شارمیان اگر میری زندگی میں کئی کچھ ہی ہوتی تھی آہ والہانہ محبت! تو پھر مجھے مصر کا یہ دیار بھی اپنے یونان کی طرح بے نامعلوم ہوتا جس کے علاج

کے بت، برحق محمد مصفا جیسے اور نفعاً گذار ہر ذلت میری نگاہوں میں رہتے ہیں کاش میری زندگی میں کوئی کچی پیدا ہو سکے جن جن خیر و خیرات پیش آئے مگر کون ایک ملک سے محبت کر سکی جرات کر سکتا ہے۔

کلومیٹر اپنی خیالات میں عرق ہے کہ ہوا کو چیرتا۔ سائیں سائیں کرتا ہوا ایک تیز کھڑکی کے راستے سے اندر آتا ہے اور زانٹے کے ساتھ دیوار کے چوٹی جیسے پورست ہو کر ٹھہرتا ہے لگتے پیر کے ساتھ ایک دفعہ بندھا ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہیں "تجھے تم سے محبت ہے" یہ دی جڑ ہے جس کے لئے اس دفت کو پٹر کا دل بیقرار ہے۔

بیزندا جس نے ملک کی محبت کے جنوں میں جان کی بازی لگائی ہے۔ ایک نوجوان شکاری میاموں ہے جس کا مردانہ حسن کسی دہانے کے لئے سے دھندلے ہوئے عجب کی یاد دلاتا ہے۔ بیزندا نے کے بعد وہ غائب ہو جاتا ہے لیکن محض اس لئے کہ شاہی حمام میں پانی پہنچانے کی راج بہا میں غوطہ لگا کر باغ میں جا چکا ہے اور کسی درخت کے پتوں میں چھپ جاتا ہے تھویر ہوتا ہے کہ جب کلومیٹر جس کے بالوں میں ایک پن دیوی کی طرح کائی کے بیٹے اور کنوں کے پھول گندے ہیں بیزندا نے کے تالاکے برآمد ہوئے لگتی ہے تو دفت اس کی نگاہ میں درختیں آنکھوں سے دھار ہوئی ہیں جو درختوں کے پتوں کے درمیان اس پر ٹھکی چائے ہوئے ہیں کلومیٹر کی ہلکی سی چیخ سن کر اس کے غلام جیسے ہوئے آتے ہیں اور اس بے باک زہم کو گرفتار کر کے طرفہ بعین میں ملک کے قدوں میں لاؤتے ہیں۔ کلومیٹر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیوں تم فوراً نقل کر رہے جاؤ یہی جہاں الفاظ لگتا ہے "تجھے تم سے محبت ہے"

کلومیٹر کا تکیا کھاتی ہے بیزندا کے ساتھ قدم ہاندھ کر بھیجے والا نوجوان ہی ہے وہ دفت اپنے دل میں ایک فیصلہ کرتی ہے۔ نوجوان شکاری رات بھر میرے پاس ہے۔ لیکن مجھے موت کی گھاٹ اترنا ہوگا

نوجوان جو خوشی سے پھر لانیس سماتا۔ محل میں پہنچا دیا جاتا ہے جہاں حسب معمول ایک عظیم الشان منیافت کا سامان ہو رہا ہے۔ رات گزرتی ہے اور پوچھنے کے ساتھ ہی ایک خوفناک گڑھی شکاری کے سر پر اکھڑی ہوئی ہے۔ ایک غلام اسے سینک کا ایک پیالہ پیش کرتا ہے جس میں اپنا اور چھ کاتا ہوا ایک زہر لابل ہے۔

کلومیٹر کا رنگ اس دفت زرد ہے۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ شکاری کے ہاڑ پر رکھا ہے جس کی جرات دیکھ کر ملک کا جذبہ جرم برانگیختہ ہو رہا ہے اور وہ یہ کہاجی چاہتی ہے کہ لکھی زندہ رہ اور مجھے محبت لکھ اوان سے ہاڑ رنگ کی آواز بلند ہوئی ہے۔ ہمارا کار میتھی کی واپسی کا فیصلہ کلومیٹر اپنی انگلیاں نوجوان کے بازو سے اٹھا لیتی ہے۔ وہ پیرا لہوں سے لگا کر فائدہ پہنچاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی لاش یوں زمین پر گڑتی ہے کہ گویا اس پر بجلی پڑی ہے۔

انٹی نمودار ہوتے ہی کہتا ہے میری بیماری ملک معلوم نہا ہے میں دفت گزرنے کے بعد آیا ہوں منیافت ختم ہو چکی ہے گرفتار یہ لاش کسی ہے؟ کلومیٹر اس کا کہہ رہی ہے کہ نہیں آنا، میں اس کے زہر کی آواز سن رہی تھی آپ شریف رکھے اور زندان بینا بہرہ یوں سے اپنا دل بھلائیے۔
(حادث علی خاں)

"ادبی دنیا"

مطبوعات تایخ ادبیات ایران

پروفیسر ڈیوڈ براؤن مرحوم کی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" کا جو ترجمہ تقی محمدی کتب میں ہے اسے درج بحث نہیں بنایا جاسکتا۔ مشرق و مغرب کے علماء نے علامہ نے علامہ براؤن کی اصابت رائے اور صحیح ذوق کی تعریف کی ہے اور ان کی دیانت داری کی داد دی ہے انھوں نے نہ صرف ہل مغرب کی اس غلط فہمی کو دور کیا بلکہ ایران میں عمر خیام اور حافظ کے سوا کوئی اعلیٰ درجے کا شاعر عربی یا فارسی نہیں ہو سکتا بلکہ ہل مشرق کے دلوں میں ملک صاحب کی تحریروں سے جو شکوک جاگزیں ہو گئے تھے انھیں اپنی بے تعبہ نگرش سے رفع کر دیا۔ فارسی ادب کا وہ قدر دان طبع جو انگریزی سے نا آشنا ہے پہلے اس قبل تصنیف سے فائدہ نہ اٹھا سکتا تھا اب پروفیسر صاحب صاحب عثمانیہ کا جدید رابڈ نے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے اس مشکل کو بھی حل کر دیا، زیر تبصرہ کتاب میں تاریخ ایران اور فارسی ادبیت اپریل کی قوت بحث کی گئی ہے۔ پہلی - زندہ بازند اور دوسری قدیم زمانوں کا یہ حاصل ذکر کیا گیا ہے۔ اور جدید تحقیق کی روشنی میں ان کا ابتداد اور ترقی رائے زنی کی گئی ہے۔ فارسی نثر پر پہلے بہت کم توجہ دی جاتی تھی اور اس کے متعلق کوئی اچھی تصدیق کتاب دستیاب نہ ہو سکتی تھی لیکن پروفیسر براؤن کی کتاب نے اس کی تلافی کر دی ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت س کی پہلی جلد ہے جس میں کیا فی تلجہ واروں کی ابتدائے حکومت سے عہد بزمائے کے خاتمہ تک ایران کی مکمل تاریخ شامل ہے اور ایران کی عہد س کے عہد علاوہ تاریخی کتبوں اور دوسرے قدیم شاہد کی ادبی حیثیت اور اس کے بارے میں تصنیف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

ترجمہ پر زور باخداورہ اور دلاں ہے۔ مجھپ ہونے کے علاوہ سادہ اور عام فہم بھی ہے اگرچہ کہیں کہیں عبارت میں تضاد بھی نظر آتا ہے مثلاً زشت کے صحیح فدا رستا کے حال میں لکھا ہے "بنایت مجھپ کتاب لیکن اس کا مطالعہ ناگوار اور گراں گزرتا ہے"۔

آگے چل کر لکھا ہے "اور ستاکرسانی یا قصص یا سحابے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ادارے سے پڑھنا اور بھرا دلائے جان معلوم ہوتا ہے"۔
ذوق تعلیق کی امتداد "دو بھرا دلائے جان" جیسے الفاظ کی تکرار نہیں ہو سکتی اور خصوصاً یہی کہنے کے متعلق ان کا استعمال مناسب نہیں، نہ براؤن صاحب کا منہم تھا اگر مصنف اور محقق کے اختلاف کی ایسی مثالیں بہت کم ہیں اگرچہ شیت مجموعی ترجمہ نہ صرف کا سیاب بلکہ قابل تعریف بھی ہے۔

قدیم زمانوں کے بارے میں ترجمہ انگریزی کی تقلید میں "ڈیرس" "اسائن" اور "سٹیڈیائی" کا استعمال کیا ہے اگر ان کی جگہ "داریوش" "دارا" "سیروس" اور "مدی" لکھے جاتے تو بہتر ہوتا کیونکہ یہی الفاظ آج کل ایران میں رائج ہیں اور ایران کے ذکر میں ایرانیوں کی تقلید افضل ہے صفحہ ۴۵۶ قیمت ۴۵ جلد چار روپے چھٹانے انجمن ترقی اردو اور رنگ آباد سے طلب فرمائیے۔

تذکرہ گلزار ابراہیم و تذکرہ گلشن ہند

علی ابراہیم خاں صاحب قلیل جو دارا ہینڈنگز کے زمانے میں ممبئی بہادر کی طرف سے بنارس کے گورنر تھے شعرائے ہند کے اہم تذکرہ نویسوں میں سے ہیں اور اپنی غیر تنہا ادبی اور صحیح ذوق تعلیق کی وجہ سے سب میں ممتاز ہیں انھوں نے بارہ سال کی محنت اور کے شعرا کے حالات مرتب کیے اور ان کے کلام کا انتخاب

بھی کیا۔ یہ تذکرہ اردو زبان کے سرپرست جان گلگڑٹ کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے اس کے اردو میں ترجمہ کے جانے کا حکم دیا۔ مزملی لطف نے صاحب کمال کا ترجمہ کیا، جس پر صورت اپنی طرف سے اس میں اضافہ بھی کیا۔ مولانا شبلی نے سلاطین ہند کے دیکھ کر لٹین کی بہت تعریف کی اور مزادہ قدرانی اس کی تصحیح اور تحشیہ کا کام اپنے ذمے لیا۔ مولانا عبدالحق صاحب کے بڑی بہن ترقی نے اس کا مقدمہ لکھا اور ڈاکٹر محی الدین صاحب ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی نے دیا چکھا۔ اب یہ کتاب ان ہی خوبیوں کے ساتھ دوبارہ چھپی ہے ہماری رائے میں ایسے مکمل و صحیح تذکرے بہت کم ہیں اور بہل بدلتی کو اس کی ضرورت تھی۔ صفحہ ۵۶ قیمت بلا جلد دو روپے، جلد ڈھائی روپے۔

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد وکن سے مل سکتی ہے۔

مجلس

یہ ان مضامین کا انتخاب ہے جو گزشتہ کالج لاہور کی مجلس اردو کے جلسوں میں ۱۹۳۳ء کے دوران میں پڑھے گئے، انھیں دور حاضر کے نوجوانوں نے لکھے ہیں اور ان مضامین کا تعلق بھی دور حاضر سے ہے۔ نو مضامین ہیں۔ سب چار۔ دور جدید کے ان شعراء سے تعلق ہیں جو اجماعی زندہ ہیں یعنی اقبال، اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی اور نفاذی۔ اقبال کی شاعری پر صرف اس نقطہ نگاہ سے تنقید کی گئی ہے کہ وہ بحیثیت فلسفی دنیا کے مستقبل کے متعلق کن خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اختر شیرانی کی شاعری کے متعلق راستہ جدیدی صاحب کا مضمون بہت دلچسپ ہے۔ لیکن ان کے انداز سے ایسی بڑی کٹھنی ظاہر ہوئی ہے جس سے ایک نقاد کو گریز کرنا چاہیے۔ حضرت جوش ملیح آبادی کی شاعری کے متعلق حینظ صاحب ہوشیار پوری کا مضمون ان کی قوت مشابہہ اور تحریک کا ثبوت دیتا ہے۔ لیکن اگر اس میں ان کی شاعری سے جدید مثالیں بھی شامل کی جائیں تو بہتر تھا جناب عرفانوں صاحب کی باقیاتی نفاذی پر تنقید ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔ باقی پانچ مضامین میں سے دو جرمن ادب اور فلسفہ سے تعلق ہیں اور ان میں گوٹے اور ٹسے کے پیغامات بحث کی گئی ہیں، برہمنی سے مضمون نگار فلسفہ کے دین مسائل کو چھی طرح واضح نہیں کر سکے اور انھیں دلچسپ بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ایک اور مضمون میں منشی پریم چند کے انسانی و انسانیوں پر تنقید کی گئی ہے۔ طرز تنقید انگریزی ہے اور عام تنقید اس سے اس لیے بہتر ہے کہ نہ تقریظ ہے نہ تعریض بلکہ تنقید ان مضامین کے علاوہ ایک افسانہ اور ایک علمی مضمون بھی شامل ہے صفحہ ۱۱ قیمت پچیس روپے۔ آغا عبدالحمید محمد مجلس اردو معرفت دارالاشاعت پنجاب لاہور

سال نامہ ادبی دنیا

ادبی دنیا "کاسال نامہ اس سال ۴۴ صفحات پر غیر معمولی اہتمام سے نکلا ہے" اور اس میں بکثرت بلند پایہ مضامین اور خوبصورت تصاویر نظر آتی ہیں مضامین کا وسیعاریوں و بحیثیت مجموعی قابل تعریف ہے لیکن یہ مضامین خاص طور پر پس پسند آئے ہیں۔ ڈرامے، ملی کامیابہ اور کھکھ کا نقشہ، افسانے، نفاذ کا جال لکھو پڑا عورت کی طاقوت اور مہجورن علمی مضامین۔ اردو شاعری کا پہلا شعور، نظمیں میں، جوش، آزاد، سیام، جوش۔ احسن کا کلام اور فقرات میں فتوح الشام عورت اور آرٹ وغیرہ ضخامت ۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ چار گائے۔ دفتر ادبی دنیا لاہور سے طلب کیجئے



تصاویر

وہابی لڑکی خان بہادر عبدالرحمن صاحب چغتائی کے آرٹ کا جدید ترین نمونہ ہے جس نے خاندان کی تائید کے لیے تصویریں کھینچیں۔ انہوں نے زنجیل سے رنگ خطا کرنا ناپائیدار ہے۔ عین ان پروف میں ہی قدرت حاصل ہو کر وہ تصویروں میں خیالات کا اظہار پوری کاسیائی و کرکٹیں ہیں، اس تصویر میں وہابی لڑکی اپنے بھائی کو خیالات میں گم اپنی ماہ کی پردہ لگے بغیر اپنی دھن میں چارہ ہی پر حقوق کے جھکے ہوئے سر بھی اس کی جڑائی کی تصدیق کر رہے ہیں۔ گویا مصور نے کائنات کو لڑکی کا ہم فوج بنا لیا ہے تصویر کا ہر خطا در رنگ اس کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔

سوستان کی ایک پہاڑی سڑک سوستان یورپ کے وسط میں ایک نوجوان خطہ ہے جسے بسا اوقات سمیرے شنبیہ دی جاتی ہے سفر کی عیشت گاہ جسے گزراؤ یورپ بھی کہا جاتا ہے۔ دنیا کی خوشامترین سیر گاہیں شمار ہوتی ہیں یہ سڑک پہاڑوں کا کٹ کر بنائی گئی ہے ایک درہ میں تھیل کا منظر نظر آتا ہے تو باہر اترتے ہوئے شہر نورڈی میں صومگہ کا شاہکار ہے۔ گزرتے ہوئے درہ میں اس کی نظرت کی دروندی جھلکتی ہے اس تصویر کے ٹوڑھونے کا راز بھی یہ ہے کہ مصور کو اپنی تخلیق سے پوری ہمدردی ہو لڑکی کا بھلا بھلا چہرہ ایسا ہوا کہ اسے کچھ ہی لمحوں میں کھڑے ہو جاتا ہے اس کے لباس کی ڈھیری بھی اس کی پریشانی کا اظہار دیتا ہے۔ **خمنے کے دو نظریے** تصویر میں میان شیعہ و صوفیہ عقائد کے ختم کے ختم میں اس کی گمراہی میں اس کی اپنی نظم و ضبط کے ساتھ شائے ہو ہیں۔ **مغربی ایشیا کی ایک لڑکی** تصویر میں ایک گولڈ کے ٹولم کی آفریقہ ہے اگر کھان کا ایک ٹولم میں گرتی ہے اس میں ایسی چہرہ ہوا خوشام

آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جوئی اسرائیل کے پیغمبروں کا گہوارہ بنی۔

بچپن یہ تصویریں بچپن کی معصومانہ مسرت اور جدوجہد کی یاد دلاتی ہیں۔ ایک بچے کے چہرے سے شرارت چمک رہی ہے۔ دوسرا بچہ لڑکی کی ٹوکری میں ہاتھ ڈال رہا ہے گویا اچھی سے دنیا میں اپنا حق جتانا چاہتا ہے۔

نران وارک میدان جنگ میں سو رہی ہے فرانس کی تیرہول لڑکی سپاہیوں کی طرح تھی امدان کی طرح رات کو میدان جنگ ہی میں موتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ احتیاطاً رازداریاں سمیٹتی تھی۔ مصور نے اسے درہ میں لمبوس دکھایا ہے۔

خیال جوئے گزراش شاعری کی صنعت کی بہترین بلوگاری جو نوم برگ کے نگار خان کی زینت ہے۔ ہمایوں کی گزشتہ اشاعت میں سوچ چاک کے نام سے جو تصویر بھیجی تھی اس سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ دونوں اردوں کا خیل انھیں ایک ہی جگہ لے گیا ہے لیکن ان کے تاثرات میں کچھ اختلاف ہے۔

ڈیوٹیکو کچھن مشہور اطالوی شاعر ڈیوٹیکو کچھن کے ساتھ کھیل رہا ہے اسی وقت اس کے لمبن میٹیرس کی محبت کا پاک جذبہ پیدا ہو رہا ہے جس کو سناؤ ہو کر وہ آئندہ ڈیوٹیکو کی شان میں نظمیں لکھتا ہے جن سے وہ زندہ جاوید ہو جاتی ہے۔

قدیم رومن کی دعوت عروسی رومن میں ایشیائی روم بہت حد تک پھیل چکا تھا مشرقی ترک و تاشام خرم قدم کیا گیا تھا اس تصویر میں بھی کوئی قدیم رومن عورت دکھائی دیتی ہے۔ گرجی تصویریں لڑکی کی قہر گاہ میں ایک یورپی عورت کی گرجی اس میں پورے جوئے پر کھائی گئی ہے۔ رومانی عورتیں فراغت سے سونے پر دراز ہیں وہ گری ہو کر ایک شہسوار کو کہتی ہیں جس نے انھیں سست بنا دیا لیکن گرجی ایسی شہسوار ہیں جس سوار گرجا میں۔ وہ صراحتاً کلام سے چھڑ کر زور سے جتنا جاتی ہے کہ

سرورق بچپن کی ملاقات کے بعد جب ڈیوٹیکو کچھن نے نو سال کے بعد میٹیرس سے ملا تو وہ ایک نوجوان ڈیوٹیکو بن چکی تھی اب اس کے حمن نے ڈیوٹیکو کو کمال طور پر سحر کر لیا۔ سرورق کی خوب صورت نگار تصویر اس موقع کی ہے؛

طلسم زندگی

جناب میاں بشیر احمد ضابی۔ اگس بریجیاؤں کی تازہ تصنیف کے متعلق اہل ملک کی رائیں

میاں عبدالعزیز صاحب بیئرٹرائٹ لا صدر بلدیہ لاہور
 ”طلسم زندگی“ کے بڑے ہی جلد اور چسپائی کی خوبصورتی کو دیکھ کر جب فہرست مضامین نظر ڈالی تو دل نہ چاہا کہ اس کتاب کو بغیر پڑھے اور غور
 کے چھوڑا جائے اور نہ چھوڑا جاسکتا ہے۔ میں نے اس کتاب کو اپنی میز پر رکھ لیا ہے تاکہ دتتا فوتا اس کے کسی نہ کسی مضمون کو دوبارہ سہارا
 بلکہ تواتر چڑھا جائے۔ یہ ایک خوب صورت چھوٹے چھوٹے مگر قیمتی مکتوبوں کی لڑی ہے۔ آپ نے صرف زکریا سے اس کو مرتب کر کے شائع
 کیا ہے اور حضرت ہمایوں مرحوم کی یاد تازہ کر دی ہے۔ خدا آپ کو اس کا صلہ بخشنے۔

میر حسن حسین صاحب نجیب نمکندہ حیدر آباد دکن

”طلسم زندگی“ آرائش ظاہری کے باعث بے حد نظر افروز اور جن معنوی کی وجہ سے نہایت روح افزا ہے کتاب کو دیکھ کر
 طبیعت پھڑک گئی اور جی باغ باغ ہو گیا۔

چوہدری محمد حسین علی الدین صاحب شمس جرنلسٹ

میں فصل رائے تو ساری کتاب پڑھ کر ہی لکھوں گا لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قریح جتنا ان کے بعد یہ پہلی کتاب ہے جس شان کے ساتھ
 شائع ہوئی ہے۔ اسے دیکھ کر میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک زندہ مصنف کی زندہ زبان میں زندہ رہنے والی تصنیف ہے جو کتابت
 طباعت و تصویر و جلد پر ہر چیز نظر فریب اور دیدہ زیب ہے۔ اور آپ کے حسن مذاق کی مشاہدہ۔
 کاش آپ کا انداز تحریر میرے مقدّم میں ہوتا +

قیمت ————— پانچ روپے ————— علاوہ محمولہ لاگ

پتہ۔ سید عبداللطیف و فرستالہ ہمایوں ۳۳۔ لارنس روڈ لاہور

مردہ اے پیمانہ بردارِ خستہ جاز بعدِ تیرے تیرے رندوں کو بھڑکایا ہوش

بالِ حبیل

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مدظلہ کا تازہ اردو کلام

ڈاکٹر صاحب کا یہ تازہ اردو کلام تقریباً پچاس سال کے بعد شائع ہو رہا ہے اس اشار میں بار بار صاحبِ حمد کو ان کے اپنے دہانہ لفظ یاد دلانے گئے جو انھوں نے غالب مرحوم کی روح کو خطاب کر کے کہے تھے ۔

گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے شمع یہ سودا بی دل سو نہری پروانہ ہے
ڈاکٹر صاحب کی اس شانہ کشتی نے گیسوئے اردو کو ابد تک کے لیے آرامتہ کر دیا ہے اس عجیبہ میں اردو غزل و نظم اور مثنوی باطل نئے رنگ میں جلوہ پیرا ہوئی ہے جس طرح ڈاکٹر صاحب کی شاعری کے دوسرے دور کی ابتداء جس نے شانہ میں آغا ز کیا، یورپ میں ہوئی، اسی طرح اس چوتھے دور کی اردو شاعری کی ابتداء بھی یورپ میں ہوئی جب آپ مشفقہ میں وہاں تشریف فرما تھے۔

اس کتاب میں بیشتر غزلیں بنوایاں اور رباعیاں ہیں جو انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک بالخصوص انڈس (ہسپانیہ) اور مالک اسلامیہ میں لکھی گئیں۔ انڈس کی سرزمین کی سیاحتِ طرہ اسلام کو جن حیرت افزا جذبات کے اثر زیرِ پر کر سکتی تھی ان کا اندازہ صرف اس مجموعہ کی اس نظم سے ہو سکتا ہے جو طبع کے متعلق ہے۔ وہ دعا جو اس قدیم سکہ میں چھپ کر بارگاہِ ربِ اعزت میں کی گئی شاعر کے بے تاب دل کی اس آرزو کا آئینہ نگاہِ بشرق کی اُشاقانہ تانیہ کے لیے ہر وقت اس کے سینہ کو گرم رکھتی ہے غرضکہ غزل اور نظم میں ایک نئے جذبہ اور نئے دلوریت کا زندہ پیغام ہے۔ کتاب کی نشر و اشاعت کا انتظام لاہور کی مشہور معروف ذمہ تاج کمپنی لمیٹڈ کے سپرد ہوا ہے جو اس کی فروخت کیلئے سولی بحیثیت ہے۔ کتاب کا سائز ۱۰×۷ ۱/۲ حجم ہوا اور صفحہ ہر گاہ کا نصف لکھائی چھپائی دینے کیلئے تیار بل جلد دو روپے اور جلد اڑھائی علاوہ محصول ڈاک۔ کتاب زیرِ طبع ہے اور غفر میں شائع ہونے والی ہے شائقین کو بہت جلد

تاج کمپنی لمیٹڈ برادر تھر روڈ۔ لاہور

کے ایس فرمائیں بھیج دینی چاہئیں۔ تاکہ کتاب تیار ہوتے ہی ان کو مل جائے۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن کے لئے
رحمتِ انظار کمپنی برقی *

ذکر حبیب کی مقبول فریقین کتاب

سوانح حضرت
علی کرم اللہ وجہہ
ایک پرچہ

دلیل کا حال
۳۴

قرآن صحیح
پڑھانے والی کتاب
۳۳

بچوں کیلئے
ادبی کہانیاں
۳۲

میلا دوسرا رمدنی مع شب معراج

سوانح سیدنا
حضرت امام حسن
۳۶

جس میں ولادت فورے کے کرب شب معراج تک کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ ایک بھی موادیت
ایسی نہیں جو سید فریقین نہ ہو۔ حال ولادت۔ زمانہ رضاعت۔ معجزات جہانی۔ معجزات روحانی
واقعات شب معراج۔ آسمانوں کی سیر۔ ہمشیت و دوزخ کے نظارے۔ حور و فلان کے سین۔ حبیب
و محبوب کی گفتگو۔ محبت کی باتیں۔ راز دنیا کے سین بفتیہ کلام کے شجرے سیلا و خوال کی
جان مسلمانوں کی روح روان۔ ہمارا دعوئے ہے کہ ذکر رسول میں آج تک اردو کی ایسی کتاب
شائع نہیں ہوئی جو بہ لحاظ ادبیت۔ علمیت اور تحقیق اس قد بلند اور ممتاز ہو جسکی تصدیق علمائے
کرام اور مشیائے اہل ملت کے ریوے سے ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بلا غلط فہم نہ ہو تو فوراً واپس کر دیجئے گا
کتابت۔ طباعت اعلیٰ درجہ کی۔ باایں ہر قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصول۔

دو دو باری
بچوں کیلئے
۳۵

بچوں کیلئے
عہدہ غفلتیں
۳۷

کلام مجید میری
مجلد ایک و دوسری

علی تغیر
۳۸

سیدنا امام
حسین کے حالات
۳۹

مغربی معاشرہ
ایک روپیہ

پچھ ماہ کا سیاہی
نہایت دل سوز
۴۰

لشکر مینجر امیر ایکٹبسی قصبہ جارج ضلع بلند شہر (دیوبند)

محصول بذمہ سردار

مشہور و مستند قدیمی دوا خانہ یونانی (دہلوی) جرٹرڈ۔ بازار چھٹی ہٹہ لاہور دار السلطنت پنجاب

میں یہ دوا خانہ سنہ ۱۹۰۷ء سے نہایت اعلیٰ پایہ پر کام کر رہا ہے۔ جو چاہی تازہ مفرد اور یہ اور پورے نخل کی باقاعدہ ہوتی ہوئی مرکب مجرب و دل کے تمام ہندوستان
میں مشہور ہے ۷۰۰ سے زائد کیری مرکبات ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ نہرست دوا خانہ مع جنتری مفت منگو کر لیا حفظ فرمائیں۔ بیرون ملک کے پاسلو
کی تعمیل فرمائی جاتی ہے عجیب اور دکان دار صاحبان کے لیے خاص رعایت ہے۔

رجسٹرڈ بلا لحاظ موسم اور عمر ہر ایک مذہب کے لئے عورت۔ مرد اور بچوں کے واسطے یکساں مفید۔ امراض سینہ کے
واسطے یشرت کیا دی طریقہ پر لپی ادویات کیا گیا ہے۔ کھانسی تب کہنہ۔ زلزلہ ذات الخب۔ الخ
سل اور دق کے مرض اس سے شفا یاب ہو چکے ہیں۔ بدن میں تازہ خون پیدا کرتا ہے بھوک خوب لگتی ہے بقوی اعصاب ہے

مکرم و مضبوطی کو از حد طاقت دیتا ہے۔ طالب علم امامی کلام کرنے والے محاسب سے فائدہ اٹھائیں قیمت فی شیشی ۱۰ انیس میں فولک پریپر

(علاوہ محصول وغیرہ۔ پرچہ کرلی استعمال ہوا ہوتا ہے)
قدیمی دوا خانہ یونانی دہلوی (رجسٹرڈ) بازار چھٹی ہٹہ لاہور

بسیوں صدی کا پہلا عجوبہ... تقریباً ۱۰۰ تصاویر... تقریباً ۱۴ صدی تک عکسی (بلاک) ایک مکمل انسان کی شکل
مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر و حکیم یعنی کن اور دودھ کے قریب سی تصاویر و مزیں ہر
 طبیب ہم مصور لائبرین

طبیب ہمس کی خصوصیات، کتاب کو زیادہ دلچسپ و مضمین بنانے کے لئے تقریباً ۲۰۰ دیدہ زیب اہم مفید اور کارآمد تصاویر کا اضافہ
 کر دیا گیا ہے جن میں تقریباً ۲۰۰ عکسی نگین تصاویر بلاکس، ہیں جس میں بسیوں کے ہیں ۲۰۰ کے قریب سی تصاویر و مضامین کا پہلو
 لئے ہوئے کتاب کی زینت ڈھار دی ہیں تمام نگین تصاویر بلاکس، اعلیٰ درجہ کے مفید چنے کاغذ (آرٹ پیپر) پر طبع کی گئی ہیں تقریباً ۳۰۰
 صفحات پر جاری ہیں جس سے کتاب کے حجم میں معتد بہ صفحات کا اضافہ ہو گیا ہے ان تمام تصاویر کی تیاری چھپائی اور کاغذ وغیرہ پر بانی
 کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے اور ادارہ کو سابقہ سے دو چندان اخراجات کا تحمل ہونا پڑا ہے مگر ان تمام خوبیوں اور جہدوں کے باوجود اس کی

قیمت میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ ایک گھٹے سے مکمل کتاب کی خریداری پر دو روپیہ کی خاطر عاریتے

ان صدی بخاس کے علاوہ حوتی طبیعت کے موجودہ ایڈیشن میں اکثر امراض کے لئے نئے مفید محبت سے عجائبات اور کارآمد صفحات کا پیش ہوا اضافہ کر دیا جس سے
 کتاب باز پہلو سے سابقہ ایڈیشنوں کی نسبت زیادہ مفید اور زیادہ حال کی ضروریات کے مطابق بن گئی ہے جس میں ہر ایک غرض کی تعریف اسباب
 علامات، ماہریت، اختتام، تشخیص و انجام غرض کے بیان کے بعد اکثر ایشی ملحد میں اول حفظاً مقدم، پھر علاج، شافی، پیشہ وری عجائبات
 کے علاوہ ویر پیماری کی بہترین مشنٹ دودھ کا دگر بھی کر دیا گیا ہے علاوہ ازیں علاج بذریعہ آشکاش یعنی جلدی کی بیماری، کاغذ اضافہ کیا گیا ہے اور
 اور طبی علاج میں بہترین طبی تجربے کے علاوہ مفید ترین مفرد دویہ کے استعمال کا بھی اضافہ کر دیا ہے اور ساتھ ہی ہر مرض کے آخر میں غذا اور پرہیز کا ذکر بھی کر دیا گیا

ہمارا دعویٰ ہے کہ اسے لایا ہے نظیر تجربہ طبی دنیا کا کوئی مصنف نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ انھیں صحت کے ساتھ اس کی قیمت میں ایسی کمی نہ ہو کہ مصروف و لاچار طبیب
 ہمارا دعویٰ ہے کہ آج تک دنیا کی کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی پس ہر گھر میں رہنے کے قابل ایسی جامع و مستند کتاب آج ہی ہم کو مل گئی ہے

قیمت ہر دو جلد مکمل بلا جلد بارہ روپے ۲۲ مجلد تیرہ روپے ۱۲ فی جلد بلا جلد چھ روپے ۲ مجلد چھ روپے ۱۴
 رعایتی قیمت مطابق اعلان ہر دو جلد مکمل بلا جلد دس روپے ۲۲ مجلد گیارہ روپے ۱۲ فی جلد بلا جلد پانچ روپے ۱۲ مجلد

المنہ پانچ روپے ۱۴ علاوہ محصول ڈاک

مینجر طبی کتب خانہ شمس الاطباء بھائی گریٹ ہور

برقی طاقت کی گولیاں

یگولیڈینی جواہرات کا ایک ایسا مرکب ہے جس کی تاثیر برقی لہروں کی مانند ملحق سے اتنے ہی تمام جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ یہ ہر ایک کمزوری کی دوا ہے۔ جس کا تیز خطنیں کرتا۔ ایک مزیدہ بیمار کو بہتر مرگ پر سے اٹھا کر بخوابتی ہے کمزوری خارج کو دور کر کے طاقتور بناتی ہے۔ اعصاب، زہر اور حرارت عریزی کی مخالفت کرنے میں ایک مشہور دوا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو روماس کے استعمال میں رہا کرتی ہے۔ نازک مزاج اور کمزور انسان جن کے دل ذرا سی تحریک سے دھڑکنے لگ جاتے ہیں یا مرگی (صرع) کا دورہ کمزور دیتا ہے نہایت مفید ہی دماغ کی کمزوری جو کثرت افکار یا کثرت مطالعہ کی پیدا ہو جاتی ہو۔ دور کر کے طاقتور کر دیتی ہے۔ اور ان کی حفاظت کرتی ہے نیز زہریلے جانوروں کے زہر کا تریاق ہے ہر عمر اور ہر وقت استعمال کر سکتے ہیں قیمت پچیس گولیوں کی بیشی (پانچ روپے) (فوٹ) اگر طبی مشورہ کی ضرورت ہو تو جیکب محمد المومن صاحب کو چھ ملاں سعید مرتنگ لاہور کو بیمار کے مفصل حالات مہندہ کر کے روانہ کریں۔ جواب طلب امور کے لئے محصول ڈاک آنا ضروری ہے۔ فہرست تجارت دوا خانہ صحت حاصل کریں۔

المنہصر۔ بیخبر دار العلج۔ بڑا بازار مرتنگ۔ لاہور

طب اور حفظان صحت کا بہترین ماہور باتصویر رسالہ

مشیر الاطباء

ملوٹہ ملوٹہ
میں الاطباء بنو الحکما رہناب حکیم محمد حسن ضاقتی پرنسپل

طب لیکن لاہور کی ادارت میں عرصہ بارہ سال سے نہایت پابندی وقت کے

مفت
پیام صحت
جس میں شہاب اور شہاب
اور شہاب کی سنگوں کا راز چھپ
طریق پر بیان کیا گیا ہے۔
مفت
طلب کریں۔

طبی فارماکوپیا
نے ہندوستان میں جس قدر
متبول حاصل کی ہے وہ روز بروز
کی طرح واضح ہے قیمت
ہر دو جلد جلد نہری ست روپے
چار آنے غیر جلد چھ روپے

ساتھ شائع ہوتا ہے۔ اس کتاب کا طبع و نسخہ الاطباء تشریح و تفسیر اور علاج الامراض لیزا ویدہ و عقاید درازی عمر اعادہ شباب وغیرہ کے متعلق محققانہ اور پیش قیمت مضامین اور ہر قسم کے مسائل ۳۰۰ ہر درجہ تخمین کرٹ پریم کا بالتصویر رقم ۵۰ صفحات چند سالانہ صرف ۵۰ روپے

ناظم مشیر الاطباء و چشمہ زندگی فلمینگ روڈ۔ لاہور

ٹیلیفون ۳۵۳۰

- نکل پڑے بھارت لاہور

بھارت انٹرنیشنل کمپنی قائم شدہ ۱۸۹۶ء کی کسی لکیر پر رعبے کو ملک میں ہی یہ

سید آفس بھارت بلڈنگ لاہور

اداشدہ تھیں ایک کروڑ روپے سے زائد
بھارت انٹرنیشنل کمپنیتھوڑی لاگت پر زیادہ سے زیادہ منافع پیش کرتی ہے۔
ملک میں ہی پہلی خالص نیم کمپنی ہے جو سب سے زیادہ منافع دے رہی ہے
تفصیلات کے لئے اس پتے سے خط و کتابت کیجئے۔

ایکٹنگ جنرل نیچر بھارت انٹرنیشنل بلڈنگ لاہور

راہنمائی میں کیا ہے؟ مسلمانوں کے

حالت کی اصلاحی پیادوں اور کمزوریوں کا علاج! اس نے میں ہی قوم زندہ رکھتی ہے جس کا ہم تندرست و ماضی صحیح ہو اور جو علم سے بہرہ ور ہو کیونکہ بظلم قوم کی زندگی جاؤروں کی بدترکب مختصر نیست مضامین ملاحظہ ہو۔

(۱) شیش (۲) استدعا (۳) اسلام نے دنیا کو اعلیٰ کیا (۴) قرآن کریم کی پکیں (۵) انسان خدا کا نائب ہے (۶) مسلمانوں کی حالت (۷) مسلمانوں کی ترقی کن باتوں پر مختصر (۸) نوجوان مسلمان اور مجتہد (۹) نوجوان مسلمان کیسے ہونے چاہیے (۱۰) خدا کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں (۱۱) بہت آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوتا (۱۲) کیا مسلمان درمند ہونا چاہتے ہیں (۱۳) ایجاد و اختراع صنعت و حرفت کی ترقی کے اسباب (۱۴) چھٹی چیزوں کو حقیر سمجھو (۱۵) ارادے کی کمی کو کامیابی کا راز ہے (۱۶) موقع اور اتفاق ہو کامیابی حاصل کرو (۱۷) دولت کس کام کی چیز ہے؟

صرف اس نہرست کے مطالعہ کے کتاب کے اہل مضامین اور نوئے معلوم ہونے نامکن ہیں۔ یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے ہر مسلمان کو اس کی ایک جلد ملنا ضرور ہے پڑھنے چاہیے قیمت ربکا اداؤہ عام بہت کم بھی یعنی صرف ایک روپیہ ہر علاوہ حصول ڈاک فوٹ!۔ ہماری سب کتابیں قریشی بلکہ علی گڑھ کی شری بازار لاہور سے اور قندیل پریسیشن ڈھ جید راولپنڈی سے بھی مل سکتی ہیں۔

برائے راست

دہلی بک اینڈ نمبر ۲۵ کوچہ تاراجند دہلی

عورتوں کو گھٹنا بنائیو! استانی!

آدرست عورت کمر و کاہدہ و رفق و دلجو بنایا ہے دنیا کی تمام ٹیپیاں اور تین عشرت کا سامان اور وہی آسائش و آرام کا انحصار عورت کی ذات و ایکہ خاندان داری کے بکھرے سینا پر نہا چکا تاہم اگر کوشش بچوں کی پرورش و روپیہ کی انتظام وغیرہ بہت سی ذمہ داریاں عورت کے پیچھے لگی ہوئی ہیں مگر عورت پھر بڑھاپہ تو اس گھر کا کلیاں ہوتا ہے۔ اس نئی کا اندازہ دی خوب کر سکتے ہیں جن کو یہی عورتوں سے پالاڑا ہے اس مشکل کو رفع کرنے کیلئے کتاب میں حصول میں بی تربت کی ہر کار کو کئی کسٹھ بنانی بہترینوں کو سیدہ شجری اور انتظام خاندان کی سکھانے میں کی بھری کتاب ہڈان کی کسی بان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس کتاب کیلئے کرنے سے ہر عورت سیدہ مند و ہر شجری کی ہر کیونکہ ہر ایک سفلوٹ نکٹیں کے کدواضع کیا ہے اور پوری کتاب میں ۱۲۰۰ کے قریب نگاروں میں منسلک مضامین کی نہرست صفت طلب کیجئے سفید کاغذ پر خوش طبع ہوئی ہے اس کتاب کیلئے انٹین طبع ہوا ہے ہندوستان کے تمام ہوں لیاہرات اور سکول و تمام علمائے شہر نے اس کتاب کو اپنی تعلیم کے لیے سفید و ضروری کتاب ہے اس کتاب کی بہت سی جلدیں ہر شہر سے تعلیم و تاراج کے لئے خرید کی گئی ہیں۔ تالیق نسوان کے دس حصے میں جو کچھ کیلئے ہر قیمت مکمل کتاب علاوہ حصول ڈاک چار روپے چھ آنے۔ رسالہ کا جو الضرو دیں۔

فن گرھٹ چکن سانی اردو و ہندی میں

جس طرح ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کا دل باغ کے خوشیاں پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اسی طرح ہر بچہ پڑھنے پر کاغذ سے بے ل وٹوں اور اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چکن کو لباس کو زیب تن کرنے سے بہت مسرت ہوتی ہے اس امر کو نظر رکھ کر کتاب میں ہر کم کی گرھٹ کاغذ کے قاعدے برسیان کاٹنے کی ترکیبوں بہت سی ہندی تالیق چکن سانی سکھائی ہیں ہندو مسلمان ہر بچہ شوق کو ہر کار کے لیے کیا رنگی ہر بچہ کو اس کے ساتھ دو بڑی نقشے کی کتاب اور بچہ جن کی سکھانے ہندو کی ہر بچہ کے سکھول کو بچوں وغیرہ جاؤروں کی فطرت و ذوق و تاراجی اس فطرت کے خاکے میں اس فن میں کتاب اپنی نظیر ہے ہر کم میں ۵۰ نگاروں میں کی گئی

حالی میں سکھ کی سائمنل ہر فطرت میں علاوہ اس کے خاص سامنے ہر بچہ کی ہر بچہ کی حلد فرمائی چار روپے چھ آنے رسالہ کا جو الضرو دیں اس کتاب کا کدواضع دیں

خوبصورتی کے دو قابل قدر تحفے



پیرامونٹ بیوٹی کریم - ہر مکملہ کی گرفت سیاحیہ کارکر
ہر روز سے یہی سیدہ سیر کی طرح حلاوت اور آسائش کی مانند
ہمارے مکملہ نکال دیتی ہے۔ ہمارے ہجائیاں اور صبریاں فر
دور کر کے ہر کوکھاب کے پھل سادل کش بنا دیتی ہے جس
کو دیکھ کر انی اور اس کی پوری پوری حفاظت کرتی ہے -
قیمت فی شیشی ایک روپیہ مصروفہ ایک علاقہ
پیرامونٹ بریٹانک - بالوں کے جڑیں مضبوط کرنے کے ان کا گرنا بند
کوتا ہے اور انہیں نرم و لطیف حلاوت اور قدرتی سیاہ کرتا ہے -
بالوں کو گلنے کرنا اور بڑھ کر کھنک لیا کرنا اس کا خاص کوشش
ہے۔ رنگ کو تھوڑے سا دھونچے بالوں کی قوتوں کو کم کرنے کا باب ہے۔
رنگت کی شیشی ایک روپیہ مصروفہ ایک علاقہ
مکملہ کا پتہ - پٹیو پیرامونٹ کیمیکل ورکس - بیروڈ - لاہور

PARAMOUNT CHEMICAL
LAHORE

PARAMOUNT BRAIN TONIC



SHARPENS MEMORY

وقت حافظہ

کھیت گھر میں پر جانے اور نوکری کے لئے ہر قسم کی کمزوریوں کا ایک تین تین ہونے والی قہم
کی واحد دوا ہے۔ دماغ پر ہواست اثر کے اثر کے ذریعہ دماغ کو تیز کر دینا اور پھر ان
کی پوری پوری حفاظت کرنے ہے۔ حسب دماغ کو تیزی دوجے ہر جسے دماغ کے دماغ کو تیز کر دینا
بھٹکتے ہیں۔ وقت حافظہ کے لئے ایک حیات ہے۔ حباب میں اور دماغی کم کرنے والوں کے
دماغ کا بچہ ہے۔ موت بچے۔ ہر دماغ سب سے کمزور کسان نہیں ہے
قیمت فی شیشی (۲۰) روپیہ مصروفہ ایک علاقہ۔ حاصل خاک تین شیشی ایک چھپانے
مکملہ کا پتہ - پٹیو پیرامونٹ کیمیکل ورکس - بیروڈ - لاہور

PARAMOUNT CHEMICAL
LAHORE

طی و حفظان صحت کی بہترین کتاب

جامع الحکمت

جامع الحکمت شائع ہو گئی جسے ہندوستان کے مشہور غرض طبیعتیں اور اطباء محمد حسن ضاقوشی پریس طبعیہ
کراچی لاہور نے مرتب کیا ہے اور جس میں مشرق و مغرب کی تمام بہترین کتابوں کا خلاصہ شامل
کی باہریت تشخیص اور علاج کے متعلق مکمل معلومات حاصل کریں

حفظ صحت تشخیص امراض و مجربا کے اعتبار سے اس کے مقابلہ کی کوئی کتاب
اردو میں نہیں ہوئی ایک بی بی یہ ہے کہ اس میں طبیعتیں بھی دی گئی ہیں

کتاب ایک ہزار صفحات سے بھی زائد ہے۔ کتابت طباعت کاغذ بہترین
پتہ - انعام مشیر الاطباء و چشمہ زندگی - فلمینگ روڈ - لاہور (پنجاب)

سینٹرل انسٹی ٹیوٹ
حصص فروخت شدہ
۹۰۴۰۹ روپیہ

دی مسلم ٹریڈنگ کارپوریشن لمیٹڈ بمبئی نمبر
سرمایہ منظور شدہ تین لاکھ

سینٹرل انسٹی ٹیوٹ
حصص وصول شدہ
۵۰۸۵۶ روپیہ

حج اکبر براہ کی بذریعہ موٹرس ۱۹۳۵ء

رواگی

دہلی سے سفر زیارات حج اشرف کالین شریف بمبئی مقدس کربلا معلیٰ مخالفہ وفات بمبئی حیدرہ منورہ۔ بذریعہ موٹرس ۱۹ جنوری ۱۹۳۵ء
میں حج اکبر کی مکمل انتظامیہ سنبھالی گئی۔ روانہ ہوا کہ صد ہا سال پہلے کا خطا برآہ دی گئی تھی۔ جس کی سبب سے پہلے ایک قافلہ نکلا۔ بلاتلاف کے لیے اور کربلا
معلیٰ کا حج اشرف پہنچے گا۔ پندرہ سو سو تورات کے لیے پرہیز کا حاصل تمام ہوگا۔ گاڑی چلے جائے ہندوستان میں ہادی کی پستی ہے جس نے اس راستے کے تمام
نشیب نماز پر قیادار بنایا ہے اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر اس مرتبہ یہ سبب قبول جانے یا پڑو لیں تو تم ہو جانے کی وجہ سے قافلہ وقت پر پہنچاؤ اور ایام معرفت والیں
کیا رہا جیسا کہ سبب سے پہلے ایک گزیر لکھی جیلوں کے مطابق ہوگی تاکہ نہایت آرام سے سفر ہو اور موٹرس ٹی ہوگی اور درستی پر تجربہ کار ہوں گے کہ اگر
آمدت جملہ کے لیے پانسو روپیہ زائرین کے لیے اڑھائی سو روپیہ بیڈ ریز دکرانے کے لیے پچیس روپیہ پیشی ادا کرنے لازمی ہیں۔ بقایا روٹس
میں وصول کئے۔ آخری قسط وقت رواگی ادا کر لی ہوگی۔ نوٹ: بیڈ جلد ریز دکرالیں ورنہ کرایہ میں ایک سو روپے کا اضافہ ہونے والا ہے۔
۲) جہانی بہارن پور سائڈ کے لیے بس سٹول آف نڈیاں سٹول آف عم بیہ ریز ہو چکی ہیں حالانکہ ضرورتوں کے لیے
ایک میں ریز ہو رہی ہے جلد کی کریں تاکہ پوری گاڑی ریز ہو جائے۔ علاج و دوا مفت سند یافتہ ڈاکٹر مع دراختیار کے ہمراہ
ہمیں حج خدمت گار مل قافلہ کی خدمت کے لیے غیر سوانہ کی طرف سے قافلہ کے ہمراہ ہوں گے۔ کھانا ہر مقام پر تیارہ وازن مناسبہ کی پی سی
انتظام کرتی ہے وکشا پدنت ضرورت فوری ضرورت کے لیے جلد سامان ہمراہ ہوگا۔

نوٹ: دہلی سے جدہ تک ہوائی جہاز: سے سفر کا انتظام ہے۔ بس دوم کاسفر ہوگا۔ کرایہ اٹھ روپے مع خوراک گیارہ سو روپیہ (۱۱ سو روپیہ)
اور جدہ سے ہماری موٹرس کے ذریعہ مکہ شریف سفر دہلی سے جدہ تک صرف ۳۶ کھنڈے کا ہے۔
سینٹرل انسٹی ٹیوٹ دی مسلم ٹریڈنگ کارپوریشن لمیٹڈ دی مینج دہلی لاہور دفتر شیلیفون نمبر ۲۰۶۔ سرکل آف سہارن پور
برائچر۔ لکھنؤ۔ مراد آباد۔ جالپور۔ جہانسی۔ ڈیرہ۔ دون۔ دیلا گم۔ بہراچ۔ علی گڑھ۔ کرنال۔ فیض آباد۔ کانپور۔ امرت سرگوجرات (پنجاب)۔ راولپنڈی
کوٹا۔ نوٹ: راخبار کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے کہ گزشتہ سال حج ہمارا قافلہ حج کو روانہ ہوا تھا۔ وہ رستہ قبول جانے کی وجہ سے حج کے وقت
بھلا کر شریف پہنچا۔ اس لیے کارپوریشن نے ڈاکٹر کرافٹ رور میں فیصلہ کر کے اعلان کر دیا ہے کہ وہ حاجی اس سال مفت جائیں یعنی ہر ایک کو
فری پاس دیا جائے تاکہ ان کو ہمارے خرچ سے فری حج کریں گا اس قدر کوئی نہ جاسکے تو وہ آئندہ سال یا اس کے اگلے سال بالکل مفت روانہ کیا جائے گا
کینی ان کو ترجیح دیتی ہو کہ وہ ۳ سال کے اندر اپنی کی طرف سے فری پاس پر حج ادا کریں۔
دی مسلم ٹریڈنگ کارپوریشن لمیٹڈ برائنڈر کھسوں ڈ۔ لاہور



مکتبہ جامعہ دہلی کی تجدید فہرست

نئی کتابیں

مسلمانوں کی آئندہ تعلیم کی بے اربابیت کے مطالبے کی چیز ہے۔۔۔ قیمت ۵۰/-

روح تہذیب و خواجه غلام اسدین صاحب ایم، ایڈریڈز، پرنسپل ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا فاضلانہ مقالہ جو آپ نے اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک جلسے میں پڑھا قیمت ۵۰/-

نیم شب مشہور نامہ، پروفیسر شیخ عین قریشی ایم اے کا تازہ ترین ڈراما۔ اگر ہندوستان میں پچاس برس بعد اشتراکیت کا زور ہو تو ملک کی کیا حالت ہوگی۔ یکم دسمبر ۱۹۳۵ء کو ٹیفنس کالج کی ڈرامٹک سوسائٹی اسے کھیل بھی گئی ہے۔ حاضرین نے بہت پسند کیا۔۔۔ قیمت ۵۰/-

دل چپ افسانے مشہور فنانسنگ گار کوثر چاند پوری کے افسانوں کا مجموعہ۔ مطبع جامعہ نے نہایت خوش ناما کی بت و طباعت کے ساتھ تیار کیا ہے۔۔۔ قیمت ۵۰/-

اسلام اور مذہب بالاطبیحات پر معمول ڈاک اور پبلنگ باطل صاف ہے۔ بشرطیکہ فراموش کم از کم درود پے کی جو

مکتبہ جامعہ دہلی

علم العلج

علم الادویہ کوئی طبی کتب خانہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا

دوا سازی

خزانہ الادویہ

لکھا یہ کتاب کی معلومات کو وسیع اور مطالعہ کو لطیف کر دیگی
اس کتاب کی چند خصوصیات یہ ہیں:۔ یہ کتاب دینی ہندی
دیک اور انگریزی دوا سازوں اور عوام کی جان بڑھائے گا کہ اس میں تشریحات

اور یہ کمال بیان ہے۔ ہر پانچ اور افراد و دیات کی تمام کمال کمال و کمال اور بدل وغیرہ نہایت صراحت بیان کئے گئے ہیں کوئی شخص ایک لمحہ دیکھنے کے بعد
خریدے بغیر نہیں ہو سکتا اس کتاب میں ہر ایک دوا کے شروع میں اس کا اردو فارسی عربی ہندی ڈاکٹری۔ دیک نام سے تلفظ دیئے گئے ہیں پھر اس کی وجہ تسمیہ اور اس
دوا کے ذاتی و وصف اور خیر بیان کی گئی ہیں پھر اس کی طبی اور کیمیائی تاریخ اور اس کے ضمن میں کی مختلف ذہن و باطن کے اشتباہات کو مٹانے کے لیے پھر اور دیات کے
افعال، مقدار، عوارض استعمال کو ترتیب و دربان و کرکٹ کے افعال و خواص پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اور عوام و عماروں حکیموں و ویدوں اور طب و کاشی
سے لپی رکھنے والے لوگوں اور ڈاکٹروں کے لیے سونے سے تول کو خریدنے کے لائق ہے کوئی طبیب اس وقت تک نام نہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کتاب کو اس کا
یہ کتاب ہو سکتا ہے یہ مفرد دیات کی انسائیکلو پیڈیا ہے



اس کتاب کو کمال انصاف بنانے کے لیے جس نے مجھے
ہی ہو سکتا ہے عربی، فارسی، ہندی، دیک اور انگریزی وغیرہ کی
نجم النجائب
ہے اس کتاب میں ہزاروں دواؤں کی نہایت مفصل تاریخ بھی لکھی گئی ہے اگر آپ حکیم و وید و ڈاکٹر یا کونج ہیں تو اس کتاب کو ضرور دیکھا کر چھیں صرف سہری نظر سے
ہی اتفاقیہ پڑھنے والوں کو بھی فاضل و نفع کی منت کا پتہ چل سکتا ہے۔ حقیقت یہ جان کہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر دوا کتب خانہ میں اس کو رکھا جائے اس کی سب سے
بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام ضامین اور معلومات صحیح ہیں اور بالکل سچ ہیں جس کی وجہ سے اس کی طبی کانفرنس اس کے مصنف کو نہ ہی تو بطور قدرانی رہا تھا
اس سے بہتر اور جامع و متنوع کتاب اس فن پر آپ کو اور کوئی نہیں مل سکتی ہے یہ سب اس مضمون پر تھوڑے المونٹیں مخرن اور دوا، علاج، البواس، الجھٹا، عظم وغیرہ جو کتاب میں لکھی
ہیں۔ یہ کتاب ان سب پر بحث کی گئی ہے اس کتاب میں صد ہا ای اور دیات کا بھی ذکر ہے جو نہ عماروں کے یہاں سے ملتی ہیں اور نہ جنگل میں پائی جاتی ہیں بلکہ ہمارے
گھر میں استعمال ہوتی ہیں آپ آج اس کتاب کو طلب کریں۔ اگر ایک شت تمام جلدیں نہ خریدیں تو ایک ایک جلد کے منگوائیں۔ ایسی کتابیں ہمارے ہاں نہیں
پھینکتیں اس کتاب کی ہر جلد کو ایک حجم ہزار پڑے صفحات میں قیمت کی جلد یا پھر سب سے سب آٹھ جلدیں چار ہزار روپے چالیس روپے
اس کتاب کے خریدار کو تمام مایہ ناز

مینجر پیسہ انجمن ر لاہور

تھ

مسیح الملک حکیم اجل خان مرحوم کی شرافت سے ناجائز فائدہ

تاریخ پتہ پتہ سنہ ۱۲۵۶ھ
۲۵۶۶
کودھو کا دینے کے لیے معمولی لٹا پھر کے ساتھ ایسے شہناہ رہے ہیں جن
یہ گمان ہوتا ہے کہ ان درواخانوں کے حکم صاحب مرحوم کو کوئی نسبت تھی ایسی حالاً
میں جس لوگ بڑا درواخانہ، بھدرو درواخانہ، یونانی درواخانہ، ہندوستانی ہمدرد
ذکر حکیم اجل خان مرحوم کا خانہ۔ درواخانہ حکیم اجل خان فرید آباد ضلع گڑگاؤں،
کے متعلق کئی قصی رائے تے، تم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

ہم صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ ان درواخانوں کا وجود دہلی میں
ضرور ہے مگر ہندوستانی درواخانہ یا اس کے سرپتوں سے ان کا دور کا واسطہ بھی
نہیں ہے، اور بھی باطل غلط اور گمراہ کن سفید چھوٹ ہے کہ حکیم اجل خان مرحوم
کو جب اپنے ذاتی استعمال کے لیے درواؤں کی ضرورت
ہوتی تھی تو وہ ہمدرد درواخانہ سے منگواتے
تھے۔

حکیم صاحب مرحوم نہیں چاہتے تھے کہ دروازی سے اپنی حجب پر کریں، انھیں بھی گوارہ نہ تھا کہ
طبیعیاتی ان غیر ذمہ دار ہاتھوں سے تہاہ ہوجن کا مقصد محض یہی لگانا ہے جو شکر
کے ایک ہی توام نے مختلف شربت بنا کر دلیک ہی ترغیب سے سبک دت کشیدہ
عرق سے متعدد عرق تیار کر کے عوام الناس کو درھو کا دیتے (طب دہلی کی برابری
سامان جمع کر کے میں طب دہلی کی برابری کا احساس تھا جس سے سنا نہ ہو کہ
حکیم صاحب نے سنہ ۱۹۰۷ء میں ہندوستانی درواخانہ جاری کیا۔ اپنے
اور اپنے خاندان کے کئی ممبروں کے خاندانی خیرات اس درواخانہ کو عطا کئے اور
اس کی کل آمدنی انور دیک انڈیونانی طبی کالج دہلی کے لیے دتے کی دہلی کالج
دہلی کے دروازے ہر قوم و ملت کے لئے کھول دیئے، ایسے شریف النفس انسان
یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اس درواخانہ کا نام اس کے نام سے منسوب کر کے درواخانہ
حکیم اجل خان رکھا جائے، لیکن ان کا انتقال کے بعد ہی پتہ خالی شخص ایک

عرق مار اللہ محمد خاص القاص
کو برائیت کرنا اس کا ادنیٰ اثر نہ ہے جس لئے لہجہ یوں بکثرت پسند کرتا ہے حیرت
انگریز اثر رکھتا ہے ہندوستانی درواخانہ کی خاص چیز ہے۔ جدیداً متفق طریقہ سہ
تیار کیا جاتا ہے کہ اس کے استعمال کے لیے بیچ و بخرق اور لکھ حاصل انھیں میں تو لہجہ مصری
ملاکر نہیں لگا، بلکہ لکھ کے ساتھ ایک کوئی کیرنل باب کی کھائی جائے تو اس کو لہجہ
بہت زیادہ ہو جائیں گے قیمت الیہم کی بولی (۱۰۰) پانچ سو (۱۰۰) (۱۰۰)

موسم سرما کی چند مخصوص دوائیں
اکسیرنیا پتہ درج کی تھی ہونے کے علاوہ عام متوجی ہم (جزیہ ٹانگ)
بھی ہے، باغ اور عصاب میں ایک کی اثر پیدا کر دیتی ہے، باغی ٹانگ کو درھو کے
نور کلم کے لیے مستعد کر دیتی ہے کمزوری کے لیے لاشانی دوا ہے، ان نوائے کے
علاوہ دہلی نزل کے لیے بھی سفید ہے کہ اس کے استعمال ایک گولی صبح کو پلا سرور
کے ساتھ کھائیں اگر کسی کھار اور پتہ عرق مار لکھ حاصل انھیں میں تو لہجہ مصری
ملاکر نہیں لگا، بلکہ لکھ کے ساتھ ایک کوئی کیرنل باب کی کھائی جائے تو اس کو لہجہ
بہت زیادہ ہو جائیں گے قیمت الیہم کی بولی (۱۰۰) پانچ سو (۱۰۰) (۱۰۰)

سندوستانی درواخانہ دہلی
(پوسٹ پتہ ۲۲)

چاند
کتابت
اور لکھ بیلری کا علاج چہرہ زندقہ بھی تباہ کیا ہے ۱۰۰ صفحہ کی کتابت صرف ۸۸

بچوں کی طاقت بڑھانے والی مشہور دوائی

ڈوگرے کا بال امرت

ڈوگرے کا بال امرت میٹھا ہونے کے سبب چھوٹے بچے بہت خوشی سے پیتے ہیں چھوٹے بچوں کی کھانسی بخار، بھینسی، پیش و غیرہ امراض جو اکثر نا طاقتی کی وجہ سے ہوتے ہیں اس کے استعمال سے رفع ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے بچوں کا بدن تھوڑے ہی عرصہ میں گوشت سے بھر کر جسم میں طاقت بڑھتی ہے۔

لاہور ایجنٹ

لالہ جلیلت ام پوری اینڈ سنز سٹور منڈی۔ لاہور

